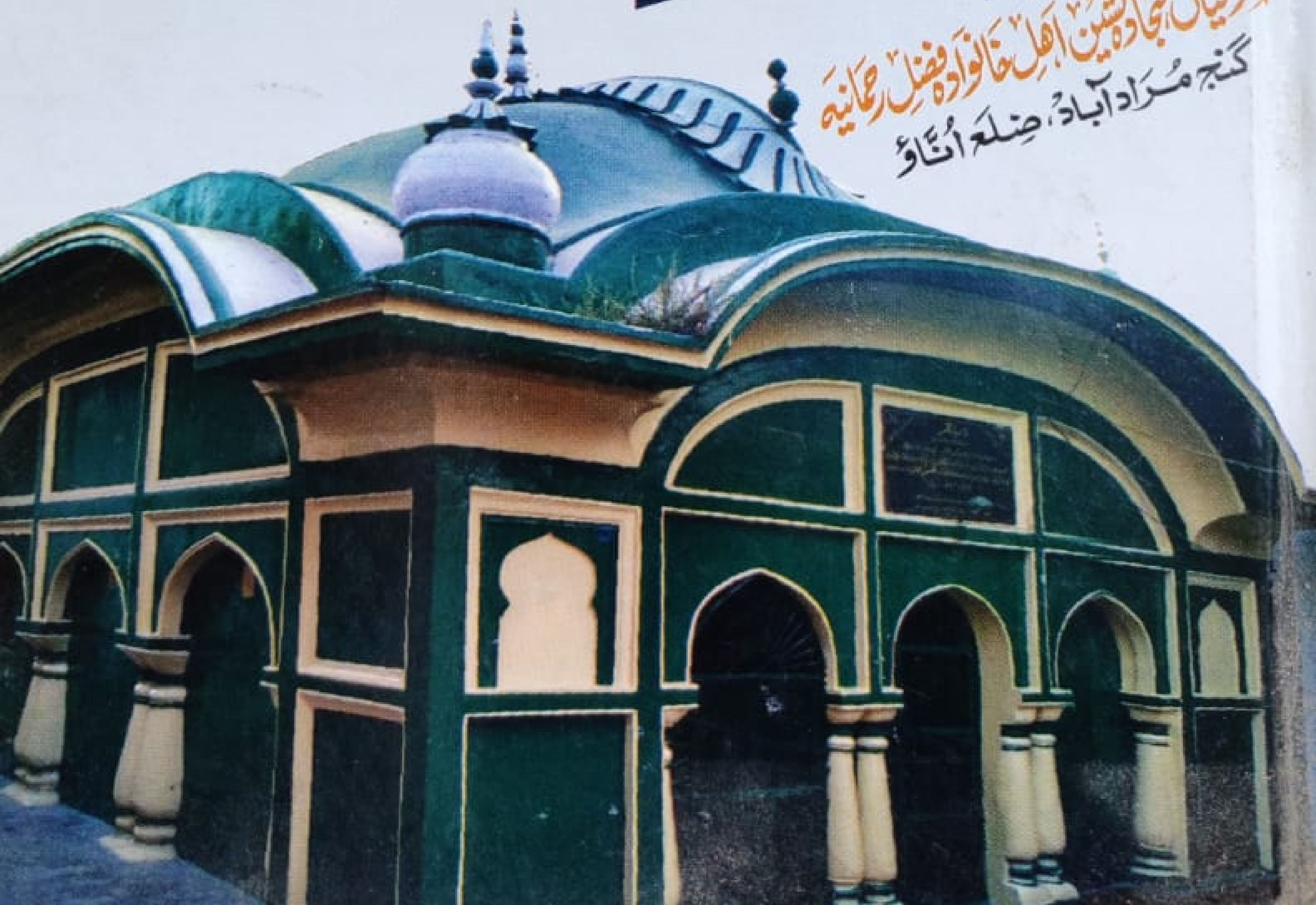


افضالِ رحمانی

مصنف: مفتی اعظم شاہ افضال رحمٰن عرف بھولے میاں صاحب جوہر گنج مرادآبادی

پیش کردہ:
فضلو میاں، سجادہ نشین اہلِ خانوادہ فضلِ رحمانیہ
گنج مُرادآباد، ضِلع اُناؤ



انہیں غوث وقطب کہنا تو یسکینِ خیالی ہے
سراپا فضل رحمٰن ہے حقیقت فضل رحماں کی

افضالِ رحمانی

(حصہ اول)

سوانح حیات طیبات رئیس العارفین امام المحدثین غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ قدسہ سرہ گنج مرادآبادی کا وہ نادر مجموعہ جو بہ اعتبار سند وصحت انتہائی مستند اور بلحاظ واقعات اپنی مثال آپ ہے۔

تصنیف منیف
شہ سوار راہ معرفت غواص بحر حقیقت سلطان الفضلاء شہزادۂ رحمانیہ مفتی اعظم
شاہ افضال رحمٰن عرف حضور فقیہُ الہند شاہ بھولے میاں صاحب مدظلہ‘
مسند نشین آستانہ فضل رحمانی گنج مرادآباد شریف (اناؤ)

پیش کردہ : شاہ فضلو میاں سجادہ نشیں
اہل خانوادئے فضل رحمانی گنج مرادآباد ضلع اناؤ یوپی

دعاجو : عابداختر رحمانی گیا

افضالِ رحمانی

مُصنّف : مرشدِ ملت افضال العلما حضور فقیہُ الہند شاہ بھولے میاں صاحب مدظلہٗ
مسند نشین آستانہ فضل رحمانی گنج مرادآباد شریف (اناؤ)

پیش کردہ : شاہ فضلو میاں سجادہ نشیں اہل خانوادۂ فضل رحمانی

بحسن اہتمام : عابد اختر رحمانی گیا

جدید اشاعت : نومبر ۲۰۱۷ء

کمپوزنگ : سمنانی دہلی 8800522592

طباعت : **MJN Printer, Delhi, 011-2326148, 23281418**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افضالِ رحمانی

الحمد لله علٰی احسانه ومتوکلا علی العزیز العلام ومصلّیا علٰی سیّد الانام لبنة التمام و مسلمًا علٰی اٰله الفخام وصحبه العظام ومشائخ الکرام ثم اقول مستمدًا من ارواح بررة الاسلام.

نگاہِ اوّلین

قاعدہ کلیہ ہے کہ جب عقائد میں ضعف ایمان میں تزلزل دِلوں میں تاریکی، خیالات میں پراگندگی پیدا ہونے لگتی ہیں تو کسی نہ کسی شیخ کامل کا ظہور ہوا جس نے اپنی تجلّیاتِ روحانی سے عقائد پر جلائے ایمان پر صیقل تصحیح دِلوں میں تابانی خیالات میں پختگی ہی صرف پیدا نہ کی بلکہ ایسے لوگوں کو کسب خیر کا مستانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ سرزمینِ ہند کے مختلف خوش قسمت مقامات کی طرح خطہ گنج مرادآباد میں بھی ایسی بہت سی جلیل القدر ہستیاں ہم کو شرفِ بیداری بخش کر محوِ خواب راحت ہو گئیں لیکن ہمارا وہ عالم ہے کہ نہ ہم اِن محسنین اسلام سے واقف نہ اُن کے نام سے آشنا۔ ہماری اس بے حسی کے باوجود قدرت کی کرم فرمائیاں روزافزوں فیاضیوں پر ہمارے شامل حال برابر رہیں اور مبداء فیاض نے پھر اس سرزمین کو اپنے الطاف خصوصی سے دوبارہ سیراب کیا کہ جس ذات کا چار سو برس پیشتر سے انتظار تھا اور اولیائے عظیم المرتبت نوید تشریف ارزانی دیا

کرتے تھے، اس کا مشتاقوں سے اب انتظار نہ ہوتے دیکھ کر مکی مدنی ابرکرم اس طرح جوش زن ہوا ؎

ابر جو فاران سے اُٹھا تھا اک سیلاب نوا
اور جو بام بخارا پر بھی آکر تھا گرا

ساقی سرہند کو سیراب جس نے تھا کیا
گنگ دھارے میں وہ آکر فضل رحمٰن تھا بنا

نور علی نور کی بجلی جو گری معراج میں
اس کے کڑکے کی لپک تھی فضل رحمٰن راج میں

بالآخر مخدومنا حضرت سیّدنا شیخ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی نے مخدوم شیخ اہل اللہ میاں صاحب کو جو نوید مسرت عطا فرمائی تھی کہ ''آپ جیسی ذات چار سو برس بعد پیدا ہوئی کہ جس کے سامنے دیگر ستارے ماند ہیں۔'' اور حضرت مخدومی شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی کو حضرت جلال الملّت والدّین شاہ جلال صاحب ملقب بہ تاج بخش شاہ گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو یہ بشارت بخشی کہ ''آپ وہ اعلیٰ نسبت ذات ہیں جو کتاب وسنّت کی مکمل تصویر ہے۔'' اب پوری ہوتی ہے اور فضل رحمٰنؒ سراپا فضل رحمٰن بن کر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اپنے پیش رو میٹھی نیند سونے والوں کے مقام استراحت گنج مرادآباد کو گنج مرادآباد بنا دیتے ہیں۔ قاعدہ بھی ہے اور تجربہ بھی کہ ابر رحمت جب برستا ہے تو بلند و پست اُوسر و بنجر، ہموار و ناہموار سب ہی مقامات کو سیراب کر دیتا ہے، اسی طرح اس علیٰ نسبت غوثِ زماں علیہ الرحمہ کے چشمہائے فیوض و فضل سے قریب و دور، ہند و بیرونِ ہند ممالک عرب وغیرہ کے جن و انسان سبھی فیضیاب ہوئے مگر.... دستو! سوال یہ ہے کہ آج اس دور میں کتنی ایسی ہستیاں ہیں جو قدرت کے

اس نادر عطیہ سے واقفیت تو بڑی شئے نام آشنا بھی ہیں؟ جاننے والے بھی اگر جانتے تھے تو اتنا ہی جتنا اوپر مسطور ہوا۔ افسوس کہ وہ بھی اب شاذ و نادر موجود ہیں۔

کتب مطبوعہ

آستانۂ فضل رحمانی کے شیدائیوں نے کمالاتِ رحمانی، ارشادِ رحمانی وغیرہ نیز نواب نورالحسن خاں صاحب بھوپالی نے مختلف رسائل لطیف عنوان کے ساتھ افادۂ عوام و خواص کیلئے شائع کئے۔ ان سے گو ایک حد تک استفادہ کیا گیا لیکن چشم نظر جس کی متلاشی تھی وہ بات جیسی جب تھی ویسی ہی ادھوری اُس وقت بھی رہی۔ ان ناشرین کے داغِ مفارقت کے بعد رہا سہا ذخیرہ رز بروز معدوم ہوتا چلا گیا تو جو تھوڑی بہت واقفیت پیدا ہوئی بھی تھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ دویمش یہ کتب جس کو مرتب کیا گیا یا تو ایسا سفرنامہ ہیں جس کو مرتب نے دورانِ حاضری میں سمعاً ونقلاً جمع کیا یا پھر ایک ایسی نقل ہیں جس کی سب برابر نقل کرتے آئے۔ بایں ہمہ طالب جس کا متجسس اور بے تاب جذبۂ عقیدت جس کا پیاسا تھا وہ ہنوز کوسوں دور۔ یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے والے آج بھی اس کے مستفسر کہ غوثِ زماں حضرت قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کے آباءواجداد کون تھے، وطن کہاں تھا یہاں کس طرح آئے وغیرہ وغیرہ۔ سویمش جو کوائف آج مروّج ہیں ان میں باوجود احتیاط غلط روایتوں کی افراط بھی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو واقعہ جس طور سے زباں زد ہوا وہ اسی طور سے مشہور ہوتا رہا۔ کوئی ایسی کتاب تو تھی نہیں جس سے کسوٹی وصحت کا کام لیا جا سکے۔ مریدین کے اصرار و استفسار کے علاوہ دراصل یہی چیزیں مجھے اس امر پر اُبھارنے والی ہوئیں اور بالآخر چٹکیاں لینے لگیں۔ گو خوشنما الفاظ میں آپ اسے وجہ تصنیف بھی کہہ سکتے ہیں مگر یہ امر اتنا آسان نہ تھا جتنا بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا پھر اس کا مصنف اگر کوئی معتقد ہوتا جب بھی اسے یہ مشکل

پیش نہ ہوتی جو دقّت مجھے لاحق ہوئی کہ دادا کی سوانح عمری اور پوتے کے قلم سے۔ لاکھ میں احتیاط برتوں مگر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کو بڑھا کر بیان تو نہیں کیا گیا۔

ازالۂ شک:

یہ ضرور ہے کہ میرا قلم اُٹھانا اپنے آباؤ اجداد کرام رحمہم اللہ کے مناقب پر ہے لیکن یہ مناقب خود ایسے ہیں کہ ناظر سے یہ اقرار کئے بغیر رہ نہیں سکتے کہ شیخ وقت کی حقیقت اس سے کہیں زائد ارفع ہے تو مجھے زورِ قلم دکھانے کا خیال ہی عبث ہو جاتا ہے۔ غور فرمایئے کہ اگر مشک کی تشریح خوبی کی جائے تو کسی طرح بھی یہ مشک کی مذمت سرائی نہیں ہوسکتی بلکہ ہر سطحی نظر رکھنے والا بھی اسے حقیقت اصلی کا اظہار ہی کہنے پر مجبور ہوگا تو سوال حاشیہ آرائی پیدا ہو ہی نہ سکے گا۔

تائید فضل رحمانی:

خدا کا شکر ہے کہ مجھے والد ماجد صاحب سجادہ مدظلہٗ کی صحیح تربیت نے تحریر و کتابت کا اوائل سے ہی شائق بنا دیا تھا، چنانچہ شوق نے تو اس جذبہ کو خوش آمدید کہا مگر اس بارِ گراں بار کے سنبھالنے میں از حد میں سرگرداں رہا۔ بالآخر تائید فضل رحمانی نے میری ہمنوائی کی اور ایک دن مزارِ مقدس کی الماریوں میں مجھے کچھ اوراقِ پارینہ ملے۔ مولوی احمد صاحب مکی مرحوم جو مکہ معظّمہ سے بغرض حصولِ درس و خدمت بابرکت میں حاضر آئے اور آٹھ برس فائز خدمت رہے تھے، نے اِن اوراق میں اُصولِ روایت و درایت کے مطابق مع وقت و مقام جو دورانِ حاضری میں بزبانِ فیض ترجمان علیہ الرحمہ سنا زبانِ عربی میں جمع کیا۔ مگر انتہائی افسوس ہے کہ جو پرچے مجھے ملے وہ بہت ہی منتشر شکل میں جس کا نصف سے زائد حصہ نذرِ لاپرواہی ہو چکا تھا۔ بہرحال میں اِسی پر شکر ربّی کرتا ہوا بخدمت قبلہ گاہی صاحبِ سجادہ مدفیضہٗ حاضر آیا اور اِمداد چاہی۔ اوّلاً تو

ممدوح نے اس امر سے باز رہنے کی تلقین مع نشیب وفراز فرمائی مگر رفتہ رفتہ میرے خاموش تقاضوں، مؤدبانہ التجاؤں نے حضرتِ موصوف کو بھی بحمداللہ تعالیٰ میری امداد پر مائل کردیا۔ چنانچہ ناسازی مزاج وشکایت مرض گھٹیا کی ناگوار علالت کے باوجود بھی پس از جستجو کچھ دیگر ملفوظات اور بہت سے کوائف صدوری وزبانی وتحریری مرحمت فرمائے اور بہ نظر احتیاط واستناد خرابی صحت کے باوجود نظر ثانی مسودہ وتصحیح روایات سے سرفرازی بخشی۔ نیز احمد مکی صاحب کے جمع کردہ ملفوظات کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خود اپنے اندوختہ مسودہ کو بوقت فرصت قیوم دوراں حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو سنایا کرتے اور کبھی حضرتِ ممدوح خود طلب فرما کر مسودہ ملاحظہ فرمایا کرتے۔

سوانح طیّبہ

مجھے خود یہ کمی بری طرح محسوس ہوئی کہ جدّ امجد قبلہ علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کو صرف موصوف سے شروع کرنا تو پیاسے کو پیاسا رکھنے کے مترادف ہیتا وقتیکہ یہ ابتدا اوّل سے نہ اُٹھائی جائے اور اب بحمداللہ یہ اوراق اس قابل ہیں کہ آپ کو بتاسکیں کہ یہ کس گلشن کا پھول ہے اور ہندوستان کو کس طرح اپنی مہک سے معطّر کرنے آیا۔ باایں ہمہ یہ میرا دعوا ہے نہ ہوسکتا ہے کہ میں نے ایک سوانح نگار کی حیثیت سے سوانح نگاری کے پورے فرض ادا کردیئے ہیں، آپ کو جیسا بھی معلوم ہو یہ آپ کی قدردانی ہے، ہاں میں نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ جو موجودہ تشنگی اربابِ عقیدت میں موجود ہے، ایک طرف اگر یہ دور ہو تو دوسری طرف وہ خلش جس کیلئے آئے دن مریدین کو ان واقعات کی فکر صحت ستائے رکھتی تھی ایسے مستند کوائف ہدیۂ نظر کرتے ہوئے کافور کردوں جن پر رحمت اللہ کی صیقل اور نعمت اللہ کی جِلا ہو۔ فالشکر اللہ العلی۔

فرضِ ناظرین

یہ نا قابل انکار حقیقت غیر مسلم مؤرخین کو بھی مسلم ہے کہ بزرگانِ دین کے کوائف و ملفوظات کے مطالعہ سے کسب خیر کا جذبۂ سرد متلاطم ہو جاتا ہے۔ ایمان اسے لبیّک کہتا ہے اور عقیدت اس کی پروانہ بن جاتی ہے، یہی وہ چیز تھی جسے لوگ اپنا مطمحِ نظر بنا کر ثوابِ دارین حاصل کرتے اور اپنے اخلاف کو بھی بچپن سے یہ واقعات اصلاحاً سنا کر اپنی روش کا پابند بنا لیتے تھے۔ یہ لازمی ہے کہ اقوالِ صوفیاء و ملفوظاتِ اولیاء کا بحسن عقیدت مطالعہ کیا جائے تا کہ اس سے فیوض و برکات حاصل ہوں ورنہ انکار تو راہ فیض مسدود کر دیتا ہے۔ پس اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ قائم رہ کر از اوّل تا آخر منظر عام پر آ جائے تو آپ کا اوّل فریضہ یہ ہے کہ جو ملفوظات آپ کے علم میں ہوں آپ پر یا آپ کے احباب پر بیتے ہوں، اصالتاً و روایتاً لفظ بہ لفظ بعینہٖ تحریری شکل میں مجھے ارسال کرتے رہیں تا کہ جو واقعہ جس جگہ کے مناسب ہو میں وہاں ترتیب دے کر اس مجموعہ کو پھر آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ یہ ظاہر ہے کہ مجھے قبلہ جد مکرم علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کے بعد حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب قدس سرہٗ کے کوائف مرتب کر کے ہدیۂ نظر ابھی کرنا ہے اس پر بس نہیں بلکہ بعد ازاں دور مابعد پر بھی باستعانۃ الرحمٰن قلم اُٹھانا ہے۔ پس ایسے نادر مجموعوں میں اگر میں اپنی خاندانی و صدوری معلومات ہی پیش کر دوں تو یقینی وہ مجموعہ آپ کی تشنگی دور نہ کر سکے گا، ہاں یہ کمی اس وقت باقی نہیں رہ سکتی جب آپ اپنی معلومات کی ترسیل میں اپنا دامن معاونت پوری طرح وسیع کر دیں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرے صندوقِ سینہ میں جو محفوظ ہے وہ آپ کی امانت ہے جب چاہیں آپ اپنی چیز لے سکتے ہیں۔ اب یہ آپ کی خوشی کہ اس کے حصول کے لیے جیسی راہ چاہیں اختیار فرمائیں۔ اچھا تو یہ تھا کہ میری اوّل فرصت میں

آپ کی امانت آپ تک پہنچ جائے ورنہ کیا معلوم کہ کس کا پروانہ کب آجائے اور یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے۔علاوہ ازیں یہ بھی آپ کا اوّل فریضہ ہے کہ جن حضرات کے پاس کتاب ''افضال رحمانی'' پہنچتی جائے وہ کتب سابقہ کی روایات میں فرق پانے پراسی کے موافق صحت کرلیں کیونکہ اگر ہم صحت روایات کا التزام کرتے ہیں تو یہ سوانح حیات پھریوں ہی رہ جائے گی اوردوسری چیز تیار ہوگی۔

اشارات

اسمائے گرامی کی بالاختصار تکرار باربار میں چونکہ شائبہ تنقیص تھا اس لئے ان اشارات پراکتفا کی جاتی ہے۔حضرت غوثِ زماں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا کمال اتقا صرف اسی ایک واقعہ سے اظہر ہے کہ آپ نے کبھی کسی حاضروزائرکواپنے لئے القابِ حمیدہ سے یادکرنے کی نوبت نہ آنے دی۔کسی نے خط و کتابت میں لکھ بھی دیااس کی سخت گرفت فرمائی،اسی وجہ سے عوام وخواص بابایامولانابابا کے خطاب سے آپ کو یاد کرتے۔خودحضرت موصوف علیہ الرحمہ خط وکتابت میں از فضل رحمٰن سلام علیک پراکثر و بیشتر اکتفا کرتے۔شاذ و نادر اپنے قلم سے مولوی فضل رحمٰن لکھا ہو ورنہ یہ بھی نہیں۔اسی کا نمونہ حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ تھے،بے شک ممدوح کی کسی تحریر پرمولوی احمدمیاں بھی مسطور نہ ہوا۔یہی وجہ تھی کہ لوگ آپ کوصرف میاں کے خطاب سے یاد کرتے۔آپ کے اجداد اکرام میں بھی یہی دستور رہا۔

اور ہمارے مخدوم مصباح العاشقین قبلہ ملانوی بھی صرف شیخ محمد یا مصباح العاشقین پر جو کہ خطاب منجانب اللہ آپ کا تھا اکتفا فرماتے۔اسی طرح محبوب حبیب الخلاق حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب قبلہ دہلوی علیہ الرحمہ کا بھی یہی معمول تھا۔

اپنے آپ کو فقیر محمد آفاق محمدی تحریر فرماتے۔ اسی بنا پر ہم نے اشارات میں بھی اس احتیاط کو مدّ نظر رکھا۔

مخدوم صاحب— سراج زمرہ عارفین قطب الاقطاب مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی ملانوی قدس سرہٗ

حضرت مرشد— قطب الاقطاب غوثیت مآب محبوب حبیب الخلاق خواجہ خواجگان سیّدنا شاہ محمد آفاق صاحب قبلہ قدس سرہٗ۔

مولانا بابا— سند المتورعین امام المجد دین غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ۔

دادامیاں: قیومِ دوراں حضرت قبلہ سیّدنا و مولانا شاہ احمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔

واللہ الموفق الی سواء السبیل وکان اللّٰہ لی ومعی وبی معینا وھو حسبی ونعم الوکیل.

آپ کا

بھولے میاں

پہلا باب

احتیاجِ سیرت

قرآن کریم پر اگر ہم ذرا بھی فکر کریں تو سب سے پہلے ہماری نظر زیرِ بحث موضوع پر اس آیت شریف پر پڑتی ہے: **فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ**. معلوم ہوتا ہے کہ منشائے الٰہی بیان قصص سے یہ ہے کہ سابقہ انبیا اور خاصانِ حق کے شعائر زندگی اطوار و طریقے لوگوں کے لیے واضح کر دے تا کہ لوگ ان سے تفکر حاصل کریں، سبق سیکھیں، عمل پیرا ہوں۔ بار بار قرآن میں درس مذکور اِسی لیے دہرایا جاتا ہے کہ جس سے ہم یہ سمجھ کر کہ یہ صلحاء و ابرار زندہ سرچشمۂ نورانیت ہیں، پس ہم بھی ان سے حصولِ فیض و کسب ضیا کر کے اپنی زندگی سنواریں۔ کہیں پر حضرت زکریا علیہ السلام کی کثرتِ عبادت و دُعا کا درس دے کر تلقین کی جاتی ہے، کہیں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی باشوکت و ہمہ گیر بادشاہی کے باوجود بے نیازی کی شان دکھائی جاتی ہے اور ایک گوشت کا لوتھڑا انشاءاللہ کے سہو سے کرسی پر ڈال دیا جاتا ہے۔ کہیں پر حضرت داؤد علیہ السلام کی منصفانہ روش سمجھائی جاتی ہے کہیں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ عام نظر کا اِسے ایک حسن و عشق کی داستانِ لطیف سمجھنا اس لیے جہالت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو احسن القصص کا خطاب عطا فرما رہا ہے۔ اس سے خود واضح ہے کہ حضرتِ یوسف علیہ السلام کا دور وہ دور تھا کہ ایک طرف وہ خود انتہائے بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ دوسری طرف عناد و مخالفت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ نفس

سرکش کے بہک جانے کا سارا سامان موجود ہے۔ راحت کا تقاضا کچھ اور ہے، جوانی جوشِ جذبات کا اُمنڈتا ہوا سیلاب ہے۔ حسن پوری جولانیوں سے دنیائے عشق کو مسحور کیے ہے کس قدر نازک حالات ہیں مگر پھر بھی آپ نے اپنا اخلاق اس طرح قائم رکھا۔ جس کی مثال نہیں سکون وعیش کی دنیا کو ٹھکرادیا، مگر برائی پر نظر بھی نہ ڈالی۔ حسن و دولت پر اس طرح لاحول پڑھی کہ قید و بند کی سختیاں گوارا کرلیں، مگر امین کی امانت میں خیانت نہ کی۔ اور نہ جذبات کی رو میں خود کو بہنے دیا۔ ان مشکلات میں ہمت و استقلال سے کام لے کر جذبات کو اپنے ہی ماتحت رکھ کر، ایک بے مثال درسِ اخلاق واتباع وتقویٰ پیش فرمایا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اُصول کی پابندی مصائب کی برداشت پریشانی جانکاہ میں نہ گھبرانا اپنا فرض چھوڑنا دشمن سے حسنِ سلوک خشیت الٰہی اتباع خداوندی نیز حسن لیاقت سے بلند مرتبہ پر پہنچنے کے مؤثر درسِ عمل قصۂ یوسف علیہ السلام میں نہیں۔ قصۂ طالوت و جالوت لیجیے، سیرتِ طالوت ہم کو سبق دیتی ہے کہ افسر فوج اگر لائق خدا پر بھروسہ کرنے اور جذبات کی رو میں نہ بہہ جانے والا ہے تو یہ مستقل مزاجی برداشت مصائب قدرتِ جذبات وتوکل خداوندی وہ قوتیں ہیں جو کثیر تعداد میں اقلیت کو بتائید ایزدی مفتوح کرتی ہیں۔ تصویر کا دوسرا رُخ دیکھئے تو ثابت ہے کہ امیر لشکر کیلئے خداپرستی جسمانی قوت ولیاقت ہے تاجِ سرداری ہی تمول کی یہاں کوئی وقت ہی نہیں۔ اسی طرح دوسرے قصص میں بنابریں قرآن کریم نے اس یادگار کا بہترین طریقہ ہماری شبانہ روز کی پنج وقتہ عبادتوں میں یوں مقرر فرمایا ہے کہ برابر اس کی دعاء والتجا ہم کرتے رہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تاکہ اس سے ہمارا وہ جذبۂ ارتقاء ورفعت جوش زن رہے اور بہ توفیق ایزدی ہم میں ایک بے پناہ خواہش غیر محدود جذبہ انعام یافتہ بننے کا موجزن رہ سکے۔ دویمش اگر ہم اپنے دور پر نظر ڈالیں تو ہم کو اکثر فضلائے وقت کے مجسمے عام راہوں پر نصب نظر آتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں

ہوسکتا کہ ایسے مجسّمے دیکھ کر ہمارے قلب میں کوئی تحریک نہ پیدا ہو۔ وجہ نصب بھی ہماری نظر میں صرف یہ ہے کہ انسان ان کی زندگی سے سبق لے اور خود رفعت و ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی کوشش کرے، چنانچہ جن چیزوں کے حصول کی انسان آرزو کرتا ہے وہ عقل، علم، ذہانت، لیاقت، روحانیت وغیرہ ہیں۔ یہ چیزیں خصوصیت سے ہم کو ان انعام یافتہ صلحاء وابرار کی سیرت میں پورے طور پر ملتی ہیں۔ اخلاقی جوہر سے آراستگی شجاعت ودلیری فیاضی وسیر چشمی غربا نوازی وفنائے نفسی خدمت خلق واعزاز وجاہ وفقر و توکل وغیرہ کوئی بھی ایسی سعادت نہیں جو ہم کو سیرتِ اولیاء میں نہ ملتی ہو اور ہماری زندگی کو زندگی اور ہم کو مکمل انسان نہ بنا دینے والی ہو۔ ماننا پڑتا ہے کہ مطالعۂ سیرت ہمارے کیرکٹر پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے جس سے خود ہم پر یہ روشن ہو جاتا ہے کہ ہمارا ہی جیسا انسان کیسے ناموافق وناسازگار دَور میں اُٹھ کر مصائب ومشکلات کا مقابلہ کرکے فرشِ منزل سے عرش ترقی پر پہنچ جاتا ہے۔ صبر وتحمل، عمل، محنت، عزمِ محکم، استقلال وخدا پرستی کی انمول تعلیم مل جاتی ہے اور ہم میں حصولِ خیر ورفعت، ترقی وخداترسی کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا اور منزل سامنے نظر آنے لگتی ہے۔ سیرتِ اولیاء کی کتابیں ہم کو بتاتی ہیں کہ ایک بے حیثیت وبے مایہ آدمی جب خودداری واعتمادِ نفسی وتوکل خداوندی سے کام لیتا ہے تو کیا کچھ نہیں کرسکتا۔ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ خود ایسا اچھوتا درس ہے جس سے واضح ہے کہ ہمت واستقلال وتوکل الٰہی سے کام لیا جائے تو راہ کی مشکلات خود ساحلِ مقصود بن جاتی ہیں اسی پر اولیائے کرام نے عمل کیا اور ہم کو مصائب پر فتح پانے اور بلندیوں پر فائز ہونے کے لازوال نمونہ پیش کیے، انمول درس دیئے۔

فرق علم وعمل

تجربہ ہے کہ انسان بلند پایہ ہستیوں واعلیٰ شخصیتوں کی گفتار ورفتار وعمل سے وہ سب

ایسی آسانی سے حاصل کر لیتا ہے جو صرف علم سے ہی نہیں سیکھ پاتا۔ دیکھئے اس اُصول کے حامی ماہرین یورپ بھی ہیں۔ مسٹر بیکن بھی مانتے ہیں کہ ''علم سے عمل نہیں آتا بلکہ علم کو عمل میں لانا تحصیل علم سے بھی بڑھ کر ہے، اس کا تجربہ ومشاہدہ انسان کی زندگی کو درست کرتا اوراس کے سیکھے ہوئے علم کو عمل میں لاتا ہے۔'' مسٹر یعقوب کارلائل قائل ہیں کہ ''بڑے آدمیوں (صلحاء) کی زندگی ایک زندہ سر چشمہٗ روشنی ہے جس سے بنی نوعِ انسان کونورانیت حاصل ہوتی ہے۔'' تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسان کو انسانِ کامل بنانے والی چیز اگر دنیا میں کوئی ہے تو عمل۔ ان اولیائے کرام کی زندگی عمل کا مرقع ہوتی ہے انھیں کی زندگی وہ چیز ہے جو زبردست انقلاب تخیلات انسانی میں پیدا کرتی ہے جس سے انسان کچھ کا کچھ چشم زدن میں بن جاتا ہے۔

حقیقت علم

سچ ہے کہ انسان بغیر علم کے حقیقت دین وایمان پا ہی نہیں سکتا۔ بہ نسبت اور مذاہب کے جن میں اکتسابِ علم ہمیشہ ایک جماعت پر محدود رہا کیا کسی مذہب نے اسلام کے سوا تحصیل علم ہر مرد وزن پر فرض نہیں کی۔ بیشک اسے عالمگیر اہمیت دینے کا سہرا صرف اسلام کے سر ہے، یہ محض اس بنا پر کہ خدا شناسی وخوفِ الٰہی بلا علم آسکتی ہے نہ حلاوتِ ایمانی وحقیقت دینی ہی مل سکتی ہے۔ بھلا ایسے زرین اُصول کو اسلام کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ جی ہاں! آپ کہہ سکتے ہیں کہ بعض اولیاء ایسے بھی ہوئے ہیں جنھوں نے کسی مدرسہ ومکتب میں علم ظاہری حاصل نہیں کیا؟ لیکن غور کیجئے تو ماننا پڑے گا کوئی ولی اللہ بے علم رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ظاہری طور سے تحصیل علم نہ ہونے کے معنے یہ ہرگز نہیں کہ وہ صاحبان باطن مکتب لوح وقلم کے تلامذہ نہ ہوں۔ پس یہ نکتہ خود واضح ہو جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کی قدر دانی ان کی لیاقت علمی کی بنا پر تھی بلکہ اس علم کو عمل میں لاکر کتاب وسنّت کی

پابندی ان کی ہمہ گیر مقبولیت کی مدعی بن جاتی تھی۔ چنانچہ حضرتِ غوث زماں حضرت مولانا قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ہجوم علماء رہا کرتا۔آپ کے عمل کا یہ عالم تھا کہ فرائض وسنن تو ہوتے ہی مگر مستحبات بھی نہ چھوٹ پاتے اور جلیل القدر علماء پروانہ بنے رہتے۔عمل کی کسوٹی پر سب کی جانچ ہوتی اوراسی پر تنبیہ۔حضرت ممدوح اکثر فرمایا بھی کرتے کہ اتباعِ سنّت ہی تو قطبیت وغوثیت ہے۔ بیشک اتباعِ سنّت سے صفات وحسنات قول وعمل وحسن اخلاق کے جوانسانی جوہر کمال ہم پر آشکارا ہوتے اسی سے ہم مجبور ومسحور ہوکر دل نذرِ عقیدت کر بیٹھتے ہیں یہ وہ بابرکت ذاتیں ہیں کہ ہزار رکاوٹوں پر بھی کتاب وسنت سے انحراف کا خیال بھی نہیں لاتے۔ یہ ہر مصیبت کو جھیلتے ہیں لیکن کرتے وہی ہیں جوحق ہوتا ہے اور خدا ورسول کے معاملے میں یہ کسی بڑی طاقت سے بھی خوف نہیں کھاتے۔طمع دنیاوی ان کا عملی قدم صراطِ مستقیم سے ڈگمگانے کی قوت نہیں رکھتی۔

حقیقت سرور

کیا آج دنیا میں کوئی ایسا ہے جس کو حقیقی سرور حاصل ہو؟ مطلق نہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ امیر غریب کی زندگی پر غریب امیر پر شاہ گدا پر گدا شاہ پر حسرت سے رشک کررہا ہے کیوں؟ محض اس لیے کہ عیش یا سرور جس فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں یہ جتنا بلند ہوتا ہے انسان اُسی کا عادی ہوجاتا ہے، پس یہ بلندی عام چیز بن جاتی ہے جس کی چندروز بعد کوئی وقعت رہ جاتی ہے نہ اہمیت۔ایک افسر کوخواہش ہوتی ہے کہ وہ افسر اعلیٰ بنے اس درجہ پر پہنچا تو خواہش وزارت ستانے لگی، جب وزارت ملی تو شاہی کی آرزو نے دق کیا۔ جب شاہی مل گئی تو اہمیت مٹ گئی۔دل میں ارمان چٹکیاں لینے لگا کہ حور جمال سے ہم آغوشی ہو جب وہ حاصل ہوگئی تو یہ معلوم ہوا کہ ایک چھپی ہوئی

پھانس نکل گئی۔ اب دوسری آرزوؤں نے گھیرا، غور کیا آپ نے یہ آرزو ہی حقیقی تکلیف ہے۔ جتنا اس کا اسیر ہوگا اتنی ہی یہ آگ بھڑکے گی جتنی بے توجہی برتی جائے گی اتنی ہی یہ مٹتی جائے گی۔ اس فلسفہ کو اگر سمجھا ہے تو خاصانِ خدا نے۔ وہ اس پر کاربند ہوتے ہیں اوراُن کا عمل لَا لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَۃِ پر رہا کرتا ہے۔ عیش اگر ہے تو صرف یہ کہ انسان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ طبیعت میں قناعت ہو اور شکرِ الٰہی ادا ہوتا رہے۔ ذرا بھی غور کیجئے تو یہ حقیقت خود بے نقاب ہو جاتی ہے کہ جب جسم فانی ہے تو اس کا عیش و سرور بھی فانی ہوگا۔ جب جسم کو بقا نہیں تو عیش کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ روح فانی نہیں اس لیے اس کے عیش بھی مستقل ہیں۔ قاعدہ ہے کہ مادّی چیز ہی سے مادیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کیونکہ روح لطیف ترین شئے اور امر ربّی ہے اس لیے اس کا ادارک حقیقت بھی فہم انسانی سے بالاتر ہے۔ پس عیش روحانی اصل عیش ہے اس لیے اولیائے کرام اس روحانی عیش کو حاصل کرتے ہیں جس کے سامنے دنیاوی عیش کی کوئی حقیقت ہے نہ اہمیت۔ ضروری ہے کہ اس جگہ ہم کچھ اور اصطلاحات تصوف پر بھی روشنی ڈال دیں تاکہ سہولت ہو۔

قربِ الٰہی

خدائے قدوس نے قربِ الٰہی کی جو راہ مقرر کی ہے اس کے چار حصے ہیں۔ کاملین کو ہر ایک حصہ طے کرنا واجب ہے۔

(۱) شریعت، (۲) طریقت، (۳) حقیقت، (۴) معرفت۔

شریعت: خدا اور اُس کے رسول وحبیب صلی اللہ علیہ وسلم و جملہ انبیاء و ملائکہ و حشر ونشر وقدر پر ایمان لانا، پھر کتاب وسنت کے اوامر ونواہی پر پابندی سے عمل کرنا شریعت ہے۔

طریقت : روحانی و باطنی عبادت و قلبی زہد کی راہ کو کہتے ہیں۔ جب شریعت پر کامل عمل درآمد ہو جاتا ہے وہیں سے ابتدائے طریقت ہے۔ پھر باطنی حالات کا علم اور روحانی و قلبی لذتوں و عبادتوں کا دَور ہوتا ہے جس طرح شریعت کا سبق حاصل کرنے کیلئے استادِ کامل کی جو فقہ تفسیر و حدیث وغیرہ کا ماہر ہو۔ ضرورت ہوتی ہے اسی طرح طریقت میں مرشد کامل کی احتیاج ہوتی ہے جو تعلیم باطنی و قلبی و روحانی اشغال و اذکار سکھاتا ہے۔

حقیقت: جب سالک طریقت میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو ابتدائے حقیقت شروع ہوتی ہے۔ حقیقت وہ منزل ہے جس میں سالک ہر عالم و ہر چیز کی اصلیت و حقیقت و ماہیت دیدۂ دل سے اس طرح مشاہدہ کرے کہ شبہ تحقیق ہی نہ ہو۔

معرفت: جب ہر عالم کا مشاہدۂ صحیحہ ہو جاتا ہے تو ابتدائے منزل معرفت کا آغاز ہوتا ہے پس معرفت وہ منزل ہے کہ جہاں سالک پہنچ کر خدا کی وہ معرفت کامل حاصل کر لیتا ہے جو یقین و مشاہدہ سے ہوتی ہے یعنی طالب و مطلوب بے حجاب ہوتے ہیں۔ حاضری دی کہ مطلوبِ حقیقی سامنے ہے۔ کھڑے ہوئے کہ وہ سامنے ہیں۔ بیداری ہو کہ نوم مشاہدہ ہو رہا ہے گو بظاہر یہ قدرتِ انسانی کے خلاف ہے، مگر بتوفیق الٰہی آسان ہے یہی تو وہ معرفت کاملہ ہے کہ ملائکہ مقربین کو بھی یہ عرفانِ حقیقی حاصل نہیں بلکہ خاص انسان کے لیے ودیعت الٰہی ہے جو وجہ افضلیت ہے۔

یقین

ارشادِ رب العزت ہے: وَاعْبُدُوْا رَبَّکَ حَتّٰی یَاتِیَکَ الْیَقِیْنُ. خدا کی اس قدر عبادت کرو کہ تم کو یقین آجائے۔ درجات یقین کی تفصیل خود سورۂ تکاثر میں موجود ہے۔ فنافی الشیخ۔ فنافی الرسول۔ فنافی اللہ تصورات سے اور عرفان و یقین سے متعلق علم

الیقین ،حق الیقین ،عین الیقین درجات ہیں۔

علم الیقین : خدائے تعالیٰ کی موجودگی اوراس کی عظمت وجلالت کا ایسا نقش قائم ہو کہ مجال شک ہی نہ رہے۔علم الیقین ہے اس میں اگر کمی ہے تو نورِایمان نہیں ،اگر بالکل اس کا علم نہیں تو جہل الیقین ہے اور کافر ہے۔ یہ منزل غوروفکر واستدلال سے حاصل ہوتی ہے۔

حق الیقین : ذات باری تعالیٰ اوراس کی صفات ازلی وابدی واسرارِظاہری و باطنی کا ایسا مکاشفہ وعینی مشاہدہ کہ عدم واقفیت کا شبہ بھی نہ رہے تو حق الیقین ہی بغیر سلوک طریقت حق الیقین کا حصول ناممکن ہے اس منزل میں سالک پر بعطائے ربّی سب کچھ بالکل مکشوف ہوجاتا ہے۔

عین الیقین : خدائے قدوس کی ذات کا معائنہ ومشاہدہ بالذات حاصل ہونے کو عین الیقین کہتے ہیں۔یہی معرفت واجب الوجود اور تمامی ریاضت کا حاصل ومقصود ہے۔اس اعتبار سے علم الیقین کوشریعت حق الیقین کوطریقت وعین الیقین کوحقیقت و معرفت بھی کہتے ہیں،مگرحق الیقین وعین الیقین خاصۂ خاصان خدا ہیں جس کی شرط لابدی سلوک ہے۔عین الیقین یا معرفت وہ درجۂ عالی ہے کہ شاہدومشہود میں کوئی حجاب نہیں رہتا۔

فنافی الشیخ

وہ مقام ہے کہ زندگی مبتدی مرید سب سے پہلے تصورِشیخ کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو اس قدر نیست کردے کہ ہر شئے میں مرشد کو دیکھے۔فنافی الشیخ کے مقام میں اگر شیخ کے متعلق ذرا سا بھی وسوسہ پیدا ہوجائے تو سخت گمراہ ہوجائے گا۔اس لیے بڑی احتیاط چاہیے اسی طرح اگر شیخ میں مبادا کوئی بدبختی پیدا ہوجائے تو پھر یہ مقام طے ہی نہیں ہو

سکتا۔ ہاں بعض کاملین ایسے بھی ہیں کہ وہ مرید کو یکدم فنافی الرسول میں پہنچادیتے ہیں۔

فنافی الرسول

وہ مقام ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ نظر نہ آئے۔ فنافی الرسول کے مقام میں فنا فی الشیخ جیسے خطرات نہیں اگر اس منزل میں شیخ فوت بھی ہو جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنبھال لیتے ہیں۔ اگر سالک سے کوئی لغزش بھی اس مقام میں ہو جائے جب بھی توجہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سدھر جاتا ہے۔

فنافی اللہ

یہ وہ مقام ہے کہ سوائے اللہ جل جلالہٗ کے اور کچھ نظر نہ آئے۔ فنائیت کا یہ مقام آخری ومنزلِ کمال ہے یہاں دو خطرات سے عموماً سابقہ ہوتا ہے اگر کسی مقام پر حیرت ہوتی ہے تو سلوک جذب سے بدل جاتا ہے اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ دویمش خود سالک زبان سے اگر کچھ اسرار کہہ دیتا ہے تو درمیان میں حجاب ہو کر مشاہدات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ سخت احتیاط شرط ہے۔ تفصیل بالا سے واضح ہے کہ یقین میں ترقی باطن اصلِ اُصول ہے۔ جو پیر کامل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے پیر کا ہونا لازمی ہے۔ مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم الخ اسی کی تعلیم دے رہا ہے۔

حقیقت ذکر

اس وضاحت کے بعد تعلیمات کے بھی بعض اُمور گوش گزار کرتا ہوں۔ ذکر کی بھی تین قسمیں ہیں: ذکر زبان، ذکر قلب، ذکر روح۔ جب تک سالک عالم ناسوت میں ہے ذکر زبان ہو گا یعنی لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ. جب عالم ناسوت طے کر کے سالک عالمِ ملکوت میں گامزن ہوا تو ذکر قلب ہو گا۔ جو اَللّٰہ ہے اور جب

سالک عالم ملکوت سے گزر کر عالمِ جبروت میں آیا تو ذکر روح یعنی ھو شروع ہوا۔ عالم ملکوت سے گزر کر جب عالم لاہوت میں آیا تو ذکر سِر اَنَا کا آغاز ہوا۔ یہ وہ عالم ہے جہاں عبادات واشارات ختم ہیں۔

فلسفۂ نماز

نماز کی بھی تین اقسام ہیں اوّل نمازِ عام یعنی خالق جل وعلا کی بندگی اس یقین کے ساتھ کرنا کہ خدا نمازی کے احوال ظاہری و باطنی کو دیکھ رہا ہے۔ دوسرے نماز خاص۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرنا کہ نمازی خود حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرر ہا ہے۔ حدیث جبرئیل میں شارع علیہ السلام نے ان دونوں اقسام کی پوری وضاحت کر دی ہے۔ تیسری قسم نمازِ اخص الخاص ہے یعنی مشاہدۂ جمال میں ایسا مستغرق ہو کہ بدن کا ہوش نہ رہے چونکہ نماز ہی ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں تسبیح وتحمید قرآن ودرود مراقبہ وحضوری ودُعا سب کچھ ہے اس لئے اس کو معراج المؤمنین فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ نماز ہی تمام گناہوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ عام طور سے ظاہری پاکی کا ہم نماز میں تو التزام رکھتے ہیں لیکن حقیقت پر غور نہیں کرتے جس کے سبب برائیوں سے باز رہ نہیں پاتے۔ ضروری ہے کہ ہم طہارت ظاہری کے ساتھ اِن باطنی نجاستوں کی طرف بھی پوری توجہ کریں جو روح کو غلاظت اور دل کو نجاست سے صاف و پاک نہیں ہونے دیتی ہیں کیونکہ عبادت کا تعلق اصلی تو باطن سے ہے جس طرح روح لطیف اسی طرح انوار بھی لطیف ہیں تو لطیف کا گزر بھی لطیف پر ہوگا۔ جب باطنی غلاظتوں ونجاستوں سے بھی پاکی واجتناب کیا جاتا ہے تو نزول انوار سے روح متاثر ہوتی ہے۔ روح سے قلب متاثر ہوتا ہے قلبی تاثر کے بعد اعضاء جوارح بھی سرشار ہوتے ہیں یہی تو اصلی لطفِ

کیف وسرور ہے اور نماز کا مقصد اوّل۔

شکر

انسان اگر شکر پر کاربند رہے تو یہ ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے جس کی اہمیت نظروں میں برابر قائم رہتی ہے، یہی وہ دولت ہے جس سے غفلت پاس نہیں پھٹکتی۔ اسلام نے اسی فلسفہ کے ماتحت ہم کو مامور فرمایا: وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔ اگر تم خدا کی عبادت کے دعوے میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔ منعم حقیقی عم نوالہ کی نعمت کا پوری عاجزی وانکسار سے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا کرنا شکر ہے۔ شکر بھی کئی طور پر ہے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ اس میں بری باتوں کو جگہ نہ دے۔ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ برائیوں پر نظر نہ ڈالے۔ پاؤں کا شکر یہ ہے کہ اس میں بری باتوں کو جگہ نہ دے۔ ہاتھ کا شکر یہ ہے کہ ممنوعات کو مس نہ کرے۔ زبان کا شکر یہ ہے کہ حق کہے اور حق ہی بتائے۔ رزق کا شکر یہ ہے کہ بھوکوں کو کھلائے، فاقہ زدوں کو اپنے رزق میں شریک رکھے۔ دولت کا شکر یہ ہے کہ اپنی دولت سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچائے۔ شکر باللسان یہ ہے کہ انکساری واعتراف نعمت منعم کرے۔ شکر بالارکان یہ ہے کہ انسان کے سراپا سے وقار شکر ہویدا ہو۔ شکر بالقلب یہ ہے کہ حصولِ نعمت پر قرب احدیت کی طرف اور زائد ترقی کرے۔ مشاہدۂ دیدار میں ترقی کرے۔ کما قال سیّدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ۔

حامد: وہ ڈوبی ہوئی ہستی جو محبت میں اتنی سرشار ہو کہ محرومی کو عطا سمجھے اور ضرر پہنچنے پر نفع مشاہدہ کرے حامد ہے۔

صبر: صبر عام یہ ہے کہ قضاء وقدر الٰہی سے جو بھی واقع ہو اس پر گھبرانے کے بجائے ہمت واستقلال سے ثابت قدم رہے۔ حضور غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صبر اللہ یہ ہے کہ منکرات وممنوعات سے پرہیز اور اوامر پر پابند رہے۔ صبر مع اللہ یہ

ہے کہ عسرت و فاقہ سے گھبرا نہ جائے بلکہ افلاس و مصیبت پر یہ ظاہر ہو کہ وہ ہر طرح راحت میں ہے اور راضی بقضائے الٰہی ہے۔ صبر علی اللہ یہ ہے کہ بندۂ تسلیم و رضا بن جائے کہ رضائے الٰہی بہرحال مقدم ہو۔

رضا: قلب کو ہر حالت میں مطمئن رکھتے ہوئے قضاء وقدر الٰہی پر بہ طیب خاطر راضی رہنے کو رضا کہتے ہیں۔

تقویٰ: اس کے کئی اقسام ہیں: (۱) تقوئے ظاہری یہ ہے کہ وہی کیا جائے جن اُمو کی شرع نے اجازت دی ہو، (۲) تقوئے باطنی یہ ہے کہ قلب میں کسی اور کا ماسوی اللہ گزر نہ ہو۔ (۳) تقوئے خاص یہ ہے کہ خود کو ہر قسم کی خواہشاتِ نفسانی سے باز رکھے۔ (۴) تقوئے اخص الخاص یہ ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہے جس کا ارادہ کیا جاسکتا ہے۔ ممنوعات ظاہری و باطنی میں۔ یہی کمال اتقا ہے (۵) تقوئے عام یہ ہے کہ مشتبہ اور محرمہ اشیاء سے گریز کلی ہو۔

زہد: وہ ہے کہ فانی دنیا کی چیزوں ہی سے دل سرد ہو جائے۔

رجا: خدائے قدوس کے ساتھ محض اخلاص کی بنا پر حسنِ ظن رکھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی اس حسن ظن میں نفع وضرر کا شائبہ بھی نہ ہو۔

حیا: اللہ تعالیٰ کو انتہائی مہربان آقائے حقیقی سمجھ کر گناہوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ سے شرماتے رہنا حیا ہے نہ یہ کہ خوفِ الٰہی سے ترکِ گنہ کر دینا کیونکہ حقیقی طور سے شرمندگی تو یہی ہے کہ ایسی بات ہی نہ ہو سکے جس سے شرمندگی اُٹھانا پڑے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مشفق سے کوئی انسان شرمندہ احسان ہوتا ہے تو وہ جیتے جی اسی کو سراہا کرتا ہے او راس کی سعی کرتا ہے کہ کوئی فروگذاشت مشفق کی رضا جوئی میں نہ رہ سکے پس خدائے کریم کے احسانات سے انسان کا عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں پھر خدائے رحمٰن ورحیم سے زائد

کون ہمارا مہربان آقا ہے جس کی رضا جوئی مقدم نہ رکھیں اور شرمندۂ احسان نہ رہیں۔

توبہ: نادانی سے خطا سرزد ہوجانے پر فوراً توبہ کرنا افضل ہے۔ توبۂ کاملہ یہ ہے کہ جس چیز سے انسان بہ خلوص دل تائب ہو پھر اس کے ارتکاب پر آمادہ ہی نہ ہو بلکہ اس کے تصور ہی سے ایک گونہ تنفّر پیدا ہونے لگے۔ ارتکاب معاصی پر اصرار تو وہ بری لعنت ہے کہ قبول توبہ پھر مشکل ہوجاتا ہے۔ نیز گناہوں کا تصور بکثرت کرنے سے بھی انوارِ الٰہی کا فیضان بند ہوجاتا ہے۔ ایسے حالات میں استغفار وکثرت لاحول بہت نافع ہے۔

رشک: درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ایسے انسان پر رشک کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ اس شخص کے دل کی کیا حالت ہے۔ دوسرے اُس رشک کرنے والے کو پھر اپنی طرف سے بھی بے اطمینانی پیدا ہوگی تو لازمی کفرانِ نعمت کا آغاز ہوگا اور جو نعمتیں خود اس کو حاصل ہیں اس کی قدر ومنزلت بھی اس کے دل سے جاتی رہے گی تو شکر ہی وہ کس بات کا کرسکے گا یہی وجہ ہے کہ اس فلسفہ کو اور مذاہب نے اتنا نہ سمجھا جس گہری نظر سے اس کو اسلام نے سمجھ کر **وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ**۔ عام حکم دیا کہ تم اپنے سے بلند مرتبہ لوگوں کو دیکھ کر ان کی زندگی پر رشک کی نگاہ نہ ڈالو تاکہ انسان کسی وقت شکر کی دولت کھو نہ سکے۔

سفر ظاہر وباطن

تصوف میں سفر دو قسم کے ہیں۔ اوّل سفر ظاہری۔ دوم سفر باطنی۔ جس طرح عبادت ظاہری عبادات شرعیہ روزہ، زکوٰۃ، حج ونماز پنجگانہ کا نام ہے، اسی طرح سفر ظاہری کرنے والا ان اُمور سے صرف تزکیہ نفسی پر آکر محتاج رہ جاتا ہے۔ یعنی یہ مسافر ظاہری صنعت کو دیکھتا رہ جاتا ہے۔ سفر باطنی کرنے والا صفائے قلب وتخلیہ سرکار رہرو ہے وہ

صانع کو دیکھا کرتا ہے جس طرح کہ عبادت باطنی ترقی، روحانی و مشاہدہ کا زینہ ہے۔ ہمارے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر ظاہری عبادت سیر الی اللہ ہے اور سفر باطنی عبادت سیر فی اللہ ہے، پس سفر حقیقی تو سفر باطنی ہی ہے۔

فقر و فاقہ:

مسافر باطنی اس سمندر بے پایاں کو اس وقت تک طے نہیں کر سکتا جب تک فقر و فاقہ کا سفینہ نہ ہو۔ فقر سے مراد ہستی سے گزر کر ذاتِ الٰہی میں اس طرح فنا ہونا کہ محبت الٰہی سے قلب استوار ہو اور ماسوی اللہ سے فارغ رہے۔ فاقہ سے مراد اختتام پندار دوئی و شہوات شکنی ہے۔ ہاں اس راہ کا سب سے بڑا حجاب تعلق غیر خدا و خودی و پندار ہیں، جسے فقر و فاقہ ہی بھسم کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام سب سے پہلے اس پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ تعلق مٹاتے ہیں۔ فنا و محویت پیدا کر کے خودی و اِس کا پندار کھو دیتے ہیں۔

اکل حلال:

تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ خود دنیا پر بسیار خوری کے مضر اثرات منکشف ہو کر اکل حلال و کم خوراکی کے فوائد روشن ہو چکے ہیں۔ تحقیقات جدیدہ اس حقیقت کو روشنی میں لے کر آئی ہے کہ نوعیت غذا کا اثر اخلاق انسانی پر بہت گہرا پڑتا ہے۔ ناجائز و مشتبہ آمدنی پر گزر کرنے والے لوگ خود غرض۔ سخت دل اور بے عمل ہوا کرتے ہیں لیکن محبت و ایمانداری سے حاصل کئے ہوئے پیسہ سے کھانا و پینا انسان میں کام کی قوت نیکی و ایثار کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ مادیات کے لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو بسیار خوری و بسیار خوابی اکل حرام وغیرہ کے نقصانات ایسے واضح ہو چکے ہیں کہ ماہر فن ڈاکٹر امر دنگ اور ڈاکٹر واشنگٹن جیسے ماہر فن بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ شکم سیر ہو کر کھانے سے صحت کو بے حد نقصان پہنچتا ہے۔ انسانی قویٰ سست ہو جاتے ہیں، ہاں اولیاء اللہ کی حیاتِ طیبہ

میں یہ چیز آپ کو بے نقاب ملے گی، کم خوراکی بدن کو چست رکھتی ہے۔ عوارضِ جسمانی سے حفاظت رہتی ہے۔ عبادت و ریاضت میں سستی واقع ہو نہیں پاتی، طبیعت پر گرانی نہیں آتی۔ کھانے کے لیے جینا اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ خاصانِ خدا قوت لایموت کے طور پر کھاتے ہیں۔ اور فاقہ محض شہوات شکنی و اختتام پندار کی بنا پر کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام نے تصریح کی ہے کہ فاقہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، جب سالک تین روز تک نہیں کھاتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم میں تجھے کھلاؤں پلاؤں گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ نے اس ظاہری کھانے پینے سے بے توجہی برتی۔ اِنِّیۡ اَبِیۡتُ وَرَبِّیۡ یُطۡعِمُنِیۡ وَیُسۡقِیۡنِیۡ کا ارشادِ عالی اسی پر ہے۔

معنوی موت

ظاہری موت مانگنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا، مگر معنوی موت کی آرزو فرض کی فَتَمَنُّوا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ موت معنوی یعنی اپنے اختیار سے مرنا یہ ہے کہ ایک مُردے کی طرح اپنے تصرف کو اختیار کر خود کو درست غیر میں دے دے اور تمامی حظوظِ نفسانی و شیطانی سے مبرّا ہو جائے۔ مُوۡتُوۡا قَبۡلَ اَنۡ تَمُوۡتُوۡا کا ارشاد اسی قبیل پر ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار کو یک لخت معدوم کر دے کہ نہ قصد ہو نہ آرزو رہے۔ درحقیقت انبیاء و اولیاء ہی اس بحر ذخّار کے اوّل تیراک ہیں اور بے شبہ انہیں کا یہ حصہ ہے، یہی تو وجہ ہے کہ موت معنوی کا متصف دنیاوی تنعم سے آزاد رہا کرتا ہے، اس کی لذات و کیف کا احاطہ فہم انسانی سے بہت باہر ہے۔

تصوف

اس معاشرت کا نام تصوف ہے جس میں رضائے ایزدی و قربت خداوندی کے سوا

کوئی اور حاصل ومقصود نہ ہو، یوں سمجھئے کہ جو بات بھی کی جائے وہ خاص قربت ربانی و رضائے الٰہی کیلئے ہو جیسے سولینا، یہ بھی اس نیت سے ہو کہ اس لے سویا جائے کہ دیدالٰہی یا جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں مشرف ہو یا اس نقطۂ نظر سے ہو کہ اگر نہ سوئے گا تو بیمار یا کسل مند ہو جائے گا تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے۔

لوازمِ تصوف

تمام تعریفوں میں مذکورہ تعریف سب سے بہتر ہے۔ شرائط ولوازم تصوف یہ ہیں کہ شریعت کو اس طرح مقدم رکھے کہ اپنے ہوش وحواس میں خلافِ شریعت کوئی حرکت نہ کرے بلکہ مقصودِ اصلی خدا ہو باقی عالم کے تمام اُمور کو ایسا سمجھے جیسے کہ شدید ضروریات کہ پاخانہ جانا پڑتا ہے گو وہاں دماغی وروحانی تکلیف ہوتی ہے، مگر بغیر قضائے حاجت چارہ نہیں، اسی طرح طعام وکلام ونوم جو مقدارِ ضروت کے موافق ہو۔ نفس کو مغلوب رکھے اور جس بات میں نفس کی خوشی ہو نہ کرے اور جو امور خیر سرزد ہوں ان کو وقت نہ دے بلکہ یہ سمجھے کہ نفس کو مغلوب کرنے کے لیے یہ بھی ابھی کافی نہیں۔ اکابر ومشائخ کی تمام تصریحات کا نچوڑ یہ ہے کہ تصوف سے مراد اتباعِ سنت کی اس درجہ پابندی کہ ظاہر و باطن یک رنگ ہو جائیں اور زبان وقلب میں سرمو فرق نہ رہے۔ شریعت تو صرف ہمارے ظاہر کو سنوارتی اور زبان کو شائستہ بناتی ہے۔ اسی لئے شریعت کا تعلق بھی ظواہر سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک شریعت کی داروگیر نہیں ہوسکتی۔ جب تک خباثت باطنی منظر عام پر نہ آجائے لیکن اس کے برخلاف تصوف ہمارے باطن کو سنوارتا، قلب کو شائستہ بناتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیتا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ شریعت دین کے علمی حصہ کا نام ہے اور تصوف عملی حصہ کا نام ہے۔ یوں سمجھئے کہ طریقت 3 عمل ہے اور شریعت علم ہے۔ حضت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت یہ ہے

کہ انسان خدا کی بندگی و پرستش کرے، طریقت یہ ہے کہ انسان خدا کی طلب کرے اور تقرب الٰہی حاصل کرے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا کو بے حجاب دیکھے، مشاہدہ کرے اور اسے کما حقہ سمجھے۔ (تذکرۃ الاولیاء) **مَا عَرَفنَا حَقَّ مَعرِفَتِکَ** اسی قبیل پر دال ہے۔ حق معرفت تک عرفان ہونا تو دلیل کمال ہی ہے۔ اسی بنا پر یہی وہ منزل ہے جہاں **حَسَنَاتُ الاَبرَارِ سَیِّئَاتُ المُقَرَّبِینَ.** نیکیوں کی نیکیاں مقربان بارگاہ احدیت کی نظر میں برائیاں ہوتی ہیں۔

فرق شریعت و طریقت

ظاہر ہے کہ جواز اور رہے اور تقویٰ اور ہے۔ دیکھئے مٹّی کی ایک کوری لبنی میں پانی پینا جائز ہے مگر نگاہِ تقویٰ میں اس لیے درست نہیں کہ اس میں تاڑی پینے والوں سے خطرۂ مشابہت ہے۔ وہ ایسی ہی لبنی تاڑ میں اس کی تاڑی لینے کے لیے ٹانگتے اور اسی میں پیتے ہیں۔ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے جنازے میں شرکت فرمائی جو موصوف کا مقروض تھا۔ میّت کے وہاں کوئی سایہ کی جگہ نہ تھی صرف دیوار کا تھوڑا سا سایہ تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ تمازت دھوپ سے بچنے کے لیے زیر سایۂ دیوار تشریف لے آیئے تو امام اعظم علیہ الرحمہ نے اوّل تو انکار فرمایا۔ مگر لوگوں کے اصرار پر فرمایا کہ میّت میرا مقروض تھا مجھے ڈر ہے کہ سایۂ دیوار میّت سے اتنا نفع حاصل کرنا کہیں داخل سود نہ ہو جائے۔ شریعتاً یہ امر جائز تھا مگر طریقت کی نگاہ نے محمود نہ رکھا۔ حضرت غوثِ زماں مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے بے ضرورت قرض لیا کرتے، حتیٰ کہ کافی مقروض وصال فرمایا جیسا آگے آتا ہے۔ اس میں صرف نکتہ یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بندۂ مقروض جو ادائیگی کی نیت مقدم رکھے تو

اس کی معیت میں خدائے خدوس رہتا ہے۔ دیکھا آپ نے شریعتاً ایسے قرض کی ضرورت نہیں مگر طریقتاً یہ قرض کس قدر محمود مستحسن ہوگیا۔شارع علیہ السلام نے خرگوش کا گوشت تناول نہیں فرمایا لیکن دوسرے لوگوں کو کھانے دیا۔مختصراً یہ مثالیں پیش اس لیے کی ہیں کہ فرق شریعت وطریقت واضح ہوجائے۔ اسی لیے شریعت وطریقت کو ساتھ لے کر چلنا معراج کمال ہے، ہاں شریعت وطریقت کو جداگانہ طریقہ ومتضادِ راہ سمجھنا دماغی عیاشی کے سوا کچھ نہیں۔

صوفی : ہمارے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،صوفی وہ ہے جس میں مندرجہٗ ذیل صفات پائی جائیں۔فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت ابراہیم صوف موسیٰ سیاحت عیسیٰ صبر ایوب تضرع یحیٰ رضائے اسحٰق ومناجات زکریا صلوات اللہ علیہم۔

اعتراض

سطحی نظر والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تصوف اسلام کیلئے ضروری ہے تو کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین نے اس پر خیال آرائی نہ کی؟ ہم اعتراض کی نوعیت پر جہاں تک غور کرتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ معترضین تصوف کو شریعت کی جداگانہ صورت سمجھے ہوئے ہیں جو فقط عیاشی دماغی ہے۔جواب تو یہ ہے کہ کوئی حدیث ہے نہ شارحین حدیث نے ایسے کوئی معنی حدیث کے تصرع کئے جس میں یہ وضاحت ہو کہ جو امر قرونِ ثلٰثہ میں ہوا درست اور جو بعد قرونِ ثلٰثہ ہونا درست ہے۔اس کی تفصیل میں نے نعمۃ للعالمین میں کردی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تصوف تو شریعت کے کامل اتباع کا نام جب خود ہے تو یہ اعتراض لغو ہوجاتا ہے۔رہا یہ سوال کہ اُس دور میں اس کی وضاحت نہیں ہوئی، یوں ختم ہوجاتا ہے کہ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو خیر القرون میں تمام افراد کے ظاہر و باطن میں مکمل یکسانیت تھی۔امراضِ قلبی و بداعتدالی کا اثر برائے

نام ہی تھا۔ ان لوگوں کا کوئی قدم خلافِ شریعت خود نہ اُٹھتا بلکہ وہ لوگ اُمورِ دنیاوی کو محض خدا کی خوشنودی وفلاح اخروی کی بنا پر انجام دیا کرتے تھے جو عین منشائے تصوف ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ ان حضرات کی نگاہوں میں بھی دنیاوی نعمتیں اسی طرح بے وقعت تھیں جس طرح صوفیاء کے نزدیک۔ حقیقت مسلمہ یہ ہے کہ بنی اُمیہ کے عہد میں دنیا پرستی کا غلبہ بڑھا مگر یہ دَور بھی خالی نہ رہا بلکہ اس وقت حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا دور دورہ تھا، جس سے عوام ارتکاب معاصی سے محفوظ رہا کئے۔ فیصلہ صاف ہے جب مقصد حاصل تھا تو وضاحت وتدوین کی حاجت ہی کیا تھی۔ ہاں اس کے بعد نزاکت وقت کا تقاضا ہوا تو احکامِ تصوف کی تصریح وتوضیح بھی ہوئی۔ اُصول وفروع قائم ہوئے۔ کتابیں تصنیف کی گئیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے علم حدیث وفقہ کی۔ تدوین کی ضرورت اوّل صدی میں پیش ہی نہ آئی بلکہ پوری ایک صدی تک مسلمان صرف قرآن کو اپنا دستورِ عمل بنائے رہے یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں صرف ایک تصوف ہی نہیں بلکہ جمیع علوم حدیث وفقہ اُصول و بیان ومعانی بلاغت کلام تفسیر وغیرہ کوئی بھی اس طرح موجود نہ تھے۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ اس وقت تک لوگوں کے ظاہر وباطن یکساں تھے۔ علم سینہ کا دَور دورہ تھا تو ضرورت ہی نہ پڑی۔ ہاں دوسری صدی میں فقدان علم سینہ وقلّت توبہ و بے رغبتی کے شیوع سے حدیث وفقہ کی تدوین کی گئی، اسی طرح قلوب کے تکدر سے جب باطنی حالت خراب ہوئی اور نفس ضمیر پر غالب آنے لگا تو تصوف پر بھی توجہ دی گئی۔ دوییمش احکامِ فقہ کی تدوین سے شرعی احتیاج ختم ہوگئی، اب ضرورت اگر تھی تو صرف امراضِ باطنی وفساد قلبی کے دفعیہ کی۔ نفس پر جبر وتکلّف کے ساتھ شرعی پابندیوں کو پورا کر لینا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا آسان ہے۔ لیکن عالم ذوق وشوق میں غرق ہوکر عبادت کرنا خدا کے ہر حکم پر والہانہ انداز سے مطیعانہ ومسرورانہ وسروشانہ عمل کرنا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ باطن کی خرابی کا سبب اور کامل

اتباعِ سنّت میں اگر کوئی چیز و مانع تھی تو وہ نفس سرکش کی قوت تھی۔ حاجت تھی کہ ان رکاوٹوں کو بالکل ہلاک کر دیا جائے۔ اور نفس سرکش کو نفس مطمئنہ بنایا جائے جب تک قلوب اس کے شائق رہے۔ سب سے اوّل خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے معلّم رہے، موصوف کی خلافت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جاری رہیں۔ اور سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی تعلیمات و فیوضات بھی حین حیات ساری رہیں۔ پھر آپ نے یہ خرقۂ خلافت حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کو سونپا۔ اس دور تک صرف تعلیم ہی کی حاجت تھی۔ اس کے بعد جب علمائے ظاہر ہوئے جن کا ظاہر تو ضرور شریعت کے سانچے میں ڈھلا تھا مگر باطن میں تقرب خداوندی و اخلاق مصطفائی کی خوشبو نہ تھی تو تصریحات تصوف ہوئیں۔ یہ صرف صوفیائے کرام ہی ہیں جن میں دونوں چیزیں پوری طرح مہک رہی ہیں۔ افسوس کہ معترضین اس سے بھی ناواقف ہیں کہ شارع علیہ السلام جہاں **یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ** پر مامور تھے وہاں **یُزَکِّیْھِمْ** بھی تو آپ کا فریضہ تھا۔ آپ تعلیم شریعت و تزکیہ نفس دونوں کی تعلیم فرماتے، یہی تزکیہ نفس تو تصوف ہے، اس مکتب کے ممتاز تلامذہ چاروں خلفاء راشدین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن ابی بکر الصدیق، حضرت بلال، حضرتِ صہیب، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر۔ نیز اصحابِ صفہ تھے جو تصوف و روحانیت میں یگانۂ دہر تھے۔ یہی تو وہ مکتب تھا جن کی تعلیمات و اُصول آج بھی جاری ہیں۔ ان حضرات کو ان کے متوسلین کو تصریحات کی احتیاج ہی کیا تھی۔ ہاں لوگ جب اس کے محتاج ہوئے تصریحات بھی کر دی گئیں، کون انکار کرسکتا ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت الٰہیہ کا نورانی خرقہ جو معراج میں عطا ہوا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرتِ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما کو نہیں ملا۔ **مَا صَبَّ اللّٰہُ شَیْئًا فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ.** اللہ تعالیٰ نے قلب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اتقا

کیا وہ آپ نے قلب ابوبکر کو ودیعت فرمایا۔ اور عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ نیز اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا کے اشارات اس کے سوا اور کیا ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوتراب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہی تو اس نیابت مصطفائی صلی اللہ علیہ وسلم کے امانتدار تھے۔ ارشادِ شارع علیہ السلام ہے کہ سلمان ہمارے اہل بیت ہیں۔ یہ اعزاز کسی دنیاوی مقصد پر تو نعوذ باللہ نہ تھا، بلکہ ارتقائے روحانی وتقرب الٰہی اس کی اصل عظیم تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیابت وطریقت میں آشکار ہے۔ ان سطورِ بالا میں ہم نے وہ حقائق تصوف جن کو نظر ظاہر معانی ظاہری کی شکل میں دیکھتی ہے۔ واضح کر دیئے ہیں۔ ناسوت لاہوت، ملکوت جبروت و نیز دیگر نکات کی تشریح انشاء اللہ افضال رحمانی جلد دوم میں مذکور ہوگی۔

ناقدین تصوف

حضرت خواجہ حسن بصری اور اُن کے خلفاء کے بعد حضرت بایزید بسطامی میدانِ وضاحت میں آئے۔ پھر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا دَور جو آیا تو تصوف نے ایک نیا جامۂ انقلاب پہنا۔ حضرت سہل بن تستری اسی جماعت سے تھے جس نے زہد و اخلاقِ روحانیت وریاضت کو طریق صوفیاء کی اصل عظیم قرار دیا۔ تیسری صدی میں اس کے انقلاب نو سے گوشہ نشیں راہبوں کی مانند لوگوں سے دور رہنے کے بجائے شیخ کامل بن کر سامنے آنے لگے۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے اس فن کے اُصول کی تنظیم وتشریح کتابۃً کی۔ سری سقطی نے حقائق اور یحییٰ بن معاذ اور ابوحمزہ بغدادی نے تقاریر و مواعظ کی ابتدا کی۔ پھر حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے اسے مباحث عامہ کا موضوع بنا دیا۔ اور تصوف کی اصلیت وصحت آیات واحادیث سے ثابت کی گئی۔ تیسری چوتھی صدی میں یہ مذاق عام ہوگیا۔ فارابی کو بوعلی سینا، امام غزالی علیہم الرحمہ کی وساطت سے

بڑی فلسفیانہ اصلاحات پیدا ہوئیں۔حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گو اواخر پانچویں صدی میں تشریف لائے مگر چھٹی صدی وہ قابل فخر دور ہے جس میں ترکِ دنیا کا وجود تقریباً ناپید ہو گیا۔فقر و فاقہ،سادگی،زن و فرزند میں بودو باش کی گراں قدر اصلاح آپ نے فرمائیں۔ ہندوستان میں حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے بھی اسی اُصول پر کام شروع کیا اور ان اصلاحات سے صوفیاء کی زندگی عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا نمونہ مکمل بن گئیں۔

☆ ☆ ☆

دوسرا باب

مجاہداتِ اولیاء:

ان حقائق کے سمجھ لینے کے بعد وضاحت مجاہدہ ضروری ہے۔ اولیائے کرام کے مجاہدات پر۔ ابن تیمیہ ابن قیم نے یہ زہر پاشی کی ہے کہ مجاہدات شریعت کو شرع اسلامی کے خلاف بتاتے ہیں۔ پرستاران ابن تیمیہ وغیرہ اور بھی ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ عموماً احادیث ذیل یہ لوگ اپنے دعووں میں پیش کرتے ہیں۔(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَاتُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَایَمُلَّ حَتّٰی تَمَلُّوْا ۔مشکوٰۃ باب القصد فی العمل ۔یعنی وہ عمل اختیار کرو جس کی تم میں طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عطائے ثواب سے نہیں تھکتا حتیٰ کہ تم خود نہ تھک جاؤ۔(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے میں نے اقرار کیا تو فرمایا کہ یہ نہ کیا کرو روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو رات کو نماز بھی پڑھو، اور سو بھی اس لئے کہ تیرے اوپر تیرے جسم کا بھی آنکھ کا بھی بیوی کا بھی جہان کا بھی حق ہے۔ پس تیرے لئے مہینے میں تین روزے رکھنا کافی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھ میں اس سے زائد عبادت کی طاقت ہے۔ فرمایا کہ پھر روزہ داؤد رکھا

کرو۔ یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔ عبداللہ بن عمر جب بوڑھے ہو گئے تو کہا کرتے کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہنا مان کر رخصت قبول کر لیتا۔ بخاری کتاب الصوم (۳) بخاری و مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ تین صحابہ نے بعض ازواج مطہرات سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کا حال پوچھا۔ اس علم کے بعد اپنی عبادت کو کم سمجھ کر کہنے لگے کہ ہم کو بھلا اس نورٌ من اللہ سے کیا نسبت جس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں ایک نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرا بولا میں دن بھر روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں بیوی کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے کہیں زائد خدا سے ڈرتا ہوں اور زیادہ متقی ہوں۔ مگر کبھی روزے رکھتا ہوں کبھی نہیں رکھتا۔ نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں ۔ خبردار تم میں سے جس نے میری سنت ترک کی وہ میرا پیرو نہیں۔

(۴) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک دفعہ سید آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی بندھی دیکھی دریافت پر عرض کیا گیا کہ یہ رسّی حضرت زینبؓ کی ہے جب شب کے وقت وہ کثرت عبادت سے تھکنے لگتی تھیں تو اسے تھام کر عبادت ادا کرتیں تو آپ نے اسے فوراً کھول دینے کا حکم دے کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو چاہئے کہ مدت نشاط تک نماز پڑھا کرو جب تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو۔ بخاری کتاب التہجد ۔ افسوس ہے کہ منکرین کی محدود نظر و سطحی معلومات نے ان کو حقیقت سے بہت دور پھینک دیا ہے۔ احادیث پر اگر غور کیجئے تو حدیث نمبر دو سے یہ ثابت ہے کہ ایسی عبادت و ریاضت نفسی جس سے بیوی و مہمان وغیرہ کی طرف سے بے پروائی نہ ہو بلاشبہ محمود ہے۔ حدیث نمبر چار اپنے منہ بول رہی ہے کہ اتنی دیر تک عبادت مستحسن ہے جو گراں نہ گذرے۔ سوال یہ ہے کہ ایک ایسا شخص

ہے جس کو بیس رکعات بھی ادا کرنے سے گرانی آجاتی ہے اور ایک ایسا شخص ہے جو اپنے عالم کیف میں سو رکعت بھی ادا کرنے کے بعد گرانی محسوس نہیں کرتا۔ فرمائیے آپ کس کا عمل مطابق حدیث قرار دیں گے؟ ماننا پڑے گا کہ یہ عملی مدارج حسب حیثیت ذوق عبادت ہیں جس میں گرانی وتھکاوٹ کا شائبہ بھی نہیں۔ اولیائے کرام یہ تو کرتے نہیں کہ کھانے سے قطعاً گریزاں ہوں آرام سے منکر، بیوی سے بے تعلق سمجھ کا اولاد سے بے پرواہ ہوں۔ یہ تو صرف قصور ہے کہ ان احادیث پر دوامی روزے گریۂ مسلسل شب بے داری نفس کشی کو منافی سنت یا رہبانیت قرار دینے کی سعی ناتمام کی جائے۔

فلسفۂ روح وجسم :

اب کچھ ضروری امور کو اوّلاً سمجھ لیجئے۔ کھلی ہوئی چیز ہے کہ قوائے عنصری کو خلاق عالم نے عناصر ہی سے پیدا کیا ہے لازمی امر ہے کہ عناصر سے پیدا شدہ چیز عناصر ہی سے قائم رہ سکتی ہے اور اسی سے پرورش پائیگی اسی لئے کھانا پینا انسان کیلئے لابدی ہے تاکہ پیہم محنت سے جو عنصری اجزا ختم ہوتے رہتے ہیں ان کی تلافی ہوتی رہے۔ بنا بریں جسم عنصری کی پرورش اور دیگر اجسام کی پیدائش ونشو نما واس کے قیام کے لئے توالد وتناسل خورد ونوش وغیرہ جیسی خواہشات بھی اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں تاکہ ان کی تکمیل کا خود بخود انتظام بھی ہوتا رہے چنانچہ خدائے قدوس نے جائز عیش کی ۔وَلَا تُسْرِفُوْا کی قید لگا کر کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا کا حکم فرمایا اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سویا بھی کرو عبادت شب بھی کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ انسان پر اس کے جسم کا آنکھ کا بیوی کا جہان کا بھی حق ہے تاکہ اس عام قانون ودستور آسان سے ہر کہ ومہ فائدہ اُٹھائے۔ اب ذرا دقیق نظر سے کام لیجئے تو واضح ہوگا کہ اس قانون عام ودستور آسان سے ایک راہِ

خاص و دستورِ اعلیٰ بھی ہے جس کے رہرو صرف مقربان بارگاہِ الٰہی ہیں۔ آپ یہ سمجھ چکے کہ جسم عنصری عناصر سے مرکب ہونے کی بنا پر عنصری غذاؤں کا محتاج ہے اسی اصول اسی قاعدے اسی کلیہ کے ماتحت روح جو لطیف شئے اور امر باری ہے وہ روح بھی اپنے امر ہی سے غذا حاصل کرتی ہے کہ کیونکہ عناصر کا ایک ذرّہ بھی تو روح کی غذا بن سکتا ہے قاعدہ ہے کہ لطیف شئے کو لطافت ہی سے تقویت ہوتی ہے اب غور فرمایئے کہ عبادت ذکر اور شغل خود لطیف ہیں اسی لئے یہ سب مخصوص طور پر غذائے روح ہیں جس طرح قوائے عنصری عنصری غذا سے نشو ونما پاتے ہیں اور جتنی اچھی غذا یہ پاتے ہیں اتنی ہی طاقت پا کر مادی خدمت انجام دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی مسلمہ ہے کہ جن جذبات کا تعلق عناصر مادہ سے ہوگا وہ ہی نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوں گے مثلاً حسد، ریا، نمود، غرور، عداوت ، بدگوئی، نفسانیت اور جوں جوں یہ بڑھیں گے روح کمزور ہوگی یعنی جتنی مادیت غالب ہوگی اتنی ہی روح ضعیف ہوگی اب اگر انسانی توجہ انہیں کی طرف مرکوز ہوگی اور اسی پر قوت صرف ہوگی تو لازمی ہے کہ صفات ملکوتی جو خلاق عالم نے انسان میں ودیعت فرمائے ہیں بالکل معدوم ہوجائیں گے یہ وہ منزل ہے جہاں انسان اور حیوان میں فرق نہیں رہتا بلکہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کا یہی درجہ ہے اور کفر وشرک کی یہی سیڑھی ہے حتیٰ کہ انسان اسفل السافلین میں گر جاتا ہے اس نقطۂ نظر کے ماتحت تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ جب انسان روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے عبادت ذکر وشغل پر گامزن ہوتا ہے تو جس مستعدی وتیزی سے یہ مبارک اقدام کیا جاتا ہے جس قدر اس پر انہماک والتفات والتزام ہوتا ہے تو اتنی ہی روح کو نفیس ولطیف غذا ملتی ہے اور جس قدر روح طاقتور ہوتی جاتی ہے اجزائے عنصری اسی قدر ضعیف ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ وقت آتا ہے کہ روح کمال ارتقا پر آجاتی ہے یہاں یہ اجزائے عنصری روح سے مغلوب ہی نہیں ہوتے بلکہ لطافت روح انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر اپنی ہی

جیسی خصوصیت کمالیہ پیدا کر دیتی ہے یہ وہ درجہ ہوتا ہے کہ یہاں انسان کو نہ زبانی ذکر کی حاجت ہوتی ہے نہ روح کو کسی عنصری عضو جیسے ذاکر کی احتیاج رہتی ہے بلکہ اب تو روح خود ذاکر ہو جاتی ہے اور جسم عنصری کی تمام کثافتیں روح کی لطافتی تجلیوں وضیا باریوں سے ختم و نابود ہو جاتی ہیں اس وقت انسان سراپا پیکر روح بن جاتی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ حضرت مخدوم صابر کلیری علیہ الرحمہ نے بارہ سال کچھ نہ کھایا نہ پیا مگر پھر بھی زندہ رہی اور کوئی عوارض جسمانی لاحق نہ ہوسکے ہمارے سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ کبھی چالیس روز کبھی ایک ایک سال بلا آب وطعام رہے کیوں محض اس لئے کہ جسم تو روح سے بالکل مغلوب ہو کر روحانی رنگ میں رنگ چکا تھا پس نتیجہ صاف ہے کہ جسمانی راحت کی خاصان حق کو اسلئے احتیاج نہیں رہتی کہ روح تو یاد الٰہی میں انتہائی لذت وسرور دائمی پارہی ہے ذرا فرمایئے تشدد ہوا تو کس پر اگر تھا کا تو کون شرط نشاط کی حقدار کس کی ذات ہوئی سچ تو یہ ہے کہ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں ایک لحظہ بھی غفلت تو روح کی تکلیف کا سبب بن جاتی ہے صوفیائے کرام کے وہاں جو چیزیں اتباع سنت میں حائل تھیں گو عوام کیلئے جائز تھیں ان کو یہاں اس شدت کے ساتھ مٹانے پر کمر باندھی گئی نفس کشی پر اصرار فقر کی تاکید مذمت دنیا و ترک دنیا کی شد و مد پر زور دیا گیا یہی تو وہ خلیج تھی کہ جو قربِ الٰہی کی راہ میں حائل تھی کیوں نہ اسے پاٹا جاتا آرام نفس کے بدلے آرام روح بسیار خورا کی کے بجائے فاقہ وقوت لایموت بسیار خوابی کی جگہ شب بیداری اعتماد و دنیاوی کے بجائے توکل خداوندی ظاہری دولت کے بدلے باطنی دولت ترقی جسم کی جگہ ارتقاء روحانی گنی چنی عبادات کے ساتھ والہانہ انداز سے مزید عبادتیں اختیار کرنا شعار ہوا۔ ذرا خدا لگتی فرمایئے کتاب وسنت پر اس سے بہتر عمل مکمل کی تصویر کوئی اور بھی ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ دیکھئے نہ ہمارے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ مشاہدۂ حق میں ایسے محو ہوتے کہ جب نماز کا وقت آتا تو ممدوح کے کانوں میں اذان دی جاتی اور حق

حق کے نعرے لگائے جاتے تو آپ آنکھ کھولتے اور عرض کرتے کہ یارب العالمین اگر شریعت اسلام سے مجبور نہ ہوتا تو تیرے مشاہدۂ جمال سے ہرگز نہ ہٹتا جد محترم غوث زماں گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ اکثر و بیشتر فرماتے کہ خدائے قدوس سے اگر ہم کو جنت الفردوس عطا کی تو عرض کروں گا کہ بارِالٰہا مجھے حور و غلمان کی حاجت نہیں مجھے تو تلاوت قرآن اور نماز پڑھنے کی اجازت عطا ہو جو مزہ اس میں ہے وہ اور کسی میں کہاں ہے۔

کیف عبادت :

قطع نظر اور امور کے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز میں مشغول ہیں لوگوں نے پیوست شدہ تیر کھینچ بھی لیا لیکن تکلیف تو درکنار آپ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ تقاضائے بشریت ہے کہ ہاتھ مس ہوتے ہیں کرب والم ستانے لگے مگر معاملہ ہی برعکس ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محویت کسی خاص لذت وسرور کی نقاب کشائی کرتی ہے۔اب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ ادھر نیت باندھی ادھر محبوب حقیقی کے جمال حقیقت افروز نے سب کچھ بھلا دیا۔نماز فقراء کی تفصیلی پر کلام طول ہو جائے گا۔اسلئے ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے جب قاضی بدرالدین کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کے ملازم سے فرمایا کہ اخّاہ قاضی شہر بھی نماز پڑھنا جانتا ہے۔قاضی نے خود پوچھا اور اثبات میں جواب پا کر کہا کہ کیا فقراء کیلئے کوئی اور شریعت ہے کیا وہ اور کسی طرح ارکان ادا کرتے ہیں۔شیخ نے فرمایا کہ نہیں تو ارکان عبادت وہی ہیں ہاں علماء کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں مگر فقراء جب تک رب کعبہ کو نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک سجدہ ہی نہیں کرتے اور اقل درجہ فقراء کی نماز کا یہ ہے کہ وہ عرش اعظم پر نماز پڑھیں۔‘‘ اسی شب کو قاضی نے خواب میں دیکھا کہ آپ عرش اعظم پر مصلّٰی بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔(تذکرۃ الواصلین) یہ ہے فقراء کی نماز سچ ہے کہ لذت عبادت

کے سامنے ہر دنیاوی لذت ہیچ ہے صرف فقراء کو نصیب ہے جس کیلئے کم خورا کی کم خوابی اکل حلال لابُدی ہے۔

لذت عشق :

قیس عامری کو محض عشق لیلیٰ نے کتنا اذیت کوش اور آزاد طلب بنادیا تھا۔ اس کو مصائب عشق میں کچھ ایسی لذتیں اور سرور ملے تھے کہ وہ سمجھائے نہ سمجھتا تھا۔ گھر سے چھوٹا خانماں برباد ہوا۔ والدین اقارب سے بچھڑا۔ شاہی نے گدائی پائی۔ سوکھ کر کانٹا ہوگیا مگر اس بلائے عشق سے آزادی پانے پر تیار نہیں اسی پر بس نہیں باپ کے ساتھ کعبہ لے جایا گیا تو غلافِ کعبہ پکڑ کر دعا بھی مانگتا ہے تو یہ ''الٰہی مجھ سے جدا ہو نہ الفت لیلیٰ۔'' جب اس عشق مجازی میں اتنی لذت اتنا کیف اتنا سرور ہے کہ ہر الم مسرت، ہر غم سرور، ہر اذیت راحت، ہر بلا آسانی ہے تو خاصانِ خدا کے عشق حقیقی کی سرشاریاں۔ کیف آگہیں مسرتیں کس قدر مہتم بالشان ہوں گی۔ دو یمش فرہاد نے شیریں کے رخسار رنگین کا عکس دیکھ کر ہر طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ غور کیجئے جب ان ذرّوں کے حسن کا یہ عالم ہے کہ عاشق دوسری اشیاء دیکھ ہی نہیں سکتا تو اس نور حقیقی کے مشاہدہ کرنے والے اگر دنیا ومافیہا سے بے پرواہ ہوجاتے ہیں تو کیا محل تعجب ہے؟ صحیح ہے کہ مجاہدات میں دیدار شروع ہوجاتے ہیں اس دیدار کی لذات کیف بخش کے بحر ذخار کو جذب کرنے کی ہوس میں عاشق بڑھ چڑھ کر محنت و ریاضت کرنے لگتا ہے پھر ان عشاق کی ایک حالت بھی نہیں رہا کرتی۔ اتنا بڑھے جتنا ہی اُدھر سے اور مل گیا۔ مقامات پر مقامات کھلتے جارہے ہیں۔ جب اپنا ہی ہوش نہ ہو تو کھانے پینے کی فکر ہو بھی تو کیسے؟ ابن تیمیہ ابن قیم اور منکرین کو اگر یہ لذت عشق یا ذوق عبادت کی تلچھٹ بھی مل گئی ہوتی تو وہ اس ذوق عبادت کو مخالف شرع بتانے کی نامعقول جسارت سوتے میں بھی نہ کرتے۔

مجاہدات شارع :

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذوق عبادت سے حدیث معترض کا جواب ہم آپ کو دیئے دیتے ہیں چنانچہ شارع علیہ السلام جب نماز کو کھڑے ہوتے تو سینۂ مبارک خوفِ الٰہی سے اس طرح جوش کھاتا جیسے دیگ جوش مارتی ہے۔ سرورِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روتے اور اتنا روتے کہ روئے مبارک کے سب بال تر بتر ہوجاتے۔ کثرت و ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ پائے مبارک ورم کر جاتے۔ ماننا پڑتا ہے کہ اگر آپ کو امت سے پابندی شریعت نہ کرانا ہوتی اگر آپ کو امت کے سامنے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کا عملی نمونہ پیش نہ کرنا ہوتا تو چلنے پھرنے کا بھی ہوش نہ رہتا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہمہ وقت خوفِ الٰہی سے روتے رہتے۔ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجھے سورۂ ہود نے بڈھا کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری کی خوفِ الٰہی سے کمر جھک گئی تھی کس میں یہ جسارت ہے کہ ان مجاہدات کو مطابق شرع نہ مانے؟ لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ راہ خاص ہے اور سب سے ارفع۔ ہمارے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے اس کی وضاحت فرما دی ہے بقولہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک ذرّہ عارف کے دل کو وہ لذت و سرور عطا کرتا ہے کہ بہشت کے ایک لاکھ قصر دلکشا کی فرحتیں اور سرشاریاں بھی اپنی انتہائی مخموریاں اور کیف اندوزیوں کے بعد بھی ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

تشدد اور فرق ریاضت و رہبانیت :

یہ صحیح ہے کہ بعض غیر مذاہب والے روح کو تقویت پہنچانے اور اپنے جسم کو کمزور کرنے کیلئے مختلف طریقے روا رکھتے ہیں کسی نے ہات سُکھا لئے تو کسی نے پیر بیکار کر لئے کسی نے کھانے پینے ہی سے بالکل بے نیازی اختیار کر لی۔ ہاں اسلام نے اس چیز سے روکا کہ جسم کو ایسی تکلیف پہنچا کر حق اولاد و اہلیہ و حق جسم سے محروم نہ کیا جائے

مگر روح کو تقویت پہنچانے پر پورا اختیار بخشا۔ تجربہ شاہد ہے کہ خاصانِ خدا تھوڑا ضرور کھاتے ہیں مگر وہ کھانے سے منکر نہیں روزہ رکھتے ہیں مگر افطار سے پرہیز نہیں وہ جسم کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں مگر کسی عضو کو فنا نہیں کرتے وہ نفس سرکش کو دکھ دیتے ہیں مگر کسی عضو کو دکھ نہیں دیتے۔ یہی فرق ہے رہبانیت و ریاضت اسلامی کا۔ اسلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کیجئے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بھی جسم کو ترقی روحانی اور وصول الی اللہ میں حائل مانا ہے۔ بہ نسبت اور ادیان کے اسلام نے فنائیت کا وہ نظریہ پیش نہیں کیا جس سے جسم کو نقصان پہنچے بلکہ ان طریقوں کی مذمت کرتے ہوئے ایک آسان اور بے حد موزوں طریقہ تعلیم فرمایا جس سے جسم کو نقصان بھی نہ پہنچے اور مقصد بھی حاصل ہوجائے فنائیت کے مدارج پر اگر نظر ڈالئے تو اوّل درجہ فنافی الشیخ دوسرا درجہ فنا فی الرسول تیسرا درجہ فنا فی اللہ کے عالم میں پہنچ کر وہ شخص رہتا تو تو بندہ ہی ہے مگر اس میں کُنْ فَیَکُوْنُ صفات ربانی پیدا ہوجاتیں ہیں۔ افسوس کہ یہ مدارج علمی نہیں بلکہ عملی ہیں اور عملی مدارج کی وضاحت قلم اور کاغذ بھی نہیں کرپاتے۔ ہاں اس مثال سے آپ کی تسلی ضرور ہوجائے گی کہ اگر آپ لوہے کو آگ کے اندر ڈال دیں تو قلیل وقفہ میں آگ کے تمام اوصاف اس لوہے میں پیدا ہوجائیں گے۔ بہ اعتبار رنگ انگاروں اور لوہے میں فرق نہ رہے گا جس طرح انگارہ ذاتی طور پر جلائے گا وہ لوہا بذاتہ جلادینے کی صفت پوری طرح رکھے گا پس جس طرح آگ میں پڑ کر سرخ ہوجانے سے لوہا آگ نہیں بن جاتا اسی طرح انسان فنا فی الرسول ہو کر نہ رسول بن جاتا ہے نہ فنا فی اللہ ہو کر خدا ہی بن جاتا ہے نعوذ باللہ۔ بلکہ لوہا جب تک آگ کے اندر ہے اسے آگ کے تمامی صفات بذاتہ لوہا رہتے ہوئے بھی پوری طرح حاصل ہیں اسی طرح بندہ جب تک فنائیت کے درجہ میں رہا بندہ ہوتے ہوئے بھی صفات ربانی کا مظہر تمام اصل وحقیقت کا آئینہ ہے۔ کُنْتُ سَمْعُہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِیْ وَبَصَرُہُ الَّذِیْ یُبْصِرُبِیْ الخ کہ خدا

ہی اس کی آنکھ وکان وہاتھ و پیر ہو جاتا ہے اسی قبیل پر ارشاد ہے۔ پس لوہا جب آگ سے دجدا ہوا لوہے کا لوہا اسی طرح بندہ میں جہاں خودی پیدا ہوئی یہ سب معدوم۔ دلائل بالا سے ثابت ہوا کہ انتہائی شقاوت کی وہ راہ ہے کہ روح پر جسم غالب آجائے اور کثافت ولطافت کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لے جیسے ابولہب وابوجہل۔ دوسری راہ ِسعادت یہ ہے کہ روح جسم پر غالب آکر کثیف کو بھی لطیف بنالے یہ درجہ اولیاء اللہ کا ہے تیسری راہ درمیانی درجہ ہے جو عوام مومنین کا ہے یعنی یہ کہ روحانیت کی طرف رجحان ہو اور جسم سے روح چند درجہ غالب ہو مگر یہاں بھی دو حالتیں ہیں ایسا شخص اگر ترقی جسمانی حاصل کرے گا۔ بدہوتا جائے گا اور اگر ارتقائے روحانی حاصل کرے گا ابرار ہوتا جائے گا۔

بیخودی وسرشاری:

تفصیل بالا سے واضح ہو گیا کہ روح بھی لطیف ہے اور انوار بھی لطیف ہیں پس لطیف لطافت ہی سے سرور ولذت دوامی سکون وارتقاء نشو ونما وقیام دوامی پاسکتی ہے اسی لئے عبادت کا تعلق اصلی صرف باطن سے ہے اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ آفتاب حقیقت کا دیکھنے والا ان ذرّوں پر کیسے نگاہ بھی ڈال سکتا ہے جو خود اسی آفتاب کے ٹکڑے اور اسی کی ضیاء سے روشن ہیں۔ اگر وہ نظر بھی ڈالتا ہے تو حقیقت کا لطف ہی نہیں آتا یہ پھیکی روشنی لذت بخش ہے نہ کیف آور۔ جب عشق مجازی والا معشوق مجازی کو دیکھ کر ان بے وقعت ذرّوں پر متوجہ نہیں ہوسکتا تو عشق حقیقی کا طالب صادق نورِ حقیقت کے سوا ان اشیاء پر بھی قطعاً ملتفت نہیں ہوسکتا۔ جب عشق مجازی میں کھانا پینا سونا سوہان روح ہوجاتا ہے کسی دنیاوی آرام سے سکون کے بجائے تکلیف ہوتی ہے اگر چین ہے آرام ہے لطف وسرور ہے لذتیں ہیں تو صرف دیدار یار میں تو ذرا فرمایئے کہ اپنی خوشی سے تو کوئی خانماں برباد نہیں ہوتا اب بھی کیا واضح وثابت نہیں کہ دنیا کی نگاہ میں جو آرام ہے

وہ نگاہ عشق میں تکلیف اور جو نگاہِ عشق میں لذات و سرشاری کا متاع سکون ہے وہ دنیاوی نظر میں تکلیف ہے پھر عشق حقیقی و عشاق ربانی کی بیخودی و سرشاری پر چراغ پائی کیوں ہے؟ یہ تو عین مقتضائے کمال انسانی وارتقائے روحانی و عشق ربانی ہے۔ ہمارے جد محترم کے پرنانا صاحب اعلیٰ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہما ''برج عجمی'' میں ہیں چالیس یوم کا فاقہ ہے۔ نفس کی آواز الجوع الجوع بلند ہوتی ہے حضرت ابوسعید مخزومیؒ ناگاہ گذرے تو دریافت کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ ''ایں قلق نفس است اماروح با مولیٰ آرام۔'' سمجھا آپ نے اس آرام حقیقی کو ترجیح دی جارہی ہے اور آرام ظاہری پر توجہ نہیں دی جاتی۔ مگر تکلیف کا سوال ہی نہیں احساس تکلیف کا شائبہ ہی نہیں۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ بے خودی و سرشاری میں دنیا ومافیہا سے غافل۔ دنیا اور اہل دنیا کے جھگڑوں سے دور۔ احساس خودی کھوئے ہوئے نفس سرکش کو نفس مطمئنہ بنانے کیلئے آرام حقیقی کیلئے خوشنودی رب قدیر کیلئے مصروف مجاہدہ ہیں۔ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ کی آیت پر آتے ہیں اسی پر کھڑے کھڑے صبح صادق ہو جاتی ہے۔ یہ حضرت غوث الاعظمؒ و امام اعظمؒ کا اقدام حسنہ کس کی جسارت ہے کہ اسے تکلیف بتائے یا موافق شرع نہ کہے کس میں ہمت ہے جو ان طالبان صادق کی لذات و سرور کی تہ پر پہنچے کون اندازہ کرنے والا ہے بتائیں تو وہی کہیں تو وہی کہ کیا عالم سرور ہے کیا کیا مقامات کھل رہے ہیں قلق نفس ان لذات و سرشاریوں کے مقابل کوئی وقعت رکھ سکتا ہے۔ ان کو قلق ہے تو یہ کہ جلد سے جلد معراج کمال ملے زائد سے زائد جمال دوست سے مستفیض ہوں یہی ابدی سکون ہے۔ یہی راحت دوامی ہے۔ حدیث میں ممانعت ہے تکلیف جسمی کی قید ہے بہ قدر نشاط کی۔ یہاں تکلیف کا سوال ہی نہیں نشاط حاصل ہی نہیں ہو پائی مشاہدۂ جمال سے سیری ہی نہیں وہ محویت و سرشاری ہے کہ اس کی بھی تو خبر نہیں کہ پیوستہ وجاں ستاں تیر نکلا کہ ابھی باقی ہے۔ کرم اللہ وجہہ۔ سطحی نظر والا خلاف

شرع بک رہا ہے تو بکا کرے وہ اس کا حقیقت آشنا ہی نہیں اس دشت کا صحرا نورد ہی نہیں پرواہ اس لئے نہیں کہ دیکھنے والا تو خود شرع بنانے والے کو دیکھ رہا ہے طالب دیکھ رہا ہے کہ مطلوب مسرور ہے راضی ہے وہ اسی کی رضا جوئی میں زائد سے زائد اپنے محبوب کو مسرور کرنا چاہتا ہے اُسی دھن میں مست ہے یاد میں محو چین پا رہا ہے اسی کا دیدار سامان نشاط ہے اقتضائے عشق یہی ہے معشوق کی خوشی شرع بنانے والے کی مرضی یہی ہے جو کچھ ہو رہا ہے التفات محبوب وتوجہ معشوق کیلئے تو سب کچھ سہا جا رہا ہے۔ وہ راضی ہے یہ شاداں ہیں۔ مرضی معشوق رضائے عاشق میں آپ دخل دیتے ہیں تو کیوں مخل ہوتے ہیں تو کیوں؟ اگر خدا کے سچے پرستار ہو تو بولو یہ حقیقی پرستش الٰہی ہی تو ہے۔

اولیاء اور اتباع شریعت:

شریعت تو محبوب حقیقی ہی کا چونکہ قانون ہے اس لئے یہ عاشقان صادق صوفیائے کرام پاس شریعت سے جدا ہی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ سب کچھ ان پر بیت جاتا ہے مگر پاس وحرمت شریعت ہر طرح ملحوظ خاطر والا رہتا ہے۔ حضرت سرمدؒ کا سرتن سے جدا ہو رہا ہے حضرت منصورؒ پر پتھر کی بارش ہو رہی ہے عضو سے عضو جدا کیا جا رہا ہے مگر احترام شریعت ہے مہر بہ لب ہیں۔ کیا یہ ہمت ہے کہ بتا سکوں کہ اس خاموشی کی وجہ احترام شریعت کے سوا کوئی دوسری تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کیا تم پاس بھی پھٹک سکتے تھے؟ اسی طرح اولیائے کرام کے کسی حال پر نظر کیجئے بظاہر جو تکلیف ہے دراصل وہ آرام ہے خوشی سے جان دے رہے ہیں شکوہ ہے نہ فریاد شکایت ہے نہ نالہ اُلٹے مسکرا رہے ہیں۔ دو یمش صوفیائے طریقت اپنے مجاہدات کسی پر ظاہر بھی نہیں کرتے بلکہ سب کی نظروں سے انتہائی پوشیدہ رکھتے ہیں انکار کی جرأت نہیں کہ یہ محض نمود وریاء سے بچنے کیلئے پابندی شریعت پر کیا جاتا ہے۔ دو یمش پھر وضاحت کرنا پڑتی ہے کہ لذائذ نفسانی کا

جہاں تک سوال ہے چونکہ یہ ادنیٰ قسم کے ہوتے ہیں اس لئے ان میں جو پھنستا ہے وہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے نہ قلبی لذائذ سے محظوظ ہوسکتا ہے نہ آگے قدم بڑھا سکتا ہے کہاں تک سمجھائیں کہ قلبی لذائذ کے سامنے لذت نفسانی ہیچ ہے کتنی تفصیل کریں کہ یہی وہ رکاٹیں ہیں جو راہِ عروج میں حائل ہونے والی ہیں بتا چکے کہ لذائذ قلبی روحانی لذائذ کا زینہ ہیں یہی وجہ ہے کہ اولیاء کی توجہ لذات نفسانی جیسی خدا سے دور کرنے والی بے وقعت اشیاء کی طرف نہیں ہوا کرتی کیونکہ خالصاً لوجہ اللہ جب کوئی نفسی لذت ترک کی جاتی ہے تو خدا اس تارک کو اس کے بدلے میں اس سے ہزار ہا درجہ بہتر صد ہا نعمتیں عطا کر دیتا ہے۔ مشاہدۂ جمال ولذات معرفت سے بڑھ کر جب کوئی دوسری چیز نہیں اسی لئے جو مشاہدۂ جمال کر لیتا ہے وہ کسی اور شئے کو پسند ہی نہیں کرتا۔ یہی ان کی غذا یہی ان کی نشاط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں منکر کو بھی لاچار ہو کر یہ اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ اولیائے کرام کو اگر احترام شریعت نہ ہوتا تو وہ دنیا کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈالتے۔

دنیا اور صوفیاء :

سچ ہے کہ دنیا ہیچ ہے اس کی لذات بے وقعت ہیں مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوازم تصوف کے خلاف تقرب خداوندی کے معارض ہوتے ہوئے بھی اولیائے کرام نے دنیا اور دین کو ساتھ رکھا۔ عالم سلوک میں وعظ و نصیحت ۔ خدمت خلق، درس و تدریس، ازدواجِ تربیت اولادِ تصانیف کیا کیا نہیں کیا۔ ہم بہ بانگ دُہل کہتے ہیں کہ یہ صرف خاصانِ حق کا ہی خاصۂ امتیاز ہے کہ دنیاداری بھی رہی اور قرب خداوندی بھی۔ ماکولات رئیسانہ ملبوسات امیرانہ بھی پہنے دولت وثروت بھی پیدا کی تجارت بھی کی جہاد بھی کیا لاکھوں روپیہ راہِ خدا میں خدمت خلق میں بانٹا۔ فرماں روائی بھی کی۔ مگر شریعت وطریقت کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ یہ دنیاداری حصول دنیا کی خاطر نہ تھی بلکہ صرف

شریعت کی پابندی کی بنا پر تھی۔ معراج کمال تو یہی ہے کہ دنیاوی جھگڑوں میں الجھ کر بھی وہی کیا جائے جس میں رضائے ربانی ہو۔ سب سے اعلیٰ واکمل ذات سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے فرماں روایانہ حیثیت سے دیکھئے تو اپنی مثال آپ مجاہدانہ مشیت سے غور کیجئے تو کثرت عبادت کا یہ عالم کہ پائے مبارک متورم ہو گئے مگر تھکاوٹ ہے نہ سیری اکل وشرب میں صوم یوم الوصال خاصۂ امتیاز ہے۔ یہی توجہ ہے کہ اولیائے کرام نے اس راہِ خاص کو اصل عظیم قرار دیا اور اتباع میں راہِ خاص (طریقت) اور راہِ عام (شریعت) دونوں پر کاربند رہے۔ خلفاء اربعہ کی زندگی یہی رہی ازاں بعد اولیائے کرام نے اپنی طریقت وشریعت کا لوہا منوایا۔ کسی طور سے بھی نظر ڈالئے اس ایک لڑی میں پیوستہ نظر آتے ہیں کہ حصول ارتقاء روحانی میں جب بھی عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا تو دنیا اور دنیاوی نعمتوں سے سب کا دل سرد نظر آتا ہے پھر ان کیلئے یہاں کھانے پینے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان کی معنوی موت ہی اس لئے ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دستِ حق تعالیٰ میں دے دیا کرتے ہیں اپنے آپ پر ان کا قبضہ رہتا ہے نہ اختیار۔ ناز ونیاز کا دور دورہ ہوتا ہے حریم نماز کے پردے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں جو امتحان محبت لیتا ہے وہی کھلاتا پلاتا انعام وعطا سے نوازتا ہے یہی راز ہے تمامی اولیاء کے مجاہدہ وریاضت کا۔ کہ بظاہر کھڑے کہیں ہیں اور ہیں کہیں اور بیٹھے یہاں ہیں مگر مدنی دربار میں حاضر ہیں۔ نماز یہاں ہو رہی ہے مگر سر خانۂ کعبہ میں جھکا ہے یہ بات احادیث معترض میں خود ثابت ہے کہ ایسی عبادت جو گراں نہ گذرے حقوق اہل وجسم پورے ہوتے رہیں نشاط وذوق قائم رہے جائز ہے پس ان حقائق کی روشنی میں دیکھئے تو یہاں یہ معاملہ ہے کہ میری ہی نہیں تمنائے ذوق پوری نہیں گرانی کے بجائے کیف وسرور کا تقاضا هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ ہے۔ ہاں ابن تیمیہ وابن قیم وان کے پرستاروں کی طرح ذراسی عبادت میں تھک جانا روزوں کا تصور ہے گرانی کا سبب بن جانا خدا کسی کو بھی نہ

دے بلکہ ذوق عبادت سے سیری نہ ہونے پر بھی صوفیائے کرام کی عبادت میں تھکنے گراں گذرنے نشاط قائم رہنے حقوق پورے ہونے کی مکمل تصویر موجود ہے۔ رہا مجاہدۂ خاص تو وہ گریۂ وافر اورورم قدم بکثرت عبادت آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ریاضت اولیاء کا ایسا شاہد عادل ہے کہ منکر کو نہ راہِ فرار ہے نہ مجال انکار۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صوفیائے کرام جس وقت عالم سُکر وجذب میں ہوتے ہیں اس ذات معذور وشرعاً مرفوع القلم ہیں۔ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کا اولیاء اہم چوں خود پنداشتن ضلالت صریحہ ہے۔

☆☆☆

تیسرا باب

نسبی شرافت :

مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اپنے نسب عالی کی طرف خود توجہ فرماتے ہوئے آج تک کسی حاضر وزائر سے مسموع نہیں بلکہ زبان فیض ترجمانی سے بعض مخصوص مریدین نے استفسار پر صرف اتنا جواب پایا کہ ۔

امتیاز شرف آدمیاں را حسب است
بہر تحقیق نسب آدم وحوا کافی ست

سبحان اللہ مقام غور ہے کہ اس جگہ بھی اس نمونۂ شریعت علیہ الرحمہ نے اتباع سنت ہی کو مقدم رکھا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ **مَنْ اَبْطَاءَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِءْ بِہٖ نَسَبُہٗ.** اگر اطوار بد ہیں تو شرافت نسبی کیا کام دے سکتی ہے۔ درحقیقت ایسے اولیاء اللہ گذرے ہیں جن کے نسب کا آج تک پتہ نہیں مگر اُن کے حسب کے سامنے بڑے بڑے اہل نسب بھی شرما گئے۔ اسی لئے تو اکثر اولیاء اللہ کا یہ مسلک رہا ہے کہ ۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بات کیا ہے جو اتنی بے پرواہی برتی جارہی ہے۔ سوا اس کے

کچھ نہیں کہ اسلام نے دنیا والوں کی طرح نسب کو وقعت نہیں دی بلکہ الٹی اسکی مذمت کی۔قرآن کریم نے کھول کر کہہ دیا کہ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقَاکُمۡ ۔اور نسلی شرافت کے احساس کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر معیار فضیلت ربانی صرف عمل کو قرار دیا۔ پرستاروں نے حکم سنا اور بہ طیب خاطر ارتقائے عمل کے میدان میں تحصیل کمال کیلئے وقف ہو گئے جو بھی عمل میں جتنا بڑھتا گیا اتنا ہی محترم ہوا۔حضرت زید ایک غلام تھے مگر عمل خیر نے ان کو محترم بنا دیا کہ اہل قریش کی مایۂ افتخار اور سید الا سیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد ہمشیرہ حضرت زینبؓ حضرت زید رضی اللہ عنہما سے منسوب ہوئیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ فضیلت عملی کی بدولت حضرت مشکل کشا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا خرقۂ خلافت پاتے اور حضرت سلمان فارسی کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سند اہل بیت ہونے کی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت کی عطا کردہ خلافت کا جانشین قرار دیتے ہیں۔ ہم قرن اوّل میں معیار شرافت صرف عمل کو پاتے ہیں قرن ثانی میں بھی یہی عالم تھا کہ غریب سے غریب تر عالم دین کو شاہان وقت اپنی بیٹیاں دینا انتہائے شرف کا باعث سمجھتے علمائے خلف کے عہد تک یہ بات یوں ہی قائم رہی لیکن آخرش ایک وہ دور آیا کہ مادہ پرست یورپ کی پھیلائی ہوئی وبا ایسی عام ہوئی کہ نہ ذات رہی نہ کفو بس جس کے پاس دولت ہے وہ شریف ہے۔لیکن اسلام تو اوّل ہی یہ راز سمجھ چکا تھا اور چونکہ دولت مند ہونا ہر شخص کی دسترس میں ہے نہ ہر شخص شرافت نسبی سعی بلیغ سے حاصل ہی کر سکتا ہے اسی لئے اسلام نے اس کو مذموم قرار دے کر تعلیم دی کہ حسب ہی سب کچھ ہے ظاہر ہے کہ عمل وتقویٰ وہ آسان نعمت ہے جسے انسان حسب مرضی جتنی چاہے خود حاصل کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے اسی بنا پر اسلام نے معیار شرافت وہ رکھا جس میں دنیا بھر کی بہتری ہے اور ہر چھوٹا بڑا مزے سے حاصل کر سکتا ہے کاش کہ اس تعلیم پر مجموعی طور پر اگر عمل در آمد ہوتا

تو مسلمانوں میں رذالت وشرافت کے یہ غیر فطری امتیاز پیدا ہی نہ ہو سکتے تھے۔قرآن کریم کا یہی تو انوکھا درس نرالا اعجاز ہے کہ جو ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ منزل علو کی حد آخری پر گامزن ہوتا ہے وہی جو کل عرب کے گلہ بان۔ خونخواری سے مست ڈاکہ ولوٹ سے سرشار کہے جاتے تھے آج مشرف باسلام ہو کر کوئی بادشاہ کوئی گورنر کوئی صاحب باطن کوئی امام حدیث ورئیس طریقت بنتا ہے کیوں محض اس لئے کہ ان لوگوں کو یہ ارتقا دینے والا عادات پر صیقل کرنے والا تہذیب سے مرصع بنانے والا شرافت اصلی کی روح پیدا کرنے والا اسلام ہی تو ہے جس نے تہذیب نفس صفائے قلب کلام وطعام طاعات عبادت معیشت معاشرت وغیرہ کے ایسے بہترین قوانین سمجھائے کہ جو بھی اس درس ربانی پر عامل دل سے ہوا وہ قلیل وقفہ میں ایسے رنگ میں رنگ گئے کہ قبائح محاسن سے بدل گئے۔اور آج ان کی کامیاب ڈکٹیٹری اعلیٰ مدبّری بے مثال معلّمی ومہذب روش ومساوات پر عالم انگشت بدنداں ہے۔

نسب شریف :

غوث زماں حضرت قبلہ فضل رحمٰن محمدی بن شاہ اہل اللہ بن شیخ ملا محمد فیاض بن شیخ برکت اللہ میاں بن خواجہ عبدالقادر بن شیخ شاہ سعداللہ بن مولانا شاہ نوراللہ عرف نور محمد بن شیخ عبداللطیف بن حافظ شاہ مخدوم عبدالرحیم معروف بہ بندگی میاں بن حضرت مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی بن مخدوم شیخ مگن بن مخدوم شیخ داؤد بن مخدوم شیخ شہاب الدین ثانی ملقب بہ زاہد بن شیخ ادھم دانا بن شیخ فخرالدین ولی ملقب بہ شاہ بن شیخ شہاب الدین مکی بن شیخ احمد صوفی بن شیخ ابوبکر بن شیخ احمد فقیہ بن شیخ محمد فقیہ بن شیخ فقیہ الدین بن شیخ محمد جون بن شاہ احمد کلاں بن شاہ عبداللہ رومی بن شیخ فخرالاسلام بن شیخ محمد ثابت بن شیخ محمد حادث بن شیخ عبداللہ بن سیدنا امام قاسم بن سیدنا

محمد بن سیدنا امام المتصدقین ابوبکرن الصدیق القریشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

خلیفۂ اوّل :

معراج میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خلافت الٰہی کا جو نورانی خرقہ عطا ہوا علاوہ خلافت راشدہ کے خلافت طریقت کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ودیعت فرمایا گیا۔ چنانچہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، سلاسل حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہ سے اور سلسلۂ نقشبندیہ افضل البشر بعدالانبیاء رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئے خلیفۂ اوّل نے اپنا جانشین حضرت سلمان فارسیؓ اور سیدنا محمد بن ابوبکر رضوان اللہ علیہم ہر دو حضرات کو فرمایا۔ خلیفۂ اوّل تو مکتب مصطفائی کے جانشین تھے ہی مگر سیدنا محمد بن ابوبکر! اور حضرت سلمان فارسیؓ کو بھی اوّل شرف صحابیت دوئم تعلیم مصطفائی بذاتہ بھی حاصل تھی ان ہر سہ حضرات کی شان ولایت کی وضاحت ہم تو خیر کیا اکابرین سے بھی نہ ہوسکی۔

امام قاسم :

حضرت خلیفۂ اوّل کا وصال شریف بعض ۲۳ رجمادی الثانی اور بعض ۲۳ جمادی الاوّل ۱۳ھ بتاتے ہیں صحیح آخری ہے اسی طرح سترہ جمادی الثانی ۳۵ھ یوم چہارشنبہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا مزار شریف کوفہ میں ہے۔ لیکن سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بعد بھی کئی سال بقید حیات ونفع بخش قلوب طالبان رہے۔ آپ کے صاحبزادے اسلاف کے سچے خلف سیدنا امام قاسم رضی اللہ عنہ ہوئے کمال ولایت کی وضاحت سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اسے تو سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہی بتاسکیں۔ حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ کا وصال شریف ۲۴ رجمادی الاوّل ۱۰۷ھ میں ہوا جنت البقیع میں محوخواب راحت ہیں۔

شیخ عبداللہ :

سیدنا امام قاسم رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عبداللہ صاحب ہوئے خرقۂ خلافت مع دیگر لوازم خلافت امام قاسم صاحب نے سیدنا امام جعفر صادق کو اور حضرت عبداللہ صاحب کو اپنی دستار وردائے مبارک عطا فرمائی (رضی اللہ عنہم) یہی وجہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے فروغ ہوا۔ موصوف کا وصال شریف ۱۵ / رجب المرجب ۱۴۸ھ یوم دوشنبہ کو ہوا روضۂ سیدنا امام حسن علیہ السلام میں آرام پذیر ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا دوسرا شرف امتیازی یہ ہے کہ موصوف کو اپنے والد ماجد حضرت امام باقر بن زین العابدین بن سید الشہداء حضرت امام حسین صلوات اللہ علیہم کی خلافت بھی ملی اسی طرح سلسلۂ سہروردیہ کے روح رواں بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں پس سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ کی ذات بابرکت سے حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہ کی یہ خونی نسبت بھی جاری وساری ہے۔

شیخ محمد حادث :

شیخ عبداللہ صاحب علیہ الرحمہ سے ایک دوسری شاخ جاری ہوئی آپ کے صاحبزادے شیخ محمد حادث صاحب ہوئے جو اس قدر تصوف میں رنگے ہوئے تھے کہ ہروقت حادث (فانی) ہونے کو زیرنظر رکھتے حتیٰ کہ یہی وجہ خطاب بھی ہوا۔ سن وفات دونوں کا لامعلوم ہے۔

شیخ محمد ثابت :

شیخ محمد حادث صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے شیخ محمد ثابت صاحب رحمۃ اللہ علیہما ہوئے۔ عبادات، مجاہدات، طریقت وتوکل میں اس قدر ثابت القدم تھے کہ ثابت آپ کا لقب پڑ گیا۔ موصوف کے فرزند ارجمند شیخ فخر الاسلام جن کو خدائے قدوس نے

پورا اسم با مسمیٰ فرمایا پیدا ہوئے۔

شاہ عبداللہ رومی :

شیخ فخرالاسلام صاحب کے صاحبزادے شاہ عبداللہ صاحب تھے جو دیارِ پاک سے روم آئے اور وہیں متوطن ہوئے اسی لئے آپ کو رومی کہا جاتا ہے شاہ کا خطاب آپ کے کمال باطنی پر عطائے الٰہی ہے۔ موصوف کے بیٹے شاہ احمد صاحب ہوئے کلاں کا خطاب اس لئے ہوا کہ آپ کے پوتے و پرپوتے کا بھی یہی نام تھا۔ خطاب طریقت آپ کا بھی شاہ ہے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ محمد جون صاحب ہوئے آپ سے شیخ فقیہ الدین ہوئے موصوف سے شیخ محمد صاحب فقیہ ہوئے اور ان کے صاحبزادے شیخ احمد صاحب فقیہ ہوئے ممدوح سے شیخ ابوبکر صاحب ہوئے افسوس کہ ہم کو ان حضرات کے حالات کا علم واضح نہیں۔ ہاں یہ حضرات کمالات علم ظاہر و باطن کا مخزن تھے سلطان وقت نے منصب امور دینی بھی سپرد کیا تھا اور کسی کو وزارت دی۔

مخدوم شیخ احمد صوفی :

شیخ ابوبکر صاحب کے فرزند ارجمند مخدوم شیخ احمد صوفیؒ ہیں۔ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں صوفی صاحب قبلہ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے امارت خاندانی ترک کرتے ہوئے درویشی اختیار کی۔ اور اپنے جداعلیٰ کی وہ سنت جو خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا مال ومتاع نذرانہ ایزدی میں دے کر صرف خدا اور رسول خدا پر اکتفا کی تھی یوں انجام دی کہ ایک روز صوفی صاحب کی ایک صاحب باطن درویش سے ملاقات ہوئی تو وہ نورانیت جو صرف ذرا سی تحریک کی مقتضی تھی دمک اٹھی صوفی صاحبؒ تمام اسباب واجناس نقد زر و جواہر راہِ خدا میں لٹا کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر تخت امارت ٹھکراتے اور سجادۂ فقر پر

متمکن ہوتے ہیں تو نواح روم میں صحرا نشین ہوئے اور وہیں وصال ہوا جناب صوفی مخدوم شیخ احمد علیہ الرحمہ کے سب سے پہلے فرزند شیخ سعید القریشی علیہ الرحمہ ہیں جو اوّل درجے کے صاحب باطن عالم بے بدل نیز علم قرأت میں کمال فوقیت رکھتے تھے روم سے بغداد شریف تشریف لائے اور اپنی فطری قابلیت سے سلطان وقت کے مصاحب خاص ہوئے چونکہ جبین حسین سے نیّر معرفت ضیا پاش تھا۔ سلطان بغداد نے ازراہِ خلوص وعقیدت آپ کو اپنا داماد بنا کر سعادت دارین حاصل کی آپ کا سلسلہ بغداد میں ختم ہوا۔

امام شہاب الدین مکی :

مخدوم شیخ احمد صوفی صاحبؒ کے دوسرے فرزند صالح جن سے ہمارا سلسلہ وابستہ ہے شیخ شہاب الدین محدث مکی ہیں جو بلند پایہ محدث وبے نظیر صاحب باطن تھے آپ ہونے صوفی صاحب علیہ الرحمہ سے تکمیل طریقت کی روم سے کعبہ تشریف لائے بیت اللہ شریف میں کئی برس درس حدیث شریف دیا اور اولا د واصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ علم نیز فیوض طریقت حاصل کئے آپ کے کمال تقویٰ وفضیلت سے متاثر ہو کر مصلی شافعی کی امامت سپرد گی گئی موصوف نے ستر سال کی عمر میں سنت نکاح ادا فرمائی آپ کی تین صاحبزادیاں اور ایک فرزند ارجمند شیخ فخر الدین ولی مادرزاد پیدا ہوئے۔ امام ممدوح نے دیار محترم میں وصال فرمایا مزار شریف جنت البقیع میں ہے۔

شاہ فخر الدین ولی :

ولی موصوف علیہ الرحمہ نے پندرہ برس کی عمر ہی میں علم دین حاصل فرمایا تھا اور اسی عمر میں حضرت شیخ حسن رومیؒ کے دست سراپا برکت پر ولی ممدوح نے بیعت کی اور مجاہدۂ نفسی وریاضات شاقہ فرمائیں موصوف جب اپنے پیر ومرشد سے از دیاد علم

باطن کی استدعا فرماتے تو شیخ حسن رومی علیہ الرحمہ فرماتے کہ جو بات ایک باکمال صاحب باطن میں ہونا چاہیئے وہ بھی بحمداللہ حاصل ہے زیادہ کی حرص کم ظرفی ہے ایک دن پیر ممدوح نے فرمایا کہ آج سے تم کو ہم نے شاہ کا بھی خطاب عطا کیا۔ ۹/ جمادی الثانی ۶۶۵ھ میں وصال شریف ہوا موصوف دیار پاک سے شام تشریف لے آئے تھے فرار شریف شام میں ہے۔

حضرت ادہم دانا :

شاہ فخرالدین ولی علیہ الرحمہ کے فرزند مبارک حضرت ادہم علیہ الرحمہ ہیں چونکہ موصوف دیگر علوم کے علاوہ علم تعبیر میں بھی یگانۂ روزگار تھے جس کو جیسی تعبیر دے دیتے بعینہٖ وہی صادق آتی نیز مستجاب الدعواتی کا یہ حال تھا کہ جس معاملے کی بابت جیسا ارشاد فرماتے بفضل خدا وہی ہوتا تھا اسی سے لوگ آپ کو دانا کہنے لگے۔ ۵/ ماہ رجب کو آپ کا وصال ہوا سن وفات لامعلوم۔ موصوف کے کئی صاحبزادے تھے لیکن سلسلۂ ولدیت آپ کے خلف اکبر حضرت شہاب الدین ثانی سے جاری ہوا۔

شہاب الدین ثانی قطب :

علیہ الرحمہ نے اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ملک شام سے روانہ ہو کر ملک عرب پہنچے اور ایک عرصہ تک کعبۂ معظّمہ کی جاروب کشی میں مصروف رہے۔ کئی بار حرم شریف کا روزانہ طواف کرنا ممدوح کا محبوب شغل تھا اتقاء و زہد اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ممدوح کا زاہد خطاب ہوا۔ موصوف کی دوسری شان امتیازی یہ تھی کہ آپ صفائی معاملات میں اس قدر مشہور تھے کہ لوگ حق گو شہید کے خطاب سے بھی یاد کرنے لگے سویمش آپ کو شرف شہادت بھی خلاق عالم نے عطا فرمایا۔

آمد ہندوستان :

مولانا بابا علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں حضرت زاہد شہید حق گو علیہ الرحمہ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندی حاجیوں کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اولاً کچھ عرصہ تک اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدّین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں یادِ الٰہی فرماتے رہے یہاں ایک درویش مسمّٰی شاہ عشق اللہ سے لطف صحبت رہا جب شہید حق گو علیہ الرحمہ کی ترقی باطن شاہ عشق اللہ صاحبؒ کے احاطۂ اختیار سے باہر ہوگئی تو حضرت زاہد شہید حق گو اسی حالت بیخودی میں بہار چل دیئے۔ بہار میں ملا شیخ نور اللہ صاحب بہاری کی دختر نیک اختر سے شہید موصوف کا عقد ہوا اور اس طرح بہار وطن ثانی ہوا۔ حضرت زاہد شہید کے ایک صاحبزادی اور چار صاحبزادے ہوئے بہار کے کفار سے معرکۂ جدال پیش آنے پر حضرت زاہد نے شہادت کا درجہ پایا۔ اس معرکہ میں شہید حق گو کے تیسرے صاحبزادے کے ایک تیر عین ناف پر لگا جس سے سلسلۂ نسل منقطع ہوگیا۔

شیخ داؤد متوطن پانی پت :

شیخ شہاب الدین ثانی زاہد حق گو شہید علیہ الرحمہ کے خلف اکبری حضرت شیخ داؤد صاحب صرف صاحب نسل ہیں بقیہ سے نسل نہیں حضرت زاہد حق گو کی صاحبزادی کا نکاح شیخ برہان الدین ملا کبیر سے ہوا۔ لیکن شیخ داؤد صاحب بہار سے بیس سال کی عمر میں دارالخلافہ دہلی بعہد سلطنت سلطان فیروز شاہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ یہاں قیام پذیر رہے۔ دہلی سے بھی شیخ داؤد علیہ الرحمہ بحالت بیخودی روانہ ہوکر پانی پت آئے پانی پت کی آب و ہوا کو موافق اور یہاں کے لوگوں کو صاحب خلق و مروت پاکر شیخ داؤد صاحب نے وطن بہار کی بجائے پانی پت کو وطن بنانا بہتر سمجھا شیخ داؤد صاحب کے آثار

ولایت وانوارمعرفت کے چونکہ لوگ خودہی پروانہ تھے بےتکلف پیغام عقد پیش ہونے لگے مگر شیخ صاحب نے چاند بی بی بنت شیخ زین الدین عثمانی کواپنے عقد میں قبول کیا اورمحلّہ سرائے کافوری میں ایک خانقاہ کی بناڈالی۔حضرت داؤدصاحب کے حسن اخلاق وشان ولایت سے متاثر ہوکرنورباف وترہ فروشوں نے اپنے محلوں سے منتقل ہوکر سرائے کافوری میں سکونت اختیارکی جس سے آبادی بھی کافی ہوگئی۔

شیخ مگن صاحب :

مسماۃ چاند بی بی سے کئی اولادیں ہوئیں لیکن مرضی ربی کہ سب صغرسنی میں فوت ہوگئیں۔انہیں ایام میں اتفاقاً ایک درویش صاحب باطن مسمّیٰ بہ شیخ مگن صاحب علیہ الرحمہ ہاتھوں میں عصالئے پیروں میں کھڑاؤں پہنے۔پچھّم جانب سے وارد ہوکرملاقی ہوئے اورشیخ داؤدصاحب سے فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہوتو کہو۔شیخ داؤدعلیہاالرحمہ نے فرمایا کہ بس خدا عاقبت بالخیرکرے شیخ مگن صاحب نے فرمایا کچھ اوربھی تو شیخ داؤد صاحب نے فرمایا کہ جی ہاں ایسے فرزندکی آرزو ہے کہ جس کی دعاؤں سے عاقبت بالخیرہواوردنیامیں نام بھی باقی رہے شیخ مگن علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ فرزنداورفرزندوں کے فرزندتم کودیئے گئے اوراس جملہ کوکئی بارتکرارکیا۔اس میں یہ ایثارواضح ہے کہ یہ فرزندایسے باکمال ہوں گے کہ دنیااوردین دونوں میں ان سے وان کے فرزندوں سے فیض عرفانی کے دریابہہ جائیں گے چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ اسی سال ایک فرزنددل پسند حمیدہ صفات پیداہواجس کانام شیخ داؤدصاحب نےشیخ مگن صاحب موصوف کے نام نامی پرشیخ مگن ہی رکھا۔

خانہ آبادی شیخ مگن :

مخدوم شیخ مگن بن شیخ داؤدرحمۃ اللہ علیہماابھی آٹھویں برس ہی میں تھے کہ سرسے سایۂ

پدری اُٹھ گیا چنانچہ شیخ داؤد علیہ الرحمہ ۹ رشعبان ۸۷۷ھ کو عالم باقی کو سدھارے اور مخدوم شیخ مگن نے اپنے نانا شیخ زین الدین عثمانی کے وہاں تربیت پائی اور موصوف نے اپنے نانا کے بھتیجے حافظ محمد نعیم بن شیخ برہان الدین کی دختر مسماہ صالحہ بی بی سے عقد نکاح کیا۔ موصوفہ کے بطن سے پہلی صاحبزادی خدیجہ عرف ماہ بی بی پیدا ہوئیں جو پانی پت ہی میں شیخ بایزید روحانی سے منسوب ہوئیں اس کے بعد بی بی صالحہ سے فرزندوں میں سب سے اوّل مخدوم شیخ نوراولیاء جو شیخ اولیاء صاحب علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور خلائق ہیں پیدا ہوئے شیخ اولیاء صاحب کی شادی شیخ بایزید روحانی کی ہمشیرہ مسماۃ حلیمہ بی بی سے ہوئی۔ حضرت شیخ اولیاء صاحب کے مشہور و معروف صاحبزادے شیخ فخرالدین صاحب علیہ الرحمہ ہیں جنہوں نے اپنے عم بزرگوار حضرت مخدوم مصباح العاشقین قدس سرہٗ کے زیر سایۂ عاطفت تربیت پائی۔ اور انہیں کے دست بابرکت پر بیعت بھی کی۔

سیدنا مخدوم مصباح العاشقین :

مخدوم شیخ مگن صاحب کے چھوٹے صاحبزادے حضرت بہاء العارفین مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ ہیں۔ مخدوم صاحب ۱۹ رمحرم الحرام ۸۱۰ھ بمقام پانی پت پیدا ہوئے جس وقت مخدوم صاحبؒ سات ماہ کے بی بی صالحہ کے شکم میں تھے تو ملا محمد سعید صاحب علیہ الرحمہ جو اس عہد کے صاحب باطن بزرگ تھے نے خواب دیکھا کہ شیخ مگن علیہ الرحمہ کے گھر میں ایک بہت بڑے خرما کا درخت ہے جو خوب پھولا پھلا ہے اور زمین پر خرمے بکھرے پڑے ہیں لوگ چن چن کر کھا رہے ہیں۔'' تو صبح یہ تعبیر بیان فرمائی کہ شیخ مگن صاحب کے وہاں ایسا فرزند صالح پیدا ہونے والا ہے جس سے بیحد مخلوق فیضیاب ہوگی چنانچہ شیخ مگن صاحب مخدوم صاحب کو پیدا ہوتے ہی حضرت ملا محمد سعید صاحب کی خدمت میں لے گئے ملا صاحب نے بکمال

شفقت داہنے کان میں تین بار اذان اور بائیں کان میں تین بار اقامت کہہ کر بہت کچھ دعائیں بھی دیں۔ مخدوم صاحبؒ کی اوّل مکتب نشینی (رسم بسم اللہ) بھی ملا محمد سعید صاحبؒ نے انجام دی پھر کتب صرف ونحو مکمل اور بعض کتب فقہ بھی مخدوم صاحب کو ملا صاحب نے ختم کرائیں۔

عقد اوّل مخدوم صاحب :

چونکہ والدین کو مخدوم صاحب بے حد پیارے تھے اس لئے ابتدائے شباب ہی میں والدین نے حافظ محمد نعیم بن شیخ برہان الدین کی نواسی سے مخدوم صاحب کا عقد کر دیا۔ لیکن ابھی مخدوم صاحب پر شوق علم کا غلبہ بدرجہ اتم تھا اس لئے یہ بات پسند خاطر نہ آئی لیکن حکم والدین سے انحراف بھی نہ کر سکے مگر کچھ روز بعد ہی بہ سمت لاہور وملتان روانہ ہوگئے۔ ملتان پہنچ کر شیخ الشیوخ شیخ الاسلام حضرت بہار الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے اور مولانا مولوی محمد حسین صاحب علیہ الرحمہ سے جو اس وقت کے متبحر عالموں میں سے تھے تمامی تکمیل فقہ وحدیث وغیرہ کر کے کعبۂ شریف جا پہنچے مخدوم صاحب نے اوّلاً مناسک حج ادا فرمائے بعدہٗ زیارت اولاد نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وصحابۂ وقت سے شرف ملاقات حاصل کیا اور یہیں کچھ عرصہ قیام کر کے اجازت وسند حدیث شریف لے کر بارادۂ زیارت مدینۂ منورہ روانہ ہوئے۔

لطفیہ :

اسی وجہ سے حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحماں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اکثر ارشاد فرماتے کہ ''ہمارے بزرگوں نے تو مکہ شریف میں حدیث شریف پڑھی اور پڑھائی بھی اور وہیں سے سند بھی لائے۔'' چنانچہ مخدوم صاحب نے ایک سال سات ماہ مزار سراپا انوار رسول الثقلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جاروب کشی کی

اور جو اولا د امجاد سید الانبیاء صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام وہاں تھے ان کی زیارت وشرف صحبت سے مشرف ہوتے رہے۔ بعدازاں اپنے وطن پانی پت واپس ہوئے تو اس عرصہ میں مخدوم صاحب کی حرم اوّل فوت ہو چکی تھیں۔

مخدوم صاحب کا عقد ثانی :

حرم اوّل سے کوئی اولاد بھی نہ تھی ادھر ملک شیخ عبدالصمد جو صدیقی النسب تھے اور پانی پت کی زمام حکومت ان کو سپرد تھی نے جب مخدوم صاحب کی مراجعت مع الخیر کی خبر سنی تو بڑا ہی پر تپاک خیر مقدم بجالا کر لوازم مہمان نوازی سے بکمال عقیدت پیش آئے مخدوم صاحب کو ابھی وطن آئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ موصوف نے سفر پورب کا ارادہ کر دیا۔ خدامانِ ادب نے یہ سن کر فوراً آپ کے پدر بزرگوار سے اطلاع کی۔ اس خبر سے مخدوم صاحب کے والد بڑے بھلائی شیخ اولیاء صاحب کو کمال اضطراب ہوا اور آپ کی والدہ صاحبہ سے جب صبر نہ ہو سکا تو انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور بلا میری رضا چلے گئے تو دودھ نہ بخشوں گی۔ لاچار مخدوم صاحب نے فسخ عزیمت کر دیا۔ اعزا اقارب ونیز والدین عقد ثانی کے خیال میں تھے ہی کہ اس درمیان میں ملک عبدالصمد نے اپنی دختر مسماۃ جالدھی بی بی کا پیغام بہ طیب خاطر پیش کیا تو مخدوم صاحب نے اسے قبول کیا بعداز نکاح چندے رہ کر جب پھر طلب راہ حقیقت نے گدگدایا تو مخدوم صاحب نے پدر بزرگوار سے اجازت لے کر پورب کا سفر کیا مخدوم صاحب کا سن شریف اس وقت پینتالیس سے متجاوز نہ تھا چنانچہ موصوف اولاً دہلی تشریف لائے چند ماہ یہاں گذرے تھے کہ بعض اہل وطن سے مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ کی ۱۹/ ذی الحجہ ۸۵۶ھ کو پیدائش کی خبر سن کر سجدۂ شکر ربی ادا کیا۔

خرق عادت :

گو ایسے واقعات کو اگر مختصراً ہی لکھا جائے تو یہ خود ایک مستقل کتاب بن جائے مگر ضمناً بعض تذکرے چھوڑے بھی نہیں جاسکتے چنانچہ مخدوم صاحب نے دہلی سے کوچ فرمایا تو ایک روز اتفاقاً اثنائے سفر میں گرمی کی شدت وحرارت لو سے انتہائی غلبۂ پیاس نے موصوف ورفقاء ہم سفر کو بے تاب کردیا۔ بہ تلاش بسیار ایک خام کنواں ملا۔ جنگلی جانور وکبوتر وفاختہ وغیرہ بھی کنوئیں کے گردساقی رنگیں ادا سے فیضیاب ہونے جمع ہوگئے اولاً تو مخدوم صاحب نے بعض احباب کو رسّی اورڈول تلاش کرنے بھیجا بعدازاں ایک ہم سفر طالب علم سے کاسۂ چوبی ہاتھ میں لے کر وہ دست مبارک مثل رسّی کنوئیں میں لٹکایا لطف ربی سے جب ہاتھ باہر نکالتے تو وہ چوبی پیالہ خوش ذائقہ آب سرد سے بھرا نکلتا چنانچہ مخدوم صاحب نے اولاً جانوروں کو پھر ہم سفر احباب کو پلایا پھر خود نوش فرمایا۔ سبحان اللہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مخدوم شاہ میاں صاحب لکھنوی سے ملاقات:

یہاں سے منزل بہ منزل مخدوم صاحب لکھنؤ پہنچے اور مولانا اعظم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی یاد رہے کہ یہ وہی مولانا اعظم ثانی ؒ ہیں جو حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب اور شیخ سعدالدین بن قاضی بڈھن انامی رحمۃ اللہ علیہم کے استاد تھے ممدوح کا مزار شریف متصل درگاہ شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ ہے۔ یہاں اگران واقعات کا ذکر کریں جو مخدوم صاحب وحضرت شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان رہے تو خوف طوالت ہے صرف اس لطیفہ سے اندازہ کر لیجئے کہ ایک روز مخدوم صاحب

وحضرت شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہما باہم تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے مخدوم صاحب کے متعلق سوال کیا کہ ایشاں کدام آند۔ تو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ من ہستم۔ وہ شخص کچھ نہ سمجھا بلکہ اور متعجب ہوا تو حضرت شاہ مینا صاحب نے متبسم ہو کر فرمایا کہ ایشاں فی الحقیقت منم والی التسمیہ منم وفی القصر منم۔" تو وہ شخص اپنی کم فہمی پر بہت منفعل ہوا۔ کیا الفت باہمی ہے سبحان اللہ۔

مخدوم صاحب کے مرشد اوّل :

کچھ عرصہ بعد حضرت مخدوم صاحب مولانا اعظم ثانی علیہ الرحمہ سے مرخص ہو کر قصبہ راوٹی واقع اودھ جواب دریا آباد ہے حضرت شیخ احمد راوٹی کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ صاحب نے اوّل تو استخارہ کیا بعدہٗ طریقہ چشتیہ میں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو مرید کیا۔ مخدوم صاحب نے یہیں چلہ کشی وریاضت شاقہ فرمائیں۔ چنانچہ شیخ صاحب نے تکمیل مدارج دیکھ کر خود استخارہ کیا اور مخدوم صاحب کو بھی ہدایت استخارہ کی تاکہ یہ واضح ہو کہ کس بزرگ کے ذریعہ منعم حقیقی نے یہ اتمام نعمت ولایت آپ کے حق میں لکھا ہے تین روز برابر ہر دو حضرات نے استخارہ کیا تو معلوم ہوا کہ خرقۂ خلافت وغیرہ کا حصول حضرت مخدوم شیخ جلال صاحب گجراتی جن کو شاہ تاج بخش کا خطاب منجانب اللہ ہے کے ہاتھوں مقدر ہے۔ کچھ ہی روز میں شیخ صاحب نے سامان سواری ونقد برائے راہ خرچ مہیا کر کے بعض خدام کو ہم رکاب کرتے ہوئے خود بھی ایک خط بدیں مضمون تحریر فرمایا۔ کہ فرزندے شیخ محمد را بہ حسب اشارت پیران طریقت بخدمت شریف ایشاں رخصت نمودم وآں چناں نیز برائے، ذکائے ایشاں ہویدا گردیدہ باشد توقع کہ درحق فرزندمن توجہ فرمایند کہ باعث کشایش کاروے بودہ باشد وبہ نعمت خرقۂ خلافت وتبدیل لباس اوراسرفراز فرمایند کہ طریقہ بزرگان سلف مسلوک برآن ست وَالْخَيْرُ لَدَيْكَ وَالْاَمْرُ بِيَدَيْكَ ۔ انتہیٰ

آمد بہار مخدوم صاحب :

مخدوم صاحب قبلہ شیخ احمد راوتی رحمۃ اللہ علیہما سے رخصت ہو کر تھوڑے دنوں میں بہار پہنچے اور اپنے اس وطن اوّل میں موجودہ رشتہ داروں سے مل کر مسرور ہوئے شیخ محمد امین نبیرۂ دختر شیخ شہاب الدین زاہد شہید حق گو کے مکان پر ٹھہرے شیخ محمد بن امین صاحب نے چاہا کہ اپنی دختر کا نکاح مخدوم صاحبؒ سے کریں لیکن مخدوم صاحب نے تمنائے خدا طلبی وشوق ملاقات حضرت شیخ جلال گجراتی علیہ الرحمہ کے سبب یہ عذر کیا کہ فی الحال تو معذوری ہے ہاں بدواپسی تعمیل میں عذر نہ ہوگا۔ غرضیکہ مخدوم صاحب قبلہ علہ الرحمہ اپنے اعزا سے رخصت ہو کر بہار سے بنگال چلے اور کئی منزل بعد پنڈوہ پہنچے۔

مخدوم صاحب کے مرشد حقیقی :

اس زمانہ میں بقیۃ السلف حضرت جلال صاحب شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ پنڈوہ میں مقیم تھے جس وقت حضرت مخدوم صاحب پہنچے تو شاہ صاحب قیلولہ فرمارہے تھے اس لئے مخدوم صاحب گوشۂ خانقاہ میں مقیم ہوگئے۔ معاً شاہ صاحب نے ایک ہاتف غیبی سے عالم خواب میں سنا کہ ایسا طالب صادق آچکا ہے کہ جس سے تمہارا یہ سلسلہ جاری ومنبع فیض ساری ہوگا۔ چنانچہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ فوراً اُٹھے اور خادم سے دریافت حال کیا کہ تو اس نے عرض کیا کہ ایک شخص درویش صفت بظاہر آراستہ شیخ محمد نامی مع چند رفقاء پچھّم جانب سے آئے ہوئے گوشۂ خانقاہ میں مقیم ہیں تو شاہ صاحب نے خادم کو ہر طرح آرام پہنچانے اور مدام خبرگیری کی تاکید کی اور خود بعد نماز ظہر مخدوم صاحب کو شرف صحبت بخشا۔ مخدوم صاحب نے شیخ احمد راوتی کا مکتوب پیش کیا تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ بیٹا اس کی ضرورت ہی کیا تھی اور دوسرے وقت شاہ صاحب قبلہ نے مخدوم صاحب کو حجرہ میں میں طلب فرما کر اپنے معمولات وغیرہ تلقین

فرمائے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں مخدوم صاحب کے بقیہ مدارج بھی طے ہو گئے۔

خلافت مخدوم صاحب :

چنانچہ ایک سال کے اندر ہی یہ ہونے لگا کہ جو لوگ تعلیم طریقہ کیلئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ان کو شاہ صاحب قبلہ مخدوم صاحب کے حوالے فرماتے اور خرقۂ خلافت بھی مخدوم صاحب کے ہاتھوں پہنواتے۔ چنانچہ شیخ فتح اللہ، شیخ محمد امین، سید یار علی، میاں خاں، شیخ لعل محمد، شیخ نور الدین، میرزین العابدین، سید برہان الدن وسید جعفر علی وغیرہ جملہ اسّی اشخاص نے مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے دست بابرکت سے حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں راہِ سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت پایا تیسرے سال حضرت شاہ صاحب نے اپنا عمامہ مبارک اور جُبّہ مخدوم صاحب کو اپنے دست مبارک سے پہنا کر جو لوازم خلافت مشائخ چشتیہ تھے سب مرحمت فرمائے مخدوم صاحب نے اپنے مرشد کی نعلین اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر اپنے سینے پر رکھے اور ہمیشہ سفر وحضر میں کبھی جدا نہ کرتے بلکہ اپنے سرہانے رکھا کرتے۔

مخدوم صاحب کا عقد سویم :

اس اثنا میں حضرت شیخ جلال شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ کی یہ رائے ہوئی کہ مخدوم صاحبؒ یہاں بھی سنت نکاح ادا فرمائیں تا کہ میرے پاس بود وباش رہے تو مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ میں نے بہار کے قیام میں شیخ محمد امین سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں سے واپسی پر موصوف کی دختر سے نکاح کروں گا۔ شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ نے یہ سن کر مسرت ظاہر کی اور ایک خط بنام محمد امین صاحب لکھ کر مع چند رفقاء روانہ بہار کیا تو شیخ محمد امین نے جواباً تحریر کیا کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین کی نسبت تجویز عالی نہایت انسب ہے عاجز کی قدیم سے یہی رائے تھی مگر سات ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ

دختر فقیر فوت ہوچکی ہے لیکن میں نے اپنے بھائی محمد منعم کی دختر کو مخدوم صاحب کیلئے تجویز کر دیا ہے القصہ حضرت شاہ جلال صاحب نے اس لڑکی کو جواب بغیر ماں باپ کے تھی اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ مصباح العاشقین میرا لڑکا اور یہ میری لڑکی ہے لہٰذا دونوں طرف سے سامان شادی ہم ہی کریں گے۔ مخدوم صاحب کے اس عقد کی خبر بذریعہ مکتوبات پانی پت پہنچی۔

وجہ تسمیہ مصباح العاشقین :

ایک روز شیخ جلال تاج بخش علیہ الرحمہ کی مجلس میں ایک قوال نے لے۔

آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت خانہا خراب کردہ

گایا تو مخدوم صاحب پر بیخودی طاری ہوئی حتیٰ کہ سب کپڑے قوال کو دے دیئے چنانچہ حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس شعر نے ہمارے بیٹے پر بہت کافی اثر کیا تو ایک شاگرد نے سارا بقیہ عشق مجازی شہر بنارس عرض کیا تو حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے مسرور ہو کر فرمایا کہ اسی وجہ سے تو لسان الغیب سے ان کو مصباح العاشقین کا خطاب مرحمت ہوا ہے نیز یہ دستور اسلاف بھی رہا ہے چنانچہ سید یداللہ صاحب نبیرہ وخلیفہ سید محمد گیسودراز علیہما الرحمہ بھی اسی طرح اوّل عشق مجازی میں پھنسے تھے۔

ولادت مخدوم زادہ بندگی میاں :

چنانچہ شیخ محمد منعم صاحب بہاری علیہ الرحمہ کی دختر صاحبہ سے فرزند کمال حافظ شاہ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب بروز دوشنبہ بتاریخ ۷؍رمضان مبارک ۸۶۵ھ پیدا ہوئے بمقتضائے الٰہی مخدوم صاحب کے والد ماجد شیخ مگن صاحب بعمر نوے سال بیس ذی قعدہ ۸۶۹ھ کو نیز اسی سال ۱۶؍ذی قعدہ کو مخدوم صاحب کے بڑے بھائی شیخ

اولیاء صاحب رحمۃ اللہ علیہم دارِ فانی سے دار باقی کو ایک ہی ماہ میں سدھارے تو ان متواتر حادثات سے اہل بیت مخدوم صاحب متوطنہ پانی پت میں ایک تہلکہ مچ گیا اور یہ نوبت ہوگئی کہ روزمرّہ کی ضروریات کا بھی کوئی منتظم نہیں رہا۔ تو حسب صلاح ملک عبدالصمد قریشی شیخ فخرالدین بن شیخ نوراولیاء صاحب و صاحبزادہ شیخ عبدالرزاق صاحب مع اپنی والدہ صاحبہ کے مخدوم صاحب سے پنڈوہ آ ملے۔ اس قافلے کو پانی پت سے چل کر ہنوز عبور دریائے گنگا کی نوبت نہ آئی تھی کہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو بھی اخبار روانگی و پریشانی مسموع ہوئیں کچھ ہی دنوں میں یہ سب لوگ مخدوم صاحب سے آ ملے اس لئے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں چند سال اور قیام پذیر رہے۔ بات آگے صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ جلال صاحب علیہ الرحمہ کی منشا خود یہی تھی کہ حضرت مخدوم صاحب میرے وصال کے بعد جائیں قدرت نے ہمنوائی کی اور شیخ نے سب کو یہیں کھینچ بلایا۔

شہادت تاج بخش صاحب :

مقام پنڈوہ ہی میں صاحبزادے عبدالملک و صاحبزادے عبدالحلیم و دختر حافظہ بی بی رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئیں بعدازاں حضرت مخدوم صاحب نے اجازت رخصت چاہی تو حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بیٹا ابھی کچھ اور قیام کرو ارادہ تو یہ تھا کہ تم کو کبھی جدا نہ ہونے دیتے لیکن ایک ایسا واقعہ ہونے والا ہے کہ میں خود ہی جدا ہو جاؤں گا۔ حضرت مخدوم صاحب یہ سن کر از حد مغموم ہوئے کیونکہ سمجھ گئے تھے کہ پیر و مرشد علیہ الرحمہ کی شہادت قریب ہے چنانچہ آٹھ روز بھی نہ گذرے تھے کہ جے سنگھ گورکھا جو اس طرف کا راجہ تھا فوت ہوا تو اس کے دونوں لڑکوں میں سخت خانہ جنگی حصول مملکت کیلئے ہوئی لوگوں نے بکوشش سمجھا کر اس پر آمادہ کیا کہ دونوں بھائی حضرت شیخ جلال صاحب

کی خدمت میں حاضر ہوں چونکہ موصوف تاج بخش ہیں جس کو اس منصب کے قابل پائیں گے اس کے سر پر خود تاج رکھ دیں گے المختصر حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے چھوٹے بھائی کے سر پر تاج حکومت بہ سبب حلم ولیاقت وغیرہ رکھا تو بڑے بھائی نے اس جلن پر سامان جنگ مہیا کر کے چھوٹے بھائی اور حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ پر دھاوا بول دیا شاہ صاحب ممدوح نے مخدوم صاحب سے فرمایا کہ بیٹا میری شہادت قریب ہے اب میرا طریقہ تم سے جاری ہوگا اور بفضل خدا خلقت کثیر تم سے فیضیاب ہوگی تم ہماری جائے قیام پر محافظت کیلئے ٹھہرو اور جو شہداء ہوں ان کی تجہیز و تکفین اپنے ہاتھ سے کرو۔ اگر چہ مخدوم صاحب نے اس پر کافی اصرار کیا کہ شاہ صاحب کے ساتھ شریک جنگ رہیں مگر شاہ صاحب نے قیام ومحافظت پر مجبور کیا پھر شاہ صاحب چھوٹے بھائی کی محافظت ومدد پر روانہ ہوئے کافی جنگ وخونریزی کے بعد بڑے بھائی کا لشکر شکست پا کر بھاگا اور شاہ صاحب نے پھر چھوٹے بھائی کو تخت نشین کیا اور گھر واپس آنے لگے اثنائے راہ میں ان بدمعاشوں نے جو بڑے بھائی کی طرف تھے اور پہلے سے اسی ارادہ سے چھپ کر بیٹھ رہے تھے شاہ صاحب پر حملہ کر دیا جب اشقیاء نے شاہ صاحب کا سرتن سے جدا کیا تو کاسۂ سر سے صدائے اَللّٰہُ. اَللّٰہُ. دور کے عوام وخواص تک کو مسموع ہوئی۔ مخدوم صاحب نے بموجب وصیت مرشد تمامی امور ادا کئے۔ ایک روز شاہ صاحب نے مخدوم صاحب کو خواب میں بتایا کہ آپ کی اقلیم ولایت بہ سمت مغرب ہے تو مخدوم صاحب مع متعلقین وصاحبزدگان شیخ عبدالرزاق وحافظ شاہ عبدالرحیم وشیخ عبدالملک وشیخ عبدالحلیم وبرادرزادہ شیخ فخرالدین ولی رحمۃ اللہ علیہم شہر بہار روانہ ہوئے۔

تعمیر خانقاہ بہار :

جب ورود مسعود کی خبر مسموع ہوئی تو شیخ محمد امین صاحب علیہ الرحمہ مع متعلقین

استقبال کو آئے۔حاکم شہر بہار میر کمال الدین خاص نائب بادشاہ بنگ نے مخدوم صاحب سے بیعت کی اور ایک وسیع رقبہ ۵۵ بیگھہ رتن پوروہ نامی برائے خرچ خدامانِ پیش کیا نیز ایک کشادہ خانقاہ بھی بنوائی ابھی بہار میں تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے عالم واقعہ میں مشاہدہ کیا کہ حضرت شاہ جلال صاحب شہید علیہ الرحمہ غصہ ہو کر فرمارہے ہیں کہ میں نے کیا کہا اور میرے بیٹے شیخ محمد نے کیا کیا بہت سے لوگ بسمت مغرب بلدۂ قنوج کے اطراف میں ایسے ہیں جن کی فیض رسانی حق سبحانہ نے آپ ہی کے صلب کے ایک ایسے فرزند صالح پر مقدر فرمائی ہے کہ جس کے فیض عالمگیر سے عالم فیضیاب ہوگا اور وہ کتاب وسنت کی مکمل تصویر ہوگا۔'' (اس فرزندگ صالح سے مراد سندالاولیاءغوث زماں حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ ہیں۔) جلد از جلد وہاں پہنچو۔

☆☆☆

چوتھا باب

قیام ملانواں :

چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اسی وقت بھری برسات میں عازم سفر ہوئے چند ہی روز میں جون پور پہنچے وہاں سے بسمت ماموررروانہ ہوکر قصبہ راوٹی آ گئے تو اس وقت شیخ احمد صاحب راوٹی علیہ الرحمہ کا وصال ہو چکا تھا۔ بعد فاتحہ خوانی یہاں سے روانہ ہو کر لکھنؤ آئے تو یہاں حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ کا بھی وصال ہو چکا تھا۔ یاد رہے کہ مخدوم مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ کا نام نامی جس طرح شیخ محمد تھا اسی طرح مخدوم شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ کا اسم گرامی بھی شیخ محمد تھا۔ اس وقت شیخ قطب الدین برادرزادۂ حضرت شاہ مینا صاحب وہاں صاحب سجادہ تھے اور حضرت شاہ مینا صاحب کے بڑے خلیفہ حضرت شیخ سعد الدین بن قاضی بڈہن انامی بھی وہیں تھے ہر دو صاحبان نے تین روز ٹھہرا کر لوازم مہمان نوازی بہ طیب خاطر ادا کئے اور فیض صحبت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ سے فیضیاب ہوئے مخدوم صاحب پھر ان صاحبان سے رخصت ہو کر حضرت مولانا اعظم ثانی صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر ہوتے ہوئے ملانواں واقع ضلع ہردوئی پہنچے۔

کیفیت ملانواں :

جس وقت نورخاں وسلیم خاں پسران بہادرخاں وشیرخاں ودولت خاں پسران معروف خاں خرملی جورؤسائے عہد اور امرائے قنوج سے تھے کہ ورود مسعود کی خبر ملی تو یہ

لوگ کئی میل آگے استقبال کو آ کر ملے اور حضرت مخدوم صاحب کو ملاوان کے قلعۂ خام میں لا کر ٹھہرایا اس وقت ملاواں کی آبادی مختصر تھی۔ کچھ زراعت پیشہ، کچھ کائیستھ، و برہمن کچھ مسلمان کچھ شیشہ کے کام کرنے والے لوگوں کے سوا باقی قصبہ خارستان تھا۔ چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ جگہ حضرت مرشد جلال الملت والدّین شاہ تاج بخش گجراتی علیہ الرحمہ کے مسکن واقع پنڈوہ سے بالکل مشابہ ہے اور وہاں کے لوگوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی سخت گو پر از نفاق وحاسد ہیں نیز حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی مقام اجودھن میں درشت گو غیر معتقدین کی آبادی میں قیام کیا تھا پس مجھے بھی اپنے اسلاف کی اتباع چاہیئے۔

زوجۂ ثانیہ کا وصال :

چنانچہ ملاواں میں متوطن ہوئے لیکن کچھ روز بعد حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے سوچا کہ عمّال وحکام وقت بھی بہ سبب نظم ونسق آ کر اسی قلعہ میں ٹھہرا کرتے ہیں فقراء کو امراء کی جائے قیام سے واسطہ ہی کیا حکم دیا کہ سب سامان نکال کر آبادی کے کنارے لے چلیں پسران بہادر خاں وشیر خاں نے گو ہر چند اصرار بھی کیا مگر مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے قبول نہ فرمایا۔ اتفاقاً ایک خادم نے عرض کیا کہ مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب کی والدہ صاحبہ کی حالت نزع ہے اور عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ رو رو کر یٰسین شریف پڑھ رہے ہیں تو حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے مخدوم زادہ حافظ عبدالرحیم بندگی میاں وشیخ عبدالملک سے فرمایا کہ وہ بھی جا کر اخلاص ویٰسین وسورۂ ملک پڑھیں تلقین کلمۂ طیبہ کریں تھوڑی دیر بعد بروز سہ شنبہ بعد زوال بتاریخ ۹ رشوال ۷۸۸ھ مخدوم صاحب کی حرم ثانی کا وصال ہو گیا اسی قلعہ خام میں مرحومہ کا مزار ہے۔

تبدیل مکان :

اس کے تیسرے روز مخدوم صاحب علیہ الرحمہ بہ نفس نفیس باپیادہ بیروں آبادی تشریف لے گئے اور اس مکان میں جو آج تک فیض بخش قلوب طالبان ہے قیام پذیر ہوئے اب اس جگہ کو درگاہ محلّہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور کاغذات سرکاری میں وہ مقام محی الدین پور مکتوب ہے۔ ملاواں کی وجہ تسمیہ بھی یہ ہے کہ یہاں کے حاکم وقت نے محی الدین پور جو مخدوم صاحب کی نذر کیا تھا اسی سے ملحق بندی پور نصرت نگر فرحت نگر نیز بھگونت نگر وغیرہ اس طرح ہیں کہ ان کی آبادیاں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں اس لئے اس حلقہ کو مِلاواں کہا جانے لگا جو کثرت استعمال سے مَلاواں ہوگیا۔ مکان مسکونۂ اوّل پر (قلعۂ خام) اور اسی کے پاس سرائے تو اب مسمار ہیں مگر آثار موجود ہیں اور ایک مسجد باقی ہے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور مسجد ہے جہاں جدمکرم غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ یادِ الٰہی فرمایا کرتے اور اپنے دورانِ قیام میں آپ نے اپنی ایک مسواک وہاں گاڑی تھی جو ایک درخت ہوگئی اور ہنوز موجود ہے۔

ملاواں میں قیام جمعہ :

مخدوم صاحب جب متوطن ملاواں ہوئے تو یہ زمانہ سلطان بہلول شاہ لودی کے عہد سلطنت کا تھا پس مخدوم صاحب نے مسجد خام وحجرہ برائے عبادت ومکان قیام کے لئے تعمیر کرایا اور متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ معتقدین جو طعام وہدایا پیش کرتے مخدوم صاحب تین یوم کے بعد قبول پھر نہ کرتے اس وقت تک ملاواں میں لوگ نماز جمعہ کے نام سے بھی آشنا نہ تھے چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے سلطان وقت سے اجازت لے کر سب سے پہلے ملاواں کے موجودہ مسلمانوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا۔

مخدوم شاہ صفی صاحب صفی پوری و مخدوم شیخ سعد خیر آبادی کی ملاقات

جب حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اپنے آخری سفر دہلی سے واپس ہو کر قنوج پھر تشریف لائے تو معتقدین نے باصرار قیام پر مجبور کیا۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ یہ ہمارا آخری سفر ہے سوائے سفرِ آخرت اب سفر نہ ہوگا آپ کے ہم عصر مخدوم شیخ اخی جمشید راجگیری علیہ الرحمہ کا وصال ان ایام میں ہوا تھا چنانچہ آپ موصوف کے مزار شریف پر برائے فاتحہ تشریف لائے اتفاق وقت کہ مخدوم شیخ سعد خیر آبادیؒ بن شیخ بڈھنؒ صاحب اور مخدوم عبدالصمد عرف شاہ صفی صاحبؒ (جن کا مزار شریف قصبۂ صفی پور میں ہے جو کہ گنج مراد آباد کی تحصیل اور پندرہ میل کی مسافت پر ہے۔) خلیفۂ اعظم شیخ سعد صاحبؒ خیر آبادی بھی قنوج آئے ہوئے تھے ہر دو صاحبان حضرت سیدنا مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ کی خبر آمد سن کر ملاقات کو چلے شیخ سعد صاحب علیہ الرحمہ نے چاہا کہ میں شیخ صفی صاحب علیہ الرحمہ سے پہلے ہی ملاقات کروں مگر مخدوم صفی صاحب نے اولاً پیش قدمی کی اور شیخ سعد صاحب ان کے بعد پہنچے حضرت شیخ سعد صاحب نے مخدوم مصباح العاشقین چشتی رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھتے ہی ایک کیف و سرور میں بزبان ہندی کہا دیکھا محمد ثانی۔'' یہ کنایہ اپنے پیر مخدوم شاہ مینا صاحبؒ سے تھا جن کا اصلی نام شیخ محمد تھا۔ اسی ضمن میں مخدوم مصباح العاشقین صاحب نے ان ہر دو ممدوحین کے لئے اپنے صاحبزادوں سے ستو طلب فرمایا شیخ عبداللہ و شیخ عبدالہادی صاحبزادگان جو ابھی نابالغ تھے سہواً بجائے ستو کے آٹا گھول لائے پہلے تو مخدوم شیخ صفی صاحب نے ایک انگلی سے اسے چکھا پھر کہا کہ بزرگوں کی تو ہر ایک چیز تبرک ہے اور نوش کر لیا لیکن سیدی مصباح العاشقین صاحب پر حقیقت اصلی منکشف چونکہ ہو چکی تھی آپ کو فوراً جلال آ گیا یہ دیکھتے ہی مخدوم شیخ سعد صاحب نے اس جلال کو فرد کرنے

کے لئے بزبان ہندی دعا دی کہ پھلواری خوب پھلے لیکن مخدوم صاحب قبلہؒ نے جو کہ اس حرکت پر سخت رنجیدہ تھے پھر بھی یہی فرمایا کہ تسار ماری گئی۔'' یعنی پھلواری کو پالا مار گیا مقصد یہ کہ ان سے نسل نہ ہوگی تو ہر دو حضرات ممدوحین نے بہت کچھ تالیف قلب کی مگر رنگ جمالی آشکار نہ ہوا تو مجبوراً پھر یوں کہا کہ اب تو یہ جلال جمال سے لازمی بدلنا ہوگا کیونکہ انہیں سے وہ آفتاب ولایت پیدا ہونے والا ہے (یعنی امام راہ عرفان غوث زماں حضرت مولاشاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ) جس سے چار سو شہرہ وفیض ہوگا۔ معاً یہ معلوم ہوا کہ کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی اس واقعہ کے بعد مخدوم شیخ سعد صاحبؒ تیسرے دن مرخص ہوئے اور آپ کے خلیفہ مخدوم صفی صاحب صفی پوریؒ کچھ زائد دن بعضے لطائف باطن سے فیضیاب ہوکر یہ سمت خیر آباد روانہ ہوئے۔

سکندر شاہ لودی کی والہانہ عقیدت و اضافہ آبادی ملاواں

فتح خاں صاحب سپہ سالار لشکر کو سلطان سکندر شاہ لودی نے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں ملاواں مع تحائف و ہدایا خاص طور سے بھیج کر یہ درخواست کی کہ حضرت والا دہلی تشریف لاکر غریب خانہ کو رونق بخشیں اور دہلی کے بزرگانِ دین کی بھی زیارت کریں۔ چنانچہ فتح خاں صاحب اسی کوشش میں سات روز ملاواں مقیم بھی رہے لیکن مخدوم صاحب نے دہلی تشریف لے جانا اس وقت قبول نہ فرمایا۔ لاچار فتح خاں واپس دہلی گئے تو سلطان سکندر شاہ لودی نے دوبارہ عرضی ارسال خدمت کی کہ اگر اس وقت حضورِ عالی قدم رنجہ نہیں فرماسکتے تو اپنے صاحبزادگان والاشان ہی میں سے کسی کو یہاں آنے کی اجازت دے کر مفتخر فرمائیں۔ پس فتح خاں نے دوبارہ فائز خدمت ہو کر اس امر کی کوشش کی چونکہ سلطان سکندر شاہ لودی اہل کمال کا بڑا ہی احترام کرتے تھے اس لحاظ سے مخدوم صاحب نے فرمایا کہ اگر برادر فخر الدین اولیاء یا فرزند شیخ عبدالرزاق

جانا چاہیں تو ہمراہ لے جاؤ۔ مگر یہ ہر دو حضرات چونکہ منشائے مزاج وہاج سمجھتے تھے کہ اس میں رضا سے باطنی نہیں ہے اس لئے انہوں نے بھی انکار روانگی کردیا۔ تو مخدوم صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تمہارے اور سکندر شاہ کا مقصد دلی قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے عرس میں حاصل ہوگا۔ ہاں اگر تم کو فقیر کی رضا مندی اتنی ہی مطلوب ہے تو اس غیر آباد مقام ملاواں کی اضافہ آبادی کرو اور آباد ہونے والوں کی معاشی امداد بھی تو فتح خاں صاحب نے عرض کیا کہ اس امر میں حضور عالی خود ہی مختار ہیں جس شخص کی امداد معاشی یا منصبی جیسی چاہیں مقرر فرما سکتے ہیں چنانچہ بلگرام، قنوج، بلہور وغیرہ میں یہ مشتہر شاہی طور سے کردیا گیا کہ یو ہر کہ دریں قصبۂ ملاواں آباد شود بموجب تجویز حضرت مخدومی وجہ معاش اواز دفتر شاہی مقرر باشد'' نیز اس کی کئی نقلیں مختلف اطراف میں بادشاہ مذکور کی جانب سے سرکاری طور پر روانہ کردی گئیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی وقفہ میں اہل اسلام و دیگر اقوام بکثرت وہاں آباد ہوگئیں۔

سفر دہلی :

چوتھی ماہ سفر کو حضرت مخدوم صاحب نے یہ دہلی کا آخری سفر فرمایا جب آپ کے قدوم میمنت لزوم کی خبر فرحت اثر سلطان سکندر شاہ کو ہوئی تو چونکہ وہ خود علیل تھا اس لئے اس نے اپنے بیٹے شہزادہ ابراہیم لودی کو امراء و عمائدین سلطنت کے ساتھ استقبال کو بھیجا۔ مخدوم صاحبؒ نے باوجود اصرار قطب الاقطاب حضرت بختیار کاکی علہ الرحمہ کی درگاہ میں قیام کیا۔ دوسرے روز سلطان سکندر شاہ لودی مع چالیس تھان پوشاک خاصہ وزرطلائی ونقرئی ومرداریدو غیرہ برائے نذر لے کر فائز خدمت ہوئے اور روزانہ تا قیام طعام وتحائف بھیجتے رہے۔ ساتویں روز پھر سکندر شاہ لودی نے بہ نفس نفیس حاضر ہو کر عرض کی کہ اب تو قلعہ سلطانی میں تشریف ارزانی فرما کر خادم کو عزت بخشی جائے مگر پھر بھی حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے کسی طرح قبول نہ کیا پھر سلطان مذکور نے دو

لاکھ روپیہ نذر کیا مگر مخدوم صاحب نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ اب سلطان نے خود روزانہ حاضری معمول کرلیا۔ اور حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں بھی برابر سکندر شاہ حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر رہا کئے۔ اس کے بعد مخدوم صاحب دربار سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ میں پھر درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں حاضری دے کر جب واپس ہونے لگے تو سلطان سکندر نے دوبارہ دولاکھ سکۂ طلائی بطور زادِ راہ وصرف خداماں پیش کئے مگر مخدوم صاحب نے وہ بھی قبول نہ کیا پس وہاں سے دوماہ ۲۳ دن بعد آپ قنوج واپس ہوئے اور کچھ روز قیام کے بعد ملاواں تشریف لے آئے۔

عقد صاحبزادگان :

کچھ دن بعد موقعہ پاکر شیخ حسام الدین قنوجی نے عرض کیا کہ اگر مناسب ہو تو عقد صاحبزادگان سے سبکدوشی حاصل فرمائی جائے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں تمہاری رائے ہو وہ مناسب ہے چنانچہ مخدوم صاحب نے صاحبزادی حافظہ بی بی ہمشیرۂ حافظ شیخ مخدوم عبدالرحیم بندگی میاں کو اپنے بھتیجے شیخ فخر الدین اولیاء علیہ الرحمہ سے منسوب کیا۔ صاحبزادۂ شیخ عبدالرزاق صاحبؒ نے اگرچہ عذر بھی کیا کہ میرا سن پچاس سے متجاوز ہوا بال تک سفید ہو گئے لیکن مرضی والد ماجد سے مفر نہ ہو سکا چنانچہ دختر شیخ فتح اللہ صاحب سے جو اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ سے تھے اور تھوڑے عرصہ سے موضع نبول جو گنج مراد آباد اور بانگر مئو کے وسط میں ہے سکونت پذیر تھے۔ شیخ عبدالرزاق صاحب کا عقد فرمایا اور حافظ شیخ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کی خانہ آبادی محتسبین قنوج کی برادری میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب کی دختر نیک اختر سے اور صاحبزادہ شیخ عبدالحلیم صاحب کی شادی قصبہ ملہور ضلع بارہ بنکی میں شیخ محمد عظیم صاحب کی دختر سے فرمائی پھر ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ مکان سکونت دے

کر خود حجرۂ متصل مسجد میں رہنے لگے۔

وصال مخدوم صاحب :

آپ کا بیشتر وقت یادِ الٰہی میں بسر ہوتا بعد ظہر وعصر درس قرآن مجید وحدیث شریف دیا کرتے۔ مابین عصر ومغرب اکثر مراقبہ فرماتے اور لوگ شریک حلقہ ہوا کرتے۔ جب مخدوم صاحب کا سن شریف (۱۰۰) سو سے متجاوز ہوا تو گوشہ نشینی آپ نے اختیار کر لی اور وہ خرقۂ خلافت جو آپ کے مرشد شاہ جلال صاحب تاج بخش علیہ الرحمہ نے مرحمت فرمایا تھا صاحبزادۂ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ کو دے کر سجادہ کیا اور اپنا ذاتی خرقہ صاحبزادۂ حافظ شیخ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب علیہ الرحمہ کو مرحمت فرما کر حسب معمول اولیائے سلف ایک تحریر خلافت بھی رقم فرمادی۔ ۲۳/ جمادی الثانی سے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو شدت تپ زائد ہوئی اور غرہ رجب ۹۳۹ھ بروز جمعہ بوقت چاشت آپ واصل بحق ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ مخدوم صاحب نے یہ وصیت پہلے ہی فرمادی تھی کہ میرے جنازے کی نماز شیخ عبدالرزاق صاحب ورنہ پھر حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب پڑھائیں چنانچہ بعد ادائے جمعہ شیخ عبدالرزاق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پندرہ ختم قرآن پاک حافظ عبدالرحیم صاحب نے اور پانچ ختم شیخ عبدالرزاق صاحب نے اور پانچ ختم سب سے چھوٹے صاحبزادے شیخ جلال صاحب نے جو مخدوم صاحب کی چوتھی حرم مسماۃ مونگا کے بطن سے تھے پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا۔ اور روز شیخ عبدالرزاق صاحب نے دوسرے روز حافظ عبدالرحیم صاحب نے تیسرے روز شیخ جلال صاحب نے تقسیم طعام کیا۔ بوقت دفن مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے جنازے پر ایک ابر کا ٹکڑا چھا کر برسا جو دلیل واضح مغفرت ومہربانی کی ہے اور سید نبی صاحب نے جو روضہ تعمیر کرایا تھا اسی میں محو خواب راحت ملاواں میں ہیں۔

کرامت جلیلہ :

موجودہ سوانح حیات میں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے مدارج علیا۔ کرامات جلیلہ واتباع سنت وتقویٰ کی بحث ہم کو اپنے موضوع سے ہٹا دینے والی چیز ہے۔ موصوف کے حالات خدامان ادب نے لکھے ہیں جس میں ایک کشف الظلوم ہے۔ واقعات مذکورہ اسی لئے مختصراً ہم نے بیان کئے کہ ناظر کی خواہش تشنۂ تکمیل رہ نہیں سکتی۔ منجملہ اور کرامات کے صرف اس کرامت پر اندازہ کیجئے جو بارات والوں کی آگے آئے گی۔

وصالِ حرم سویم :

مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی حرم سویم مسماۃ فتح ملک بنت شیخ محمد منعم بہاری (نبیرۂ زاہد شہید حق گو حضرت قطب الاقطاب شیخ شہاب الدین ثانی علیہم الرحمہ جو سب سے پہلے ہندوستان آکر بہار شریف کو وطن بنانے والے ہیں۔) کو جب مخدوم صاحب کے چوتھے عقد کا حال معلوم ہوا تو کافی رنجیدہ ہوئیں۔ ایک دن جلال میں فرمایا کہ یا خدا زمیں میں کیوں نہیں پھٹتی کہ میں سما جاوں یہ کہتے ہی زمین یکا یک شق ہوگئی اور آپ اس میں تشریف لے گئیں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ بعجلت تمام پکڑنے کو لپکے مگر زمین بند ہو چکی تھی۔ وہیں پر اوپر سے قبر بنا دی گئی جو ملاواں محلّہ اونچا میں ہے۔

امتیاز آل واولاد :

اسی الفت کی بنا پر حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے یہ شرف حرم سویم کی اولاد کو اپنی حیات میں بخشا کہ حرم سویم کی اولاد اس روز سے ہمیشہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف یا حجرہ کے باہر بھی کوئی موقعہ کیوں نہ ہو داہنی طرف اور حرم رابع کے متعلقین ہمیشہ بائیں جانب بیٹھا کریں۔ اس شرف کی وجہ بادی النظر میں گو یہی ہے

لیکن اس کی حقیقت اصلی صرف یہ ہے کہ مسماۃ فتح ملک صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو چونکہ مخدوم صاحب کے مرشد حضرت شیخ جمال شاہ تاج بخش گجراتی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی منظور نظر دختر بتا کر عقد فرمایا تھا اس لئے یہ شرف و امتیاز ان کی اولاد کا بھی واحد حق ہے۔

بعض حالات خاندانی :

مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کا سلسلۂ نسب حرم ثانی والدۂ عبدالرزاق صاحب سے شروع ہوتا ہے۔ موصوفہ سے دو فرزند ہوئے جن میں بڑے شیخ عبدالرزاق اور چھوٹے شیخ عبدالملک تھے۔ عبدالملک صاحب سے شیخ عبدالقادر ہوئے جو لاولد فوت ہوئے۔

شیخ عبدالرزاق صاحب :

مخدوم صاحب کے خلف اکبر شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ سے دو فرزند پیدا ہوئے جس میں چھوٹے فرزند شیخ عبدالحئی عرف محمود تو لاولد فوت ہوئے۔ بڑے لڑکے مسمّٰی شیخ عبدالقدوس صاحب تھے جن کی دو شادیاں ہوئیں۔ عبدالقدوس صاحب کی پہلی بیوی جو دختر شیخ عبدالعزیز صاحب اولاد امیر خسرو علیہ الرحمہ سے تھیں اور موضع نیول میں قیام تھا سے صرف شیخ حبیب اللہ ہوئے۔ حبیب اللہ صاحب کے دو لڑکے ہوئے اوّل فتح اللہ دوسرے ضیاء اللہ۔ فتح اللہ صاحب سے شیخ دوست محمد ان سے شیخ رحمت اللہ ان سے محمد قاسم ان سے غلام اشرف ان سے غلام محمد ان سے حیات محمد پیدا ہوئے۔ حیات محمد کے دو لڑکے ہوئے پہلے محمد ابراہیم اور دوسرے محمد اسماعیل محمد ابراہیم سے محمد اسحاق ہوئے باقی لامعلوم۔ اب حبیب اللہ صاحب کے دوسرے لڑکے ضیاء اللہ سے شیخ حبیب اللہ ہوئے ان سے دو لڑکے اوّل محمد عابد دوسرے محمد زاہد ہوئے۔ محمد عابد سے غلام رسول اور ان سے مسماۃ ہندہ ہوئیں ان سے اولاد ذکور نہ ہوئی۔ دوسرے لڑکے محمد زاہد سے غلام مجتبیٰ ان سے حفیظ اللہ ان سے ایک دختر لازمہ ہو کر اولاد ذکور ختم

ہوئی۔ بعدازاں شیخ عبدالقدوسؒ کی دوسری بیوی سے چار پسر شیخ داؤد۔ شیخ شمس الدین، شیخ تاج الدین، شیخ فیض اللہ صاحبان ہوئے لیکن ہم کو اپنے خاندانی شجرہ میں ان کے کتخدا ہونے کا ثبوت ملتا ہے نہ کہیں صاحب اولاد ہونے کا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ قبل بلوغ یہ فوت ہو گئے۔

شیخ جلال صاحبؒ:

مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی حرم رابع سے پیدا ہوئے۔ شیخ جلال صاحب کی خانہ آبادی ایک عالم دین جن کی عرفیت شیخ لادوتھی کی دختر سے مخدوم صاحب نے فرمادی تھی۔ پس شیخ جلال صاحب سے شیخ محمد ان سے شیخ مبارک ان سے شیخ کمال ان سے برخوردارنامی ان سے مسمّٰی شیخ میاں ان سے مسمّٰی شاہ میاں ان سے ولی اللہ شاہ وحمایت اللہ شاہ دو پسر ہوئے ولی اللہ شاہ سے امیر اللہ شاہ ان سے تبارک اللہ ان سے امانت اللہ شاہ ہوئے۔ شاہ میاں کے دوسرے فرزند حمایت اللہ شاہ سے مسمّٰی تبارک اللہ ان سے احمد حسین عرف نھوان سے فدا حسین ہوئے۔ شیخ جلال صاحب کا مزار شریف مخدوم صاحب کے حجرہ کے بائیں جانب ہے۔

مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب :

ہم جہاں تک شجرہ پر غور کرتے ہیں تو طریق سلسلہ مخدوم عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمہ سے جاری نظر آتا ہے کیوں نہ ہو یہی تو وہ مبارک ہستی ہے جو اس مہتم بالشان امانت کی امین ہے جس کی بشارت شاہ جلال صاحب تاج بخش و مخدوم شیخ سعد صاحب خیرآبادی شیخ عبدالصمد عرف شیخ صفی صاحب صفی پوری رحمۃ اللہ علیہم دیتے آئے۔ اور یہی تو وہ وجہ ہے جس سے والدۂ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کو حضرت شیخ جلال صاحب تاج بخش علیہ الرحمہ کا خاص طور پر اپنی بیٹی بنانا اسی درمکنون کے لئے تھا جو فضل رحمٰن اسم بامسمّٰی ہو کر چمکنے والا

تھا۔پس حرم سویم مذکور مخدوم صاحب علیہ الرحمہ سے تین اولادیں اولاً مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں بعدازاں صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب بعدازاں مسماۃ حافظہ بی بی پیدا ہوئیں۔ عبدالحلیم صاحب وحافظہ بی بی کا ذکر اوپر گذرا یہاں حافظ عبدالرحیم بندگی میاں سے اب بحث ہے۔ چنانچہ آپ سے شیخ عبداللطیف صاحب جو اسلاف کے سچے خلف تھے پیدا ہوئے۔عبداللطیف صاحب علیہ الرحمہ سے مولانا شیخ نوراللہ عرف نورمحمد صاحب ہوئے جو بڑے عالم وقت وصاحب باطن گذرے موصوف سے تین صاحبزادے ہوئے۔ (۱) شیخ محمد اسماعیل (۲) شیخ سعداللہ صاحب (۳) شیخ کمال صاحب۔

شیخ محمد اسماعیل :

صاحب علیہ الرحمہ سے تین لڑکے (۱) شیخ عبدالرحیم (۲) شیخ محمد ابراہیم (۳) شیخ عبدالفتاح اور ایک دختر ہوئی۔ شیخ عبدالفتاح تو لاولد رہے۔ دوسرے فرزند شیخ محمد ابراہیم سے شیخ سعدالدین ہوئے۔ یہ بھی لاولد رہے۔ پہلے لڑکے شیخ عبدالرحیم سے شیخ بہاءالدین ہوئے باقی لامعلوم ہے۔

شیخ کمال صاحبؒ :

مولانا نورمحمد صاحب کے تیسرے فرزند ہیں جن سے دو لڑکے ہوئے۔(۱) شیخ پیر محمد (۲) شیخ سیف اللہ۔ چنانچہ شیخ پیر محمد مسماۃ پھول بی بی بنت طاہر حسین سے منسوب ہوئے ان کے دو لڑکے اوّل شیخ محمد رضا دوسرے اللہ یار ہوئے۔ شیخ محمد رضا کا عقد مسماۃ امانی بی بی ہمشیرہ قاضی محمد احسان بلگرامی سے ہوا جس سے دو لڑکے اوّل غلام چشتی جو لاولد فوت ہوا ہے اور دوسرے غلام مخدوم ہوئے تیسری ایک لڑکی گلاب بی بی ہوئیں۔ گلاب بی بی بنت محمد رضا غلام یوسف کو منسوب ہوئیں۔ محمد رضا صاحب کے دوسرے لڑکے غلام مخدوم کا عقد مہرالنساء بنت شیخ محمد سے ہوا جو لاولد فوت ہوئے۔

اب شیخ پیر محمد کے دوسرے صاحبزادے مسمّٰی اللہ یار سے ہمشیرۂ شیخ عبدالرؤف بانگرموی مسماۃ راستی بی بی منسوب ہوئیں جن سے دولڑکیاں ہوئیں اوّل حیات بی بی جو شیخ محمد روشن برادر قاضی محمد احسان بلگرامی کو منسوب ہوئیں ان سے ایک لڑکی مسماۃ جہاں بی بی ہوئیں جن کا عقد بہ غلام مجتبٰی ولد احمد بخش ابن قنوجی میاں بلگرامی سے ہوا۔ اللہ یار کی دوسری لڑکی نواز بی بی تھیں جو شیخ محمد منعم ولد شیخ عطاء اللہ اولاد قاضی عبداللطیف سے منسوب ہوئیں دونوں دختر ان سے اولاد ذکور نہیں ہے۔

شیخ سیف اللہ :

شیخ کمال صاحب ولد مولانا نور محمد صاحب کے دوسرے صاحبزادے سیف اللہ صاحب ہیں جن کے دولڑکے اوّل شیخ محبّ اللہ دوسرے شیخ علیم اللہ اور ایک دختر مسماۃ فاضلہ پیدا ہوئیں۔ پس شیخ محبّ اللہ سے اوّل دختر مسیحا بی بی ہوئیں جن سے شیخ معظم فلشوری کا عقد ہوا اور اس دختر سے غلام حسن عرف مداری پیدا ہوئے۔ باقی لامعلوم۔ شیخ محبّ اللہ کی دوسری لڑکی اچھی بی بی تھیں جو قنوجی میاں بلگرامی کو منسوب ہوئیں ان سے مسمّٰی احمد بخش ہوئے ان سے مسمّٰی غلام مجتبٰی ہوئے جن کو جہاں بی بی بنت حیات بی بی بنت اللہ یار صاحب مذکور منسوب ہوئیں۔ شیخ سیف اللہ صاحب کے دوسرے لڑکے شیخ علیم اللہ کی شادی مسماۃ اجیالی بی بی متوطنہ موضع نیول سے ہوئی جن سے اوّل فرزند دلیل اللہ اور ایک لڑکی دان بی بی ہوئیں۔ دلیل اللہ برادری نیول میں کتخدا ہوکر لاولد رہے۔ اور دان بی بی کا عقد مسمّٰی احمد بخش بن قنوجی میاں بلگرامی سے ہوا۔

شیخ سعد اللہ صاحب :

مولانا شیخ نوراللہ عرف نور محمد صاحب علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے مولانا شیخ سعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ ہیں جو بہت حلیم، منکسر طنیت، خاموش پسند صاف گو

بزرگ تھے آپ کے ایک صاحبزادے شیخ عبدالقادر اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ پہلی دختر شیخ چاند فلشوری بلگرامی کو منسوب ہوئیں ان دختر سے نذر محمد وعطا محمد دو لڑکے ہوئے صرف عطا محمد سے ایک دختر پیدا ہوئی جو بدیع الدین کو منسوب ہوگئی۔ سعداللہ صاحب کی دوسری دختر محمد اسحاق بانگرموی کو منسوب ہوئیں جن سے اولاً عبدالرؤف پیدا ہوئے جو لاولد فوت ہوئے بعدازاں ایک دختر محمد اسحاق کے ہوئی جو شیخ پیر محمد ولد اللہ یار مذکور الصدور کو منسوب ہوئیں۔

شیخ عبدالقادر صاحب :

مولانا سعداللہ صاحب کے فرزند باکمال صوفی عبدالقادر صاحب ہیں جو بڑے عابد وزاہد تھے آپ کی دو شادیاں ہوئیں اوّل خانہ آبادی شاہ کافی صاحب بلگرامی صاحب باطن کی دختر مسماۃ لطیف بی بی سے ہوئی ان کے بطن سے ایک دختر مسماۃ بودن بی بی ہو کر لطیف بی بی فوت ہوگئیں بودن بی بی کی نسبت قصبہ بلہور ضلع کانپور میں برادری خطیب میں ہوئی جن سے رضی بی بی ہو کر اولاد ذکور ختم ہوگئی پس شیخ عبدالقادر صاحب صوفی کی دوسری شادی شیخ محمد ہاشم صاحب صدیقی کی دختر مسماۃ بذھو بی بی سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے اوّل مولانا شیخ برکت اللہ عرف بھیکا میاں اور بعد ازاں عباداللہ صاحب ہوئے پھر ایک دختر مسماۃ رابعہ بی بی ہوئیں رابعہ بی بی کی نسبت شیخ سبحانی میاں ولد شیخ فیض اللہ برادر شیخ برخوردار صاحب سجادہ بلگرام سے ہوئی چنانچہ سبحانی میاں کے ایک فرزند شیخ رحم اللہ ہوئے جن کو مسماۃ رمضانو دختر محمد درویش برادر محمد زماں چشتی منسوب ہوئیں۔ صوفی عبدالقادر صاحب کے دوسرے فرزند شیخ عباداللہ صاحب کی شادی محمد حافظ ولد محمد ہاشم صدیقی مذکور کی دختر سے ہوئی اولاد ذکور نہیں ہوئی۔

مولانا برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب :

صوفی عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کے خلف اکبر مولانا برکت اللہ صاحب دراصل اسم با مسمّٰی تھے جو بڑی متوکل زندگی اکثر عبادت گذاری وشب زندہ داری سے گذارتے۔ آپ کی خانہ آبادی شیخ فیض اللہ صاحب فلشوری بلگرامی کی دختر صاحبہ سے ہوئی جن سے اولاً ایک صاحبزادی روشن بی بی ہوئیں جن کی نسبت شیخ غلام اشرف ولد شیخ محمد قاسم اولاد مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ سے ہوئی لیکن موصوفہ صغرسنی ہی میں انتقال کرگئیں۔ اس کے بعد مولانا برکت اللہ صاحب کے دو صاحبزادے اور ہوئے اوّل مولانا شیخ محمد فیاض صاحب دویم مولوی غلام امام صاحب شیخ رحم الدین ولد شیخ محمد امجد متولی ساکن بانگرمئو کی دختر مولوی غلام امام صاحب کو منسوب ہوئیں جن سے تین صاحبزادیاں ۔(۱) نجابت بی بی (۲) راحت بی بی (۳) طلعت بی بی اور ایک صاحبزادے محمد عطاء اللہ صاحب پیدا ہوئے۔ نجابت بی بی امین الدین صاحب بانگرموی کو راحت بی بی غلام سرور صاحب کو طلعت بی بی ملک ولی اللہ ساکنان بانگرمئو کو منسوب ہوئیں۔ محمد عطاء اللہ صاحب اپنی اسی قرابت مذکور میں کتخدا ہوئے جن سے اوّل دو دختران پھر دو فرزند ہوئے محمد عطاء اللہ صاحب کی اوّل دختر غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ قدس سرہٗ گنج مرادآبادی کی حرم اولیٰ تھیں دوسری دختر صغرسنی میں فوت ہوگئیں۔ محمد عطاء اللہ صاحب کے فرزندوں میں بڑے عبدالباسط صاحب لاولد رہے اور چھوٹے عبدالباقی صاحب تھے جن کے دولڑکے ہوئے اوّل عبدالباری دوسرے عبدالوالی جو لاولد رہے عبدالباری صاحب کے اوّل چار دختر پھر ایک پسر محمد سعید ہوئے۔ اولاد لا معلوم ہے۔

مخدوم اہل اللہ میاں صاحب :

مولانا برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد

فیاض صاحب کی جو علم ظاہری و باطنی میں فوقیت رکھتے تھے خانہ آبادی مسماۃ کرامت بی بی دختر شیخ نور محمد صاحب بلگرامی سے ہوئی جن سے پہلے دو صاحبزادے غلام سرور صاحب اور دوسرے صاحبزادے مخدوم اہل اللہ میاں پھر مسماۃ ریاست بی بی پھر مسماۃ زینت بی بی پیدا ہوئے غلام سرور صاحب کے ایک صاحبزادے شیخ امیر میاں ہوئے نیز ایک دختر بھی جو خوردسالی میں وفات پا گئیں۔ امیر میاں کی شاخ بھی منقطع النسل ہے۔ اسی طرح ریاست بی بی حضرت مخدوم سید علاء الدین صاحب سندیلوی علیہ الرحمہ کی اولاد میں اور زینت بی بی شیخ نجم الدین متولی بانگرمئو کو منسوب ہوئیں۔ زینت بی بی سے اوّل امین الدین پھر منت بی بی پھر عزت بی بی تولد ہوئے۔ نجابت بی بی بنت مولوی غلام امام صاحب مذکور تو امین الدین کو منسوب ہوئیں جن سے الطاف علی وفضیلت بی بی ہوئے۔ الطاف علی سندیلہ میں مسماۃ مٹھن بنت مولوی کرامت علی سے منسوب ہوگئے مگر لاولد رہے اور فضیلت بی بی شیخ الفع اللہ سندیلوی سے بیاہی گئی۔ عزت بی بی مولوی مصاحب علی سندیلوی سے منسوب ہوئیں جن سے حاجی مظفر فرزند اور پانچ دختر ہوئیں۔ حاجی مظفر سے دو دختر ہوئیں اوّل دختر منسوب بہ ہمشیرۂ زادہ حاجی مظفر صاحب اور دوسری مسمّٰی قلندر کو جو حاجی مظفر صاحب کے دوسرے ہمشیرزادہ ہیں بیاہی گئیں۔ اولاد مذکور ختم۔ اب صرف منت بی بی کا سلسلہ ہے یہ منت بی بی غلام علاء الدین علوی سے بیاہی گئیں جن سے اولاً منا بی بی پھر بدیع الدین پھر محمد انشاء اللہ پھر محمد ماشاء اللہ پیدا ہوئے۔ یہ وہی بدیع الدین مذکور الصدر ہیں جن کو عطا محمد صاحب سابق الذکر کی دختر منسوب ہوئیں یہ صاحب اولاد نہیں اسی طرح محمد ماشاء اللہ بھی لاولد رہے۔ محمد انشاء اللہ دختر قاضی امام علی ولد قیام الدین جو ہمشیرۂ مخدوم شیخ اخی جمشید علیہ الرحمہ میں سے منسوب ہوئے۔ باقی رہیں منا بی بی یہ شیخ وزیر علی صاحب کو منسوب ہوئیں جن سے دو دختر لطیفاً بی بی اور حکومت بی بی ہوئیں۔ لطیفاً بی بی تو قاضی ناصر علی

صاحب بلگرامی جو مولانا بابا علیہ الرحمہ گنج مرادآبادی کے ہمشیرزادہ ہیں سے منسوب ہوئیں۔اور حکومت بی بی منشی اولاد محمد ساکن ملاواں کو منسوب ہوئیں۔جن سے دولڑکے ہوئے اوّل دیدار حسین جن کو منشی محمد رضا کی دختر منسوب ہوئیں۔اولاد کوئی نہیں تھیں۔ اسی طرح عنایت حسین منشی اولاد محمد مذکور کے دوسرے لڑکے تھے جن سے منشی محمد رضا پیدا ہوئے۔منشی محمد رضا ساکن ملاواں کے ایک دختر اور ایک پسر ہوئے دختر دیدار حسین ولد اولاد محمد کو ہوئیں منشی محمد رضا کے لڑکے منشی نیاز احمد صاحب ہیں جن کو حضرت صاحب سجادہ حضرت مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی بڑی بہن مسماۃ عابدہ بی بی یعنی میری حقیقی پھوپھی منسوب ہوئیں لیکن کوئی اولاد نہیں ہے اور منشی نیاز احمد صاحب بھی فوت ہو چکے ہیں۔تفصیل بالا واضح کرتی ہے کہ باقی جو سلسلے ہو سکتے تھے وہ کس طرح منقطع ہو چکے جو بچے وہ پھر اسی میں مدغم ہو گئے کہ بذاتِ خود کوئی جدا سلسلہ جاری ہے نہ باقی جس سے مولانا بابا علیہ الرحمہ سے تعلق ثابت کیا جا سکے ہم اپنے ہوش سے خود دیکھتے اور اس سے پہلے سنتے آئے ہیں کہ کوئی مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نیا داماد کوئی بھتیجہ کوئی بھانجا بنتا ہے اور توڑ مروڑ کر اپنا تعلق اُلّو سیدھا کرنے کو پیدا کر بیٹھتا ہے اور مریدین بہ سبب لاعلمی ان گندم نما جو فروشوں اور دزد چراغ بکف کے دام تزویر میں آجاتے ہیں۔کم از کم یہ تفصیل مریدین کو اس پرفریب جال سے تو بچا سکے گی۔ پس بھیکا میاں صاحب کے دوسرے صاحبزادے مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب علیہ الرحمہ ہیں موصوف کی خانہ آبادی مسماۃ محترمہ بصیرت بی بی صاحبہ بنت سید رحمت اللہ شاہ صاحب جو داد ہیالی طور سے اولاد خاص مخدوم سید علاء الدین صاحب سندیلوی علیہ الرحمہ سے ہوئی ہیں مخدوم صاحب سندیلوی کا نسبی تعلق سید نصیرالدین صاحب چراغ دہلوی علیہ الرحمہ سے ہے۔نیز بصیرت بی بی صاحبہ علاوہ داد یہالی شرف سادات کے اپنے قریبی نسب نانیہالی سے تو اولادِ خاص حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین

سہروردی واولاد خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہما سے ہیں موصوفہ بی بی کے بطن مبارک سے اولاً مسماۃ جمعیت بی بی پیدا ہوئیں اوران کے اٹھارہ برس بعد جدا مجد قبلہ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ پس جمعیت بی بی صاحبہ شیخ زین العابدین بن قاضی اسد علی بن قاضی احسان صاحب بلگرامی سے اپنی برادری قدیم میں منسوب ہوئیں جن سے ناصر علی صاحب قاضی بلگرامی پیدا ہوئے اور موصوف کو غلام علاء الدین علوی کاکوروی کی دختر مسماۃ لطیفاً بی بی منسوب ہوئیں جن کا ذکر گذر چکا۔ پس اب مخدوم صاحب علیہ الرحمہ تک یہ سلسلہ نسب یوں ہوگا کہ غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن بن مخدوم شاہ اہل اللہ میاں بن مولانا شیخ محمد فیاض صاحب بن مولانا شیخ برکت اللہ عرف بھی کا میاں صاحب بن مولانا صوفی عبدالقادر صاحب بن مولانا شیخ سعداللہ صاحب بن مولانا نوراللہ عرف نور محمد صاحب بن شیخ عبداللطیف صاحب بن مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم بندگی میاں بن مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ گویا نو پشت گذر کر دسویں ذات گرامی مخدوم صاحب کے بعد مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کی ہے ۱۲۰۸ھ میں ۹۶۹ھ گھٹا دیا جائے تو دو ۲۶۹ سوانہتر آتا ہے یعنی مخدوم صاحب کے ۲۶۹ سال بعد آپ کی ذات فیض بخش قلوب طالبان ہوئی۔

☆☆☆

پانچواں باب

بشارت وپیدائش :

مولانا بابا کے والد ماجد عارف باللہ مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب حضرت بقیۃ السلف والخلف قطب دوراں مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہم کے مرید خاص تھے اور خود حضرت شاہ صاحب قبلہ اہل اللہ میاں صاحب کو بے حد عزیز ومحبوب رکھتے تھے اور بہت کم جدا ہونے دیتے۔

(۱) ایک مرتبہ شاہ اہل اللہ میاں صاحب اپنے مرشد شاہ صاحب قبلہ کی پشت مبارک مل رہے تھے یکا یک وہ خلش جو فرزند نہ ہونے سے اکثر دامن گیر رہا کرتی پھر عود کر آئی کیونکہ آپ کی دختر صاحبہ جمعیت بی بی کو پیدا ہوئے اٹھارہواں سال تھا حضرت شاہ صاحب قبلہ نے یہ کبیدگی از روئے کشف معلوم کر کے متبسم ہو کر فرمایا کہ کیوں میاں اہل اللہ کس فکر میں ہو شاید خلش اولاد ہے پھر خود حکم دیا کہ اچھا اب تم اپنے مکان جاؤ تم کو پروردگار عالم ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو مثل آفتاب دنیا میں روشن ہوگا جس کا فیض مشرق سے مغرب تک ایسا روشن کر دے گا کہ اس کے سامنے دیگر ستارے ماند ہوں گے ان کا نام فضل رحمٰن رکھنا۔

(۲) چنانچہ شاہ اہل اللہ صاحب اپنے مرشد سے رخصت ہو کر مکان مسکونہ واقع

سندیلہ واپس آئے اور یکم ماہ رمضان مبارک ۱۲۰۸ھ بوقت صبح صادق اس مادرزاد قطب ولایت علیہ الرحمہ نے قدوم میمنت لزوم سے عالم کو فیض بخشا۔

(۳) مخدوم اہل اللہ میاں فرط احتیاج میں اسی ہفتہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو لے کر لکھنؤ حضرت شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے مخدوم عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ نے مولانا بابا کے کانوں میں بطریق مسنونہ اذان واقامت کہی اور بے حد دعاؤں سے واپس کیا۔

(۴) تیسری برس کا آغاز تھا کہ مولانا بابا کو لے کر مخدوم اہل اللہ صاحب پھر مخدوم عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی خدمت میں گئے تو آپ نے بہ کمال محبت رسم بسم اللہ ادا فرمائی۔

اسم مبارک :

میرا اصلی مقصد اس سوانح حیات کی تصنیف سے یہی ہے کہ وہ واقعات جو مریدین میں غلط مشہور اور بعض مریدین کی کتب مؤلفہ میں غلط مسطور ہیں ان کی صحت ہو جائے۔

(۵) نام نامی بلا الف ولام کے فضل رحمٰن صحیح ہے چونکہ یہ نام تاریخی ہے اس کے عدد نکالنے سے ۱۲۰۸ھ نکلتا ہے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی عرفیت بھولے میاں تھی کیونکہ آپ اپنی ہمشیرہ کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد پیدا ہوئے والدین دُلار میں واو مجہول کے ساتھ بھولے میاں کہتے تھے کہ بھولے سے آ گئے۔

(۶) اس ثبوت کے بعد دوسرا ثبوت خود حضرات مریدین ہی کے پاس موجود ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے مکتوبات تو سب ہی مؤلفین نے شائع کئے اور مریدین نے محفوظ رکھے۔ مگر کوئی صاحب ان مکتوبات میں سوائے فضل رحمٰن کے فضل الرحمٰن پیش نہیں کر سکتے صفحہ ۱۷۱ میں وارث صاحب کی یہ اظہار قابلیت فہم سے بالاتر ہے کہ ''اگر الف ولام نہ ہو تو بارہ سو آٹھ ورنہ الف کا ایک عدد ملا کر ۱۲۰۹ھ نکلتے ہیں۔'' غور

فرمائیے تنہا الف کا عدد الف ولام دو حروف کو مان کر جوڑ نا نرالی قابلیت نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک فاش غلطی :

سخت افسوس یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ صاحب کمالات رحمانی صفحہ ۸ پر ناقل کہ اور بروایت حضرت احمد میاں صاحب سجادہ نشین ۱۲۱۳ھ میں مقام ملاواں میں پیدا ہوئے۔'' دوسری طرف یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کا نام نامی تاریخی ہے۔ تاریخی نوعیت فضل رحمٰن کے عدد ۱۲۱۳ھ ہو ہی نہیں سکتے۔

(۷) بروایت دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ ۱۲۱۳ھ سال پیدائش مجھے نیز میرے والدین صاحبان کو کسی حاضر ذ رائر سے مسموع نہیں۔ بلکہ ۱۲۰۸ھ نام نامی سے روایات سے ہماری نسبی معلومات سے بالتواتر ثابت ہے۔

(۸) اسی طرح مقام پیدائش بھی کتاب مذکور میں صحیح مکتوب نہیں ملاواں مقام ولادت غلط ہے بلکہ بموافق ارشاد حضرت صاحب سجادہ مدظلہٗ مقام پیدائش سندیلہ ہی اصح ترین ہے۔

(۹) علیٰ ہٰذا القیاس بعض مریدین کی خواہش پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ''برائے امر خیر اجازت دادم'' تحریر فرمادیا۔ کتب سابقہ مروجہ میں بڑے کروفر سے اس کو خلافت نامہ لکھ مارا۔ حالانکہ افسوس اس لاعلمی پر اور بھی ہے کہ ان لوگوں کو اجازت وخلافت کا بھی فرق نہیں معلوم ہے۔ امیر خیر کی اجازت کبھی خلافت نامہ ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح درس حدیث بھی غلط مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ مرشد کی عنایات حسب توفیق اور ساقی کا کرم بقدر ظرف ہمیشہ رہا ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ خدمت گرامی میں نقادان فن جید علماء کا ہجوم رہا کرتا۔ بڑے بڑے فارغ التحصیل فائز خدمت ہوتے تو یہاں جو فیضان نور حدیث اور حقائق ودقائق کے بحر ذخار موجزن دیکھتے تو اس تصویر

اتباع سنت کے خودگرویدہ ہو جاتے جذبۂ شوق ستاتا تمنائیں چٹکیاں لیتیں کہ اکتساب علم و فیض کیا جائے۔ پس مولانا بابا علیہ الرحمہ مشتاقوں کو اس کا موقعہ دیتے کسی کو تبرکاً حدیث مسلسل بالاولیت ہی سے نوازتے کسی کو دو ایک اسباق کی شرکت کی سعادت ملتی اور کبھی کوئی ایک دو پارے تک شرکت کر لیتا۔ کیا ایسی شرکت درس حدیث پر کسی قسم سے لکھ لینا کامل سند حدیث کہلا سکتی ہے بذمۂ ناظر اس کا فیصلہ ہے۔ کتب مروجہ میں ایسی ہی شرکت درس پر سند حدیث مولانا بابا علیہ الرحمہ سے منسوب کی گئی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان علمائے ناقدین کو کسی موقعہ پر شرکت درس کا اور کبھی قاری بننے کا ورنہ اکثر سامع رہنے کا نمایاں شرف ملا ہے۔ (دیکھو روایت ۳۹)

ضروری ہدایت :

یہاں یہ ضروری تصحیح بھی ہدایتاً واجبی ہے کہ بعض لوگ رحمٰن کو رحمان الف کے ساتھ عموماً لکھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم شاہد عادل ہے کہ۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اگر یہ اسم رحمٰن بھی اسم اللہ کی طرح ذاتی نہ ہوتا تو نہ اس تخصیص سے یہاں لایا جاتا نہ اسم ذاتی کے ساتھ اس سے متعارف کرایا جاتا۔ اسی بنا پر علماء نے تصریح کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کا نام رحمان تھا اس فرق کو ممتاز رکھنے کے لئے رحمٰن بلا الف لکھنا ہی صحیح ہے۔

تعلیم :

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم کچھ سندیلہ اور کچھ ملاواں میں ہوئی۔

(۱۱) مگر شرح ملاّ شرح جامی۔ کافیہ یعنی نحو و صرف و تفسیر و کلام و فقہ وغیرہ کی تکمیل مولوی مولانا نور صاحب ولد مولانا انوار صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہما سے ہوئی۔ موصوف نے پہلی ہی نظر میں بھانپ کر بکمال محبت تکمیل درسیات کرا کر تعلیم حدیث شریف کے

لئے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔ عام طلباء کا جتنا درس پندرہ بیس روز میں ہوتا آپ ایک وقت میں ختم کرتے۔ جس کی وضاحت خود ممدوح الشان کی زبانی سنئے۔

(۱۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تکملۂ حدیث اُستاد الاساتذہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ہوا۔ استاد بلند نظر نے نگاہِ اوّلیں میں می تافت ستارۂ بلندی کو پرکھا اور انتہائے محبت سے درس حدیث شروع کر دیا۔ ابھی کچھ ماہ ہی گذرے تھے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اپنی والدہ ماجدہ کی تنہائی کی وجہ سے واپس ملاواں ہونا پڑا۔

(۱۳) دوبارہ جب آپ پھر دہلی تشریف لے گئے تو مکمل تکملہ حدیث ہو گیا گو شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ آپ کو کچھ ماہ اور روک کر خود آپ سے درس دلوانا چاہتے تھے مگر اولاً آپ کی والدہ کی تنہائی دوسرے حسن حقیقی کی جستجو اور ہی چیز کی مقتضی تھی اس لئے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ان علوم سے فراغت فرمالی۔

بچپن سے شوقِ ریاضت :

مولوی حیدر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت مرشد محبوب حبیب الخلاق خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ ملاواں میں رہا کرتے۔

(۱۴) ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ نے تین چار برس کی عمر ہی میں خلیفہ موصوف سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ گردن کیوں جھکا لیا کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ بیٹا ذکر الٰہی کرتا ہوں مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارا بھی جی چاہتا ہے ہم کو سکھا دو خلیفہ صاحب نے آپ کا کمالِ ذوق اس بچپن میں دیکھ کر سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا کہ تم روز آیا کرو ہم بتا دیا کریں گے چنانچہ ذکر نفی واثبات و پاس انفاس وطریق مراقبہ بتا کر توجہ میں بٹھانا شروع کیا تو چند ماہ ہی میں شاہ حیدر علی صاحب کے احاطۂ قوت سے آپ کی روحانی باہر

ہوگئی تو میاں حیدرعلی شاہ نے دہلی حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جانے کی ہدایت فرمائی۔

تنہائی اور بے بسی :

(۱۵) ابھی آپ کی نو برس کی بھی عمر نہ ہو پائی تھی کہ سر سے سایۂ پدری اٹھ گیا۔تنہا والدہ مشفقہ کفیل رہ گئیں لیکن آپ کی افتادطبع کچھ اس طرح قسام ازل نے رکھی تھی کہ امورخیر کا شوق ۔ مذمومات سے تنفر۔بچپن میں بھی خیال تقویٰ ہوتا ہے لیکن فطرتِ الٰہی کے ماتحت اس کی ضرورت کبھی نہ پیش آئی کہ آپ کو کسی بات سے روکا جاتا بلکہ خود آپ ایسے امور کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے تھے۔ وقت سے پہلے مکتب جانا۔ خدمت گزاری والدہ میں امور متعلقہ پہلے ہی انجام دے لینا۔عبادت کے لئے پہلے سے تیار ہو جانا آپ کا امتیازی خاصہ تھا آثار مادرزاد قطبیت پیدائش کے وقت سے واضح تھے ارواح قدسیہ کی اسی وقت سے زیارت ہوتی وہ توجہ دیا کرتیں حورانِ جنت کا کاشانۂ فقر پر اجتماع رہتا لوگ دیکھ لیتے تو متعجب ہوتے ۔مقبولیت الٰہی اس درجہ حاصل تھی کہ بچپن میں بھی جس سے بھی جس کسی بات کو فرما دیتے اسے سرموفرق کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔ بلوغ کا وقت آتا ہے تو آپ ایسے رنگ میں رنگ چکے ہوتے ہیں کہ جوانی دیوانی کی جو مثل مشہور ہے یہاں غلط نظر آتی ہے کیونکہ یہ وقت تحصیل علوم ظاہری و تکملۂ باطنی و تہجد و عبادت گذاری میں گذرتا ہے یہ پاکیزہ جوانی عشق الٰہی سے مملوومرصع ہو کر نکھرتی ہے اور تیرھواں سال شروع بھی ہو نہ پایا تھا کہ آپ مرشد کامل نظر آتے ہیں یہ سارا جوش جوانی جذبۂ رہنمائی و ہدایت عفت و عصمت ذکر و شغل واتباع سنت پر وقف ہو جاتا ہے۔

(۱۶) عسرت کا یہ عالم تھا کہ دو دو وقت یوں ہی گذر جاتے مگر تحصیل علم و کسب خیر کا وہ شوق بے پایاں تھا کہ بھوک و پیاس واخراجات کی مطلق فکر نہ تھی۔ چارساز مابفکر

کارما پر نظر رہتی۔ چنانچہ ہوتا بھی یہی کہ مسبب الاسباب خود ہی اسباب فراہم کر دیتا۔ طالب علمی میں پیسہ پاس نہیں خورد و نوش کا پتہ نہیں لیکن وقت پر کبھی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کبھی حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما کے وہاں سے خود طعام کے لئے کہ دیا جاتا۔

طفلی اور احتیاط اتقا :

(۱۷) جس دن مولانا بابا علیہ الرحمہ رونق افروز عالم دنیا ہوئے تو آپ نے تین دن تک بہ سبب حرمت رمضان مبارک بطن مادر سے دودھ نوش نہ فرمایا بعد ازاں صرف حصۂ شب میں دودھ نوش فرماتے۔ صاف ظاہر ہے کہ احکام شریعت کی اتباع و پاس حرمت مبدأ فیاض نے آپ میں فطرتاً ودیعت فرمائی تھی۔

(۱۸) جس روز قرآن کریم کے درس میں سورۂ مریم کا یہ سبق آیا وَ آتَیۡنَاہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا. تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب تین برس کے تھے تو اسی وقت سے ڈھیلے (کلوخ) لیا کرتے۔

(۱۹) پھر آپ نے بیان فرمایا کہ ہماری بہن جو ہم سے اٹھارہ برس بڑی تھیں وہ نیز ہماری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ ہم تین برس کی عمر سے وضو کر کے نماز پڑھتے تھے۔

(۲۰) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم جب سات برس کے ہو چلے تو ہم نے ہمیشہ ہوش سے نماز ادا کی۔

(۲۱) خود بیان فرمایا کہ دس برس کی عمر سے بحمد اللہ ہماری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ ہم ایسے ویسے نماز نہ پڑھتے بلکہ اس عمر سے با جماعت پڑھتے رہے۔ یہ ارشاد فرما کر خاموشی کا بھی اشارہ فرمایا۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَلَدٌ عَلَی التَّقۡوٰی کے یہی تو معنی ہیں جو بلاشک ایک پیدائشی قطب کا مخصوص حصہ ہے۔ مَنۡ سَعِدَ سَعِدَ فِیۡ بَطۡنِ اُمِّہٖ . نیک بخت کی نیکیاں تو شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

شوق عبادت و دانائی :

فطرتاً بچوں کو کھیل کی عادت ہوتی ہے۔(۲۲) مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ سے جب ہم سن بچے کھیلنے کو کہتے تو آپ ان سے فرماتے کہ ہم کھیلنے کو نہیں بنائے گئے۔

(۲۳) کم سنی سے آپ کو شوق نماز بے حد تھا۔ایک مرتبہ اہل محلّہ کی عورتیں آپ کی بھولی و پیاری مگر عاقلانہ باتیں سننے آئیں آپ کو تلاش کیا تو نہ ملے کسی نے اتفاقاً اندرون کوٹھری جا کر دیکھا تو آپ نماز میں مصروف تھے۔نوافل نیز تہجد آپ کا محبوب شغل طفلی سے تھا اور اکثر اوقات آپ چھپ چھپ کر نماز ادا فرماتے۔

(۲۴) عموماً بچوں میں کسی بات کی سمجھ نہیں ہوتی مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ کی طفلی کی گفتگو جب لوگ سنتے تو دنگ رہ جاتے یہ معلوم ہوتا جیسے کوئی سن رسیدہ گفتگو کر رہا ہے۔

(۲۵) دو ڈھائی سال کی عمر سے آپ نے بولنا شروع کیا لیکن جو کلمہ بھی آپ بولتے وہ انتہائی پر معنی ہوتا۔گفتگو میں خاص کشش رہا کرتی۔

کشف طفلی :

(۲۶) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کشف قبور ہم کو بچپن سے حاصل تھا۔ایک شخص کی وفات ہوئی تو ہم ان کی قبر پر گئے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی لونڈی پر کبھی دھول دھبہ کر دیا کرتے تھے پھر ہم ان کی لونڈی کو قبر پر لے گئے اور بتلایا کہ یوں کہو کہ جو کچھ انہوں نے ہم سے بے ادبی کی ہے ہم نے معاف کی لونڈی نے یہی کیا پھر ہم نے اس لونڈی سے کچھ پڑھ کر بخش دینے کو کہا اس نے بخشا تو ان کا حال اچھا ہو گیا۔

فضیلت عہدِ طفلی :

(۲۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ جب میں حضرت مخدوم شیخ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی

رحمۃ اللہ علیہما کے پاس گیا تو آپ سے دور بیٹھا کیونکہ لوگ آپ سے دور بیٹھا کرتے تھے لیکن موصوف نے اشارے سے پاس بلا کر مجھ کو اپنی مسند پر بیٹھا لیا لوگوں کو بڑا تعجب ہوا باوجودیکہ موصوف کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے اور میں کم سن تھا مگر مجھ کو آگے کیا اور میرے پیچھے نماز پڑھی اور لوگوں سے میرے متعلق بڑی بڑی باتیں کہیں۔

(۲۸) خود ارشاد فرمایا کہ ہم کو بچپن میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ توجہ دیا کرتے اور اس کا یہ بھی ظہور ہوا کہ ہم مجدد صاحب کے خلفاء مثل شاہ غلام علی صاحب اور مجدد صاحب علیہ الرحمہ کی اولاد سے بھی ملے جیسے ہمارے حضرت مرشد صاحب کہ ان کی اولاد سے بھی ملے اور ان کے خلفاء سے بھی۔

(۲۹) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو لڑکپن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زیارت ہوا کرتی۔

کرامت طفولیت :

(۳۰) ایک مرتبہ قیام ملاواں میں مولانا بابا سڑک پر کسی طرف جا رہے تھے کہ اچانک بیل گاڑی آ گئی اور آپ اس کے نیچے اس طرح آ گئے کہ بیل گاڑی کا پہیہ سینہ و سر سے ہوتے ہوئے نکل گیا مگر یہ شان کرامت تھی کہ آپ کو ذرا بھی گذر نہ پہنچا صرف اتنا ہوا کہ ایک کان کی لو (کچیا) پہئے سے کٹ گئی جس کو حاضرین خدمت نے بھی دیکھا ہے۔

حسن تقویٰ :

(۳۱) ایک مرتبہ مخدوم اہل اللہ میاں صاحب کی مولانا بابا رحمۃ اللہ علیہما انگلی پکڑے کسی طرف جا رہے تھے اثنائے راہ میں آپ کے والد صاحب نے ایک شاداب کھیت دیکھا تو اس میں کی ایک بالی توڑ کر اس کی پھلت وشادابی پر خوش ہونے لگے جب آگے چلنا چاہا تو مولانا بابا نے آگے چلنے سے انکار کیا آپ کے والد ماجد سمجھے کہ یہ شاید

تھک گیا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کھیت کے مالک کی بغیر اجازت آپ نے بالی توڑی ہے یہ حق العباد ہے اس کا مالک جب تک اجازت نہ دے گا میں نہ جاؤں گا اسی درمیان میں کھیت کا مالک بھی آ گیا یہ گفتگو سن کر وہ بولا کہ میاں یہ بھی تو تمہارا ہے اور لے لو۔ سبحان اللہ۔ یہی وہ چیزیں ہیں کہ ہر دل یہ بول اٹھتا ہے کہ آپ کی شان ولایت حلوئے نسبت و حسن اتقا و رفعت مدارج وہبی اور من جانب اللہ ہیں۔

پیغمبرانہ توکل کی مثال :

(۳۲) مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب علیہ الرحمہ خود بڑے متوکل صاحب باطن تھے۔ حتّیٰ کہ آپ کے وصال کے بعد دو کپڑے بھی نہ نکلے اسی طرح مولانا بابا علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا خود بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں اکثر حدیث شریف پڑھا کرتیں آخر عمر جو سو تک تھی ایک سو نفل سے کم نہ پڑھیں جب عسرت یا تکلیف ہوتی تو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاتے اور فضل ہی فضل ہو جاتا جیسا آگے آتا ہے۔

(۳۳) مولانا بابا علیہ الرحمہ کے زمانے میں جب قحط پڑا تو آپ کی والدہ محترمہ نے گھر کا دروازہ بند کر دیا کہ کسی کو حال کی خبر نہ ہو حالانکہ آپ کے قریبی عزیزوں میں کافی عزیز ایسے خوش حال تھے جن سے مالی امداد کی اجازت شرعی ہے لیکن آپ درختوں کے پتے جو گھر کے پیڑ میں تھے اور اس کی چھال ابال کر خود بھی کھاتیں اور مولانا بابا علیہ الرحمہ کو بھی کھلاتیں جو صغر سنی کے باوجود بڑے صبر و شکر سے تناول فرما لیتے اور بجز خدا کے کسی کا بھروسہ نہ کر کے پیغمبرانہ صبر و توکل کی ایسی غیر فانی مثال پیش کرتے ہیں جو فقید المثال ہے۔ ان اوقات میں جب غلبۂ بھوک ستاتا تو آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہو کر تسکین خاطر کرتے۔ ہم کو افسوس ہے کہ آپ کے بچپن کے واقعات ہم بالترتیب بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اکثر زبان مبارک ہی سے مسموع ہوئے ہیں پس ضمناً ان واقعات کا ذکر کرنے پر مجبور ہیں۔

کیفیت حصول تعلیم حدیث :

آپ کا سفر وہ سفر نہ تھا جو اس زمانہ کی تکالیف سفر کے باوجود زادِ راہ ہونے سے قدرے تشفی بخش ہو جاتا تھا بلکہ آپ بھوک و پیاس خندہ پیشانی سے تحصیل علم کے لئے برداشت فرماتے۔ نہ زادِ راہ ہے نہ پاس پیسہ ماں مجبور خود معذور مگر کسب خیر کا جذبہ کشاں کشاں صعوبت سفر کو راحت بنائے ہے پیسے دو پیسے کے چنے بھلا کیا کفالت کر سکتے ہیں لیکن خلاق عالم نے خلق خدا کی رہنمائی کی جو خدمت آپ کے لئے وقف کر دی تھی اس لئے یہ ظاہری تکالیف آپ کے عزم وولولہ کو ڈگمگا دینے کی مجال نہ رکھ سکتی تھیں۔

(۳۴) ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے دورِ طالب علمی کا تذکرہ فرمایا کہ ہمارے استاد مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ مجھ سے بے حد پیار و قدر و منزلت فرماتے اور جب درس میرے قیام دہلی میں فرماتے تو جب تک باآواز دریافت نہ فرما لیتے کہ مولوی فضل رحمٰن آگئے اور میں خود نہ بولتا اس وقت تک شروع ہی نہ فرماتے۔

(۳۵) فرمایا کہ دورانِ درس میں اکثر مجھے تنہا درس دیتے اور بیچ بیچ میں مجھ سے پوچھتے جاتے کہ تم اس کا مطلب سمجھ گئے جب تک میں ہاں نہ کرتا آگے نہ بڑھتے۔ اور اگر کبھی مجھے دیر ہوتی تو حضرت شاہ صاحب جب تک میں نہ آتا انتظار فرمایا کرتے۔

(۳۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ جو کتابیں لوگ دو دو برس میں پڑھتے ہم بفضلہٖ پندرہ دن میں ختم کرتے پندرہ روز میں ہم نے بخاری شریف ختم کی بجز میرے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کسی اور کو میرے ساتھ درس میں شریک نہ کرتے البتہ کبھی اپنے داماد سید ظہیر الدین شہید علیہ الرحمہ کو بٹھلا لیتے۔

(۳۷) پھر ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب دہلوی اگر مجھے کچھ بتلانا چاہتے تو میں کہہ دیتا کہ حضرت مجھے سب معلوم ہے کہیں کہیں ان کی خاطر سے سن بھی لیتا۔ غور کیجئے اس وہبی

تعلیم اور علم لدُنی کا کچھ ٹھکانا ہے یہ روایت شاہد عادل ہے کہ بعض لوگوں نے جو دوسرے لوگوں کو مولانا بابا علیہ الرحمہ کے ہم سبق گنا ہے سراپا غلط ہے بلکہ یہ تو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی کمال دِقّت نظری تھی کہ کسی اور کو مولانا بابا کا ہم سبق اس لئے نہ ہونے دیتے تھے کہ نہ اس میں یہ ملکہ تھا نہ یہ قوت۔ دیکھو روایت۔ (۱۵۸)

علوئے شانِ علم :

(۳۸) ایک روز ایک مولوی صاحب لکھنؤ سے حاضر آئے ان کے ساتھ نوجوان بھی تھے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں عرض کیا گیا کہ انہیں مولوی کے بیٹے ہیں۔ تو مولانا بابا نے ان سے دریافت فرمایا کہ کچھ پڑھتے بھی ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں شرح جامی پڑھتا ہوں تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ غیر منصرف کی بحث کے کچھ اشعار پڑھو وہ خاموش رہے تو پھر خود آپؒ نے ایک شعر پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ اس کے اوپر پڑھو وہ بھی نوجوان کو یاد نہ آیا تو پھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم جب لکھنؤ میں شرح جامی وغیرہ پڑھتے تو اس طرح نہ پڑھتے جیسے لوگ آج کل پڑھتے ہیں بلکہ دو دو جز پڑھتے ڈیڑھ جز سے کم تو کبھی پڑھا نہیں بلکہ ہم کو ان مصنفین کتب سے فیض آتا تھا۔ ایسے ہی **هدایه** شرح وقایہ وغیرہ بھی۔ پڑھنے بیٹھتے تو اس طرح کہ بعد عشاء بیٹھے تو تہجد تک پڑھا اور بعد اشراق بیٹھے تو ظہر تک پڑھا۔ خدا کی شان کہ بڑے بڑے لوگ جیسے مولوی انوار صاحب ہم کو اپنی مسند پر بٹھاتے۔

(۳۹) سند حدیث کے ذکر پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سند سے کیا ہوتا ہے جب تک علم نہ ہو پھر فرمایا کہ جب ہم دہلی گئے تو لوگوں نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے کھرّے لکھوائے ہم سے بھی لوگوں نے کہا کہ تم بھی لکھوا لو تم ہم نے کہا استغفراللہ سند لکھوانے سے ہوتا کیا ہے پھر جب ہم اپنے گھر (گنج مرادآباد) آئے تو

جنہوں نے کھرّے لکھوائے تھے انہیں لوگوں نے ہم سے پھر آکر پڑھا پھر فرمایا ۔

آنچہ خوانده ایم فراموش کرده ایم
اِلاّ حدیث دوست که تکرار میکنیم

ازالۂ شک :

بعض لوگوں نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا درس حدیث مولانا شاہ اسحاق صاحب سے پڑھنا تحریر کیا ہے یہ غلط ہے۔

(۴۰) کیونکہ جو دورِ طالب علمی مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تھا وہی مولوی محمد اسحاق صاحب کا تھا چونکہ مولانا بابا جملہ سات مرتبہ دہلی آئے گئے اور آپ کو حدیث شریف سے عشق تھا پس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد مولانا بابا اور مولوی محمد اسحاق صاحب نے آپس میں دورہ کیا کہ کبھی وہ قاری یہ سامع کبھی یہ سامع وہ قاری ہاں مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی اس وقت مولوی محمد اسحاق صاحب سے درس لیتے اور شریک دورہ بھی ہوئے۔ پھر روایت ۳۷ سے یہ ثابت ہو چکا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا اور کوئی شریک درس نہ ہوا کرتا تو یہ گنجائش بھی ختم ہوگئی کہ مولوی محمد اسحاق صاحب شریک درس مبادا ہوتے ہوں۔ اس دورہ کی واضح اور معقول وجہ یہی ہے کہ جو شرفِ تعلیم حدیث مولانا عبدالعزیز صاحب سے مولانا بابا کو حاصل تھا کہ کوئی شریک درس نہ کیا جاتا گو کبھی سید ظہیرالدین شہیدؒ کو یہ سعادت مل جاتی لیکن یہ بات مولوی محمد اسحاق صاحب کو بھی حاصل نہ ہوسکی تھی اس لئے آپ نے چاہا کہ مولانا بابا سے دورہ کر کے برکت حاصل کی جائے ادھر مولانا بابا کے عشق حدیث نے حدیث دوست کی تکرار پر اکسا دیا دورہ ہوا اور دونوں کی تمنا بر آور ہوئی کیونکہ مولوی محمد اسحاق صاحب پر کسی طرح بھی مولانا بابا کا یہ شرف امتیازی پوشیدہ رہ نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد کی ملاقاتیں اس کا کھلا ثبوت ہیں کہ میلاد شریف تک میں

ہر دو حضرات ساتھ جایا کرتے۔

(۴۱) مولانا بابا علیہ الرحمہ کے روئے مبارک پر حدیث پڑھتے وقت نور حدیث درخشاں رہتا۔ چنانچہ خود آپ نے بیان فرمایا کہ جب میں حدیث شریف پڑھ کر حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جایا کرتا تو حضرت مرشد فرماتے کہ اللہ اللہ یہ نور حدیث۔ روایات بالا بتاتی ہیں کہ یہ ایسی وہبی اور من جانب اللہ تعلیم خصوصی تھی جس میں نہ کسی کا دخل تھا نہ اختیار۔ بلکہ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ. ہے۔

کمال علم قرأت :

(۴۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر شہر میں ایک بھی ایسا قاری ہو جو ساتوں قرأت جانتا ہو تو تمام شہر والوں پر سے فرض ساقط ہو جاتا ہے پھر ارشاد فرمایا کہ باوجودیکہ ہم لڑکے تھے لیکن فرنگی محل کے بڑے بڑے علماء مثل مولوی نعمت اللہ و مولوی ولی اللہ و مولوی ظہور اللہ صاحبان کے ہم سے قرأت سیکھتے تھے میاں نعیم صاحب کے دادا کے اولاد نہ ہوتی تھی انہوں نے ہم سے کہا ہم نے دعا کی تو خدا کے فضل سے ان کے اولاد ہوئی تو ان کے گھر کے بہت سے لوگ ہمارے مرید ہوئے۔

(۴۳) آپ کا محبوب مشغلہ صحت قرآن کریم نیز اختلاف قرأت کی وضاحت تھا۔ شنگرف کی روشنائی سے صحت و قرأت بنایا کرتے اور جس کلام پاک کی مکمل صحت فرمالیا کرتے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہزاروں کی تعداد میں صحت کردہ و قرأت بنائے کلام پاک تقسیم فرمائے جو لوگوں کے پاس اب بھی محفوظ ہیں یہ آپ کا خاصہ تھا کہ اشارات مختصر ہی سے بڑے بڑے نکات آپ حل فرمادیا کرتے۔

قبولیت عامہ :

قطب الارشاد کی دلیل خاص جو کہ قبولیت عامہ ہے وہ (۴۴) مولانا بابا علیہ الرحمہ

کو بچپن سے حاصل تھی انسان تو انسان تھے حیوان مطلق بھی حکم سے سرتابی کی مجال نہ رکھتے تھے چنانچہ آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ بچپن میں ہم نے بھی ایک بار کبوتر پالے ایک بلی نے ایک کبوتر کو پکڑا تو سب لڑکے رونے لگے ہم کو بھی خیال ہوا تو ہم نے بلی سے کہا اسے چھوڑ دے سب لوگ دیکھ رہے تھے کہ بلی نے اسی وقت کبوتر چھوڑ دیا۔

(۴۵) پھر فرمایا گیا کہ بہری آ کر کبوتروں کو اکثر ستایا کرتی لوگوں نے ہم سے شکایت کی ایک دن وہی بہری ہمارے سامنے سے نکلی ہم نے اس سے کہا کہ کبوتروں کو نہ ستایا کرو اس روز سے کبوتروں کو بہری نے مطلق نہ ستایا۔

(۴۶) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بھیڑیا ایک لڑکے کو اٹھائے لئے جا رہا تھا اور لوگ غل مچاتے پیچھے پیچھے دوڑتے آتے تھے یہ شور سن کر ہم بھی باہر نکلے بھیڑیا جب ہمارے سامنے سے گذرا تو ہم نے اس سے آہستہ سے کہا کہ اسے چھوڑ دے تو بھیڑیئے نے فوراً لڑکے کو چھوڑ دیا۔ غور کیجئے خونخوار و گوشت خور درندے بھی اپنی محبوب خوراک کو حکم پاتے ہی سر اطاعت خم کرتے ہیں ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے شکاری جانوروں سے اگر ان کا لقمہ چھینا جاتا ہے تو وہ چھیننے والے پر الٹا حملہ کر دیتے ہیں مگر مولانا بابا کے حکم پر ان کی یہ فطرت بھی بدلی نظر آتی ہے۔

(۴۷) ایک بار آپ چند لوگوں کے بے حد اصرار پر شکار میں تشریف لے گئے باوجود کوشش ساتھیوں کو شکار میں کامیابی نہ ہوئی اور نشانہ خطا کر گئے بادل ناخواستہ واپس آ رہے تھے کہ کچھ ہرن پھر دکھائی دیئے اس مرتبہ لوگوں نے مولانا بابا سے اصرار کیا کہ اب کی آپ نشانہ لگائیں کہ کامیاب گھر تو چلیں مولانا بابا نے بجائے نشانہ لگانے کے بلند آواز سے ہرنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے ایک ہرن ادھر آ جائے اور بقیہ چلے جائیں چنانچہ ایک ہرن پاس آ گیا جسے لوگوں نے پکڑ لیا اور صلاح کی کہ زندہ ہی گھر لے چلا جائے مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس ہرن نے تمہاری

خوشی کر دی اب تم اس کو رہا کر کے اس کو خوش کر دو۔ چنانچہ ہرن لوگوں نے چھوڑ دیا۔

(۴۸) ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم بچپن میں جب لکھنؤ میں پڑھا کرتے تو دلدار علی کے بیٹے علمائے فرنگی محل کو بہت ستاتے ایک دن ہم نے ان سے کہا کہ تم نے بچپن میں فرنگی محل والوں سے پڑھا اب انہیں کو ستاتے ہو بس وہ فوراً مان گئے۔

(۴۹) پھر فرمایا کہ یہ خدا کی دین ہے کہ باوجودیکہ ہماری عمر تھوڑی تھی لیکن ہم جس کسی سے جو کہلا بھیجتے وہ مان جاتا تھا۔

(۵۰) پھر آپ نے اپنا یہ واقعہ خود بیان فرمایا کہ کم از کم ساٹھ برس ہوئے جب کہ ہم لکھنؤ میں پڑھتے تھے تو لکھنؤ میں کسی نے بھی چاند نہ دیکھا لیکن ہم نے ایک اونچی جگہ سے چاند دیکھا اور ایک حکیم صاحب جو اس وقت موجود تھے ان کو بھی دکھا دیا پھر ہم نے اپنے استاد مولوی نور صاحب فرنگی محل سے کہلا بھیجا انہوں نے فوراً روزہ توڑ ڈالا۔ معتمد الدولہ وغیرہ کو خبر ہوئی تو فرنگی محلی والے بہت ڈرے لوگوں نے ہم سے بھی کہا کہ کہیں چھپ جاؤ لیکن ہم سے نہ رہا گیا بلکہ ہم نے خود معتمد الدولہ سے کہلا بھیجا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو وہ فوراً مان گئے اور فرنگی محل والوں کا ڈر جاتا رہا۔ معتمد الدولہ کے مصاحبوں میں ایک شخص ہمارے معتقد بھی تھے انہوں نے معتمد الدولہ سے ہماری بہت کچھ تعریف بھی کی۔

(۵۱) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی سب سے تاباں کرامت مختصر یہی ہے کہ جس کسی پر آسیب یا جن آتا ہوتا تو آپ فرماتے کہ مریض کے کان میں یوں کہہ دو کہ فضل رحمٰن نے تمہیں سلام کہا ہے۔ بفضل خدا وہ بالکل تندرست ہو جاتا۔ صدہا لوگوں نے اسے دیکھا اور ان پر بیت چکا ہے۔ روایات بالا شاہد عادل ہیں کہ بچپن سے اللہ عم نوالہٗ نے فضل رحمٰن پر ایسا فضل رحمٰن رکھا کہ آپ کو پیدائشی قطب کیا اور طفلی ہی سے قطب الارشاد کر دیا اس مقام کی یہی شناخت ہے کہ قطب الارشاد کا نور ارشاد و تمام عالم کو شامل ہوتا ہے اور اس زمانہ کی خلقت کو فیض حق سبحانہ اسی قطب الارشاد کے واسطہ سے پہنچے۔

(۵۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ جب مسجد سے گھر یا گھر سے مسجد تشریف لایا کرتے تو باہر نکلتے ہی کوّے، کبوتر، فاختہ، مینا، بطخ، بکریاں وغیرہ گھیر لیتے آپ فرماتے کہ کمبخثو ہمارے پاس کیا رکھا ہے جاؤ دور ہو مگر وہ گھیرے رہتے تو آپ رام دین بقال کو حکم دیتے کہ ان کو کچھ کھانے ڈال دو۔ اور وہ دو تین سیر کسی قسم کا غلہ ڈال دیتا اور یہ جانور خوش خوش اسے کھانے لگتے۔ ہزارہا مریدین کا یہ چشم دید واقعہ ہے۔ بقیہ واقعات ماسبق ابواب میں ضمناً بیان ہوں گے۔

(۵۳) مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طفلی میں آپ ہم سایہ واہل بستی کے کھلنڈرے بچوں سے جن کی افتادِ طبع ہی کھیل وشرارت ہے جس بات کی ہدایت کرتے یا کسی بات سے منع فرمادیتے تو وہ حکم پاتے ہی رک جاتے۔

شہرت نامہ :

(۵۴) فقر وفاقہ کے مذکور پر ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کو ایک فاقہ مہینہ بھر کا اور دوسرا پندرہ یوم کا کرنا پڑا تھا جب شہرت ہوئی۔ اور فقیر تو ڈیڑھ مہینے ہی میں مشہور ہو گیا۔ یہ تو بھائی خدا کی دین ہے کسی کا کچھ اجارا نہیں۔

حورانِ بہشتی کا سلام :

(۵۵) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم طفلی میں اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر لوگوں نے غل مچایا کہ یہ کوٹھے پر عورتیں کیسی کھڑی ہیں پھر تھوڑی دیر بعد وہ سب غائب ہو گئیں۔ سبحان اللہ کیا مادرزاد قطبیت وعلوئے مرتبت تھی کہ بچپن ہی سے حوریں سلام کو آتی تھیں۔

☆☆☆

چھٹا باب

بعض حالات حضرت مرشدؒ :

ضروری ہے کہ اوّلاً حضرت مرشد خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کا بعض ذکر پیش کرتا چلوں۔

(۵۶) حضرت مرشد بہت بڑے بانسبت یگانۂ دہر غوث عصر کاملین وقت سے تھے آپ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں علیہ الرحمہ کی دعا سے پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد جناب احسان اللہ ملقب بہ خاں صاحب بن نواب ظہیرالدین خاں صاحب (جو بعہد عالمگیری منصب دارشاہی وخطاب خانی ونوابی رکھتے تھے۔) بن حضرت شیخ محمد نقی بن حضرت شیخ عبدالاحد شاہ گل متخلص بوحدت بن حضرت مجدد خازن الرحمۃ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

(۵۷) حضرت مرشد علیہ الرحمہ کو جملہ سلاسل متعارفہ کی اجازت حاصل تھی اسی لئے آپ کا طریقہ جامع برکات جملہ طرق ہے۔ حضرت مرشد خواجہ محمد ضیاء اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور اولا دمجددی سے ہیں۔ حضرت مرشد اپنے مرشد کے وصال کے بعد حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہے اور قطبیت کی بشارت ہوئی۔

(۵۸) کابل تک آپ کے زیرنگیں تھا اور زماں شاہ بادشاہ کابل بھی آپ کا مرید

ہوا۔ حضرت مرشد اس مسجد میں جس میں قبلۂ عالم حضرت خواجہ شاہ محمد زبیر صاحب علیہ الرحمہ نماز پڑھا کرتے تشریف رکھتے بعد نماز اشراق خاص و عام حاضر ہوا کرتے۔

(۵۹) حضرت شاہ غلام علی صاحب علیہ الرحمہ اکثر اپنے مریدوں کو حضرت مرشد کی خدمت میں بھیجا کرتے۔ حضرت مرشد جس پر صادر فرماتے وہ بھی تسلیم کرتے۔

(۶۰) حضرت مرشد علیہ الرحمہ کو طریقۂ نفی و اثبات حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے پہنچا تھا آپ کا سن ولادت ۱۱۶۰ھ ہے سات محرم الحرام بروز چہار شنبہ بعد مغرب ۱۲۵۱ھ کو وصال شریف بہ عمر ۹۱ سال ہوا۔ پنج شنبہ کو مغل پورہ شہر دہلی عقب مسجد مدفون ہوئے۔

بارگاہِ آفاقی کی کرم پاشیاں:

مولانا بابا علیہ الرحمہ جب حاضر آستانۂ عالیہ ہوئے تو کامل الکملاء خواجہ جوہر شناس یہ جان کر کہ یہ تو ہمارے طریقہ کو منور کرنے والا بدر کامل ہے بے حد مسرور ہوئے۔

(۶۱) مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مرشد نے باصرار مجھے پاس بلا کر سینے سے لگایا اور اپنے ہمراہ حرم خانہ میں لے جا کر جنابہ صاحبزادی صاحبہ اور اپنے داماد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے فرمایا کہ ''مولوی فضل رحمٰن کو نذر دو۔ یہ ایک خاص اولاد ہم کو خدائے قدوس نے اور مرحمت فرمائی ہے۔ اسی کاملی اکمل بیٹے کا ہم کو انتظار تھا کہ تمام عالم ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوگا۔'' چنانچہ اسی وقت حضرت مرشد نے مولانا بابا کو بیعت فرما کر اپنے حجرہ میں ٹھہرالیا۔

(۶۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب اوّل بار دہلی گئے تو ہم کو یہ خیال ہوا کہ پہلے یہاں کے فقراء سے مل لیں تب حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں چلیں چنانچہ جب دہلی بارہ کوس (۲۴ میل) رہ گئی تب ہم ٹٹو پر سے اتر پڑے باوجودیکہ ٹٹو والے کو دہلی تک کا کرایہ ادا کر دیا تھا۔ چنانچہ ہم نے پہلے حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ میں فاتحہ

پڑھا پھر آگے بڑھے تو شاہ غلام علی شاہ صاحب کا مکان راستہ میں ملا پس ہم اندر چلے گئے بعد سلام ودعا میں دور بیٹھنے لگا تو شاہ صاحب نے قریب بلا کر اپنے برابر بٹھالیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کون شخص ہے پھر لوگوں نے ہم کو وہاں سے ہٹانا چاہا کہ یہاں بیٹھنا بے ادبی ہے لیکن خود شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ یہیں بیٹھیں گے پھر ہم نے کہا کہ ہم کو حضرت مرشد کا مکان معلوم نہیں تو آپ نے اپنے کسی مرید کو میرے ساتھ کر دیا وہاں پہنچ کر حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے ملا پھر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کے وہاں گیا شب کا کھانا کبھی موصوف کے وہاں کبھی حضرت مرشد کے وہاں کھاتا شب کو شاہ صاحب کے یہاں رہتا اور دن میں حضرت مرشد کے پاس جایا کرتا۔

(٦٣) ایک روز مولانا اعظم علی شاہ صاحب خلیفۂ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت مرشد سے عرض کیا کہ ہم مریدان قدیم پر اتنی عنایت نہیں جتنی مولانا شاہ فضل رحمٰن پر ہے تو حضرت مرشد نے فرمایا کہ تم سب کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ اور مولوی فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے پس جسے خدا چاہتا ہے پس جسے خدا چاہتا ہے اسے میں بھی چاہتا ہوں۔

(٦٤) تیسرے ماہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے یہ کہہ کر رخصت فرمایا کہ میاں فضل رحمٰن تمہارا کام انجام پاچکا اب تم جا کر خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ چنانچہ آپ واپس ملاواں تشریف لائے۔ آپ کا یہ دور قطب الارشادی تھا۔

(٦٤) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے سنا ہوا امراؤ علی خاں رحمانی نے نقل کیا کہ جس وقت مولانا بابا علیہ الرحمہ بارادۂ بیعت حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں دولت کدہ پر چلے تو حضرت مرشد نے اپنے خلفاء مریدین کو مولانا بابا کے استقبال کے لئے دور تک بھیجا اور حضرت مرشد نے فرمایا کہ وہ شخص میرے پاس آرہا ہے جس کی مریدی سے مجھ کو فخر ہے۔

(۶۵) بیان توجہ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب اپنے مرشد کی خدمت میں جاتے تو کبھی توجہ میں بیٹھ جاتے ورنہ اکثر ایک گوشہ میں قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے اور برابر حضرت مرشد سے فیض آتا۔

(۶۶) پھر فرمایا کہ کئی بار ایسا ہوا کہ جب ہم دہلی سے چلے آئے تو دہلی میں لوگوں سے ہماری نسبت حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج وہ مجھ سے فلاں مقام پر توجہ لے رہا ہے اور آج مجھ سے فلاں جگہ فیض لے رہا ہے اس پر ہمارے بعض پیر بھائیوں نے عرض بھی کی کہ حضرت ہم اتنی مدت سے فائز خدمت ہیں مگر مولوی فضل رحمٰن کو یہ بات حاصل ہے اس پر حضرت مرشد نے فرمایا کہ بھائی تم کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ اور فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے کہ وہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ بھائی یہ تو خدا کی دین ہے۔

خلافت :

(۶۷) دہلی سے پہلی واپسی میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ملاواں کی مسجد واقع چھتہ ٹولہ میں قیام فرمالیا اور ریاضت و مطالعۂ قرآن و حدیث میں مشغول ہوئے۔

(۶۸) آپ کے دورانِ قیام ملاواں میں ایک شخص مسمّٰی محبّ علی سکنہ ملاواں نے حضرت خواجہ خواجگان قبلہ خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں فائز ہو کر عرض کی کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب سے سفارش فرمادیں کہ ہم لوگوں کے حال پر توجہ فرمائیں اور حلقۂ ذکر میں بیٹھائیں چنانچہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے حسب ذیل تحریر پر توقیر بدست محبّ علی از روئے حجت ظاہرہ ارسال فرمائی۔ محبّ الفقراء مخلص الفضلاء مولوی فضل رحمٰن بعافیت باشند۔ بعد دعوات ترقیات ظاہر و باطن مطالعہ نمایند دریں جوار فضل پروردگار خیریت وصحت وعافیت آں محبّ الفقراء مدام مطلوب۔ دیر است کہ از حالات خیریت آیات آں محبّ الفقراء اطلاع ندارد۔ ازیں باعث دل

متعلق۔ باید کہ ہموارہ بدست آیندگان ایں سمت از نامجات خیریت آیات دل راخرم می کردہ باشند۔ شمارا اجازت است کہ ہر کہ درطریقۂ عالیہ نقشبندیہ وقادریہ داخل شود او داخل نمایند وبدل متوجہ یاراں باشند۔ ومحبّ علی راتوجہ می وادہ باشند وپیوستہ نویسان حالات باشند۔ زیادہ نورچشماں درازی عمروحیات خوانند وبجمیع یاران ومخلصان فقیر یاران خودرا دعا رسانند۔ ازمیاں عزیز احمد وعطامحمد وفدا محمد واز جمیع صوفیان خانقاہ سلام شوق خوانند۔ از اعظم علی سلام سنت الاسلام ومبارکباد خوانند۔ ازاندرونِ حویلی دعوات خوانند۔ فقط ''فقیر محمد آفاق محمدی''۔۔

(۶۹) تحریرائی تو باادب آپ نے بوسہ دیا۔ کچھ دن بعد ایسا شوق ملاقات نے گدگدایا کہ سفر دہلی پھر فرمادیا کہ دیدار سے بھی لطف اندوز ہوں گے اور مزید اکتساب باطنی بھی ہوگا۔ کچھ روز گذرے تھے کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے حکم واپسی دے کر دوبارہ افادۂ خلق اللہ کی ہدایت فرمادی۔ اس وقت مولانا بابا علیہ الرحمہ منصب قطب الاقطاب پر فائز تھے۔

(۷۰) مرشد علیہ الرحمہ کا شوق زیارت اس قدر تھا کہ ان دونوں سفر کے علاوہ پانچ مرتبہ اور آپ اسی غرض سے دہلی تشریف لے جایا کئے۔

حقیقت بیعت :

ضروری ہے کہ ناظرین کی سہولت کے لئے حقیقت بیعت کا ایک اجمالی خاکہ بھی ہم ہدیۂ نظر کرتے چلیں۔

(۷۱) اگر ہم عہد رسالت پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کیا تھے؟ سب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے مرید ہی تو تھے کیونکہ یہ سب حضرات حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست رسالت پر بیعت کر چکے تھے۔ آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ

بیعت کس قسم کی تھی ذرا اہل عرب پر نظر ڈالئے ان کے مرد اور عورتیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آتے بعض چوری اور ڈاکہ زنی نہ کرنے پر اور بعض زنا وشراب خوری سے بچنے پر بعض صرف توبہ پر بعض محض اطاعت پر بیعت کرتے۔ ہاں بعض اوقات میں خاص بیعت بھی لی گئی جیسے کہ انصار باوجودیکہ مسلمان تھے مگر ان سے اس امر پر بیعت لی گئی کہ جب کوئی مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوگا تو ان کو ساتھ لڑنا پڑے گا۔ مشکوٰۃ باب الفقہ ابی جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔ (متفق علیہ) اسی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آسانی و دوست داری و رنج و غم میں صبر و اطاعت پر اور برگزیدگی پر یعنی آپ مال غنیمت میں اگر اور لوگوں کو ہم پر ترجیح دیں گے تو ہم انصار اس میں مطلق چوں و چرا نہ کریں گے۔ (بخاری و مسلم) اس وضاحت نے یہ ثابت کر دیا کہ کسی شخص سے کسی امر کے کرنے نہ کرنے کا پختہ اور مصمم عہد کا نام بیعت ہے۔ غور کیجئے قتل اولاد، چوری، زنا، شراب خوری وغیرہ پر جن لوگوں نے بیعت کی وہ ان معاصی کے تاحیات پھر مرتکب نہ ہوئے مطلب یہ ہوا کہ بیعت کرنے والا جن امور پر بیعت کر لیتا پھر ان پر بے عذر والہانہ عمل کرتا اور سمجھتا کہ بیعت لینے والے کے ہاتھ بک چکا۔ قرآن کریم نے اسی امر کی تعلیم دی کہ **یَاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ الخ** اے محبوب جب آپ کے پاس مومن عورتیں آ کر اس امر کی بیعت کرنے پر تیار ہوں کہ وہ شرک نہ کریں گی چوری اور زنا اور قتل اولاد نہ کریں گی بہتان نہ لگائیں گی کسی امر میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کی بیعت قبول کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کے لئے دعا مانگیں کہ اللہ واقعی بہت مہربان

اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس اس نہج پر غور کیجئے تو واضح ہوگا کہ بیعت صوفیاء کیا ہے یہی کہ گناہ سے بچیں شرعی امور میں ان کی اطاعت کریں رہا یہ کہ یہ منصب انہیں حاصل کیوں ہے؟ تو اس حقیقت سے انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ صرف صوفیائے کرام ہی نائب رسول بدرجۂ اتم ہیں۔ دورِ رسالت کے بعد دورِ صحابہ پر نظر ڈالئے یہاں بھی آپ کو یہی چیز ملے گی خلفائے اربعہ بھی اسی طرح بیعت لیتے رہے۔ بعدازاں صوفیاء نے یہ سلسلہ جاری کیا۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ اوّل تو صحابہ کرام ظاہری و باطنی کمالات کے خود جامع تھے بلکہ افضلیت صحابہ کا راز ہی صرف یہ ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیر تعلیم رہے اور ان کے ہر فرمان و اشارے پر جان و مال و سر کے نذرانہ پیش کرتے رہے۔ دوئمش یہ صحابہ خود رعایا کہ دین اور دنیا دونوں کے ناخدا تھے ان کی کوششیں اس کے لئے وقف تھیں بنابریں صحابہ کرام کو کسی جداگانہ طریق بیعت کی ضرورت نہ پڑی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب ایسی کوئی ضرورت آ ہی پڑی تو قبولیت و تسلیم حکمرانی اور اقرار اطاعت پر خلفاء و فرماں روایان اسلام نے بیعت لی۔ بیشک جب میں خلافت محض دنیوی سلطنت کا مرکز بن گئی تو پھر صوفیائے کرام نے دین اور دینی کمالات کی بقا کے ماتحت ایک جداگانہ نظام قائم کیا۔ اور دو قسم پر بیعت محدود کر دی اوّل ترک معاصی۔ دوم ترقی روحانی۔ یہی تو وہ وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے بلند نظر مدبّر و صاحب باطن نے حالات کے پیش نظر خرقۂ خلافت حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو عطا فرما کر انہیں مرید کرنے کی اجازت دی۔

دنیوی اور دینی خلافت کا فرق :

آپ اگر اب بھی نہ سمجھے ہوں تو اب ان الفاظ میں سمجھ لیجئے کہ جو خلافت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو من جانب اللہ عطا ہوئی اور حضرت علی مشکل کشا کرم اللہ

وجہہ تک دین و دنیا دونوں میں کفیل رہی اس کے اب دو حصے ہو گئے ایک دنیوی خلافت دوسرا دینی خلافت ۔ دنیوی خلافت تو بنی امیہ نے سنبھالی۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بہ مجبوری اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا اس لئے یہ خلافت محض سیاسی تھی ان کے بعد خود تاریخ شاہد ہے کہ بنی عباس تلوار کے زور سے خلیفہ ہوئے اجازت خلافت کا کہیں پتہ نہ تھا ہاں خلفائے بنی عباس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بیعت تو بہ ضرور لی مگر یہ بیعت محض سیاسی اور ملکی بیعت تھی جس کا منشا اقتدارِ حکومت تسلیم کرانا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی عباس نے کبھی روحانی پیشوا ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا نہ دینی قیادت کے معاملے میں صوفیائے کرام سے انہوں نے کبھی نزاع کیا بلکہ ان صوفیاء کے الٹے وہ خود حلقہ بگوش رہے اسی طرح صوفیاء بھی ان کے ملکی اقتدار کی راہ میں کبھی سدِّ راہ نہ ہوئے بلکہ دینی خلافت اور دنیاوی خلافت دونوں اپنی اپنی جگہ ترقی پذیر رہیں۔ نتیجہ صاف ہے کہ بنی امیہ و بنی عباس کی یہ کسی جانشین پر نہ تھی بلکہ زبردستی کی خلافت تھی برخلاف اس کے یہ دینی خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بہ اجازت بخش کر جانشین فرمایا ماننا ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصلی جانشین صرف صوفیائے کرام ہیں اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلۂ خلافت ان میں اجازت کے ساتھ منتقل ہوتا آیا ہے۔

لزوم پیری و مریدی :

(۷۳) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے لکھا ہے کہ طریقت کا طلب کرنا اور کمالات باطنی کی سعی کرنا واجب ہے کیونکہ ارشاد ربی ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ. اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور کامل پرہیزگاری اختیار کرو۔ غور کیجئے یہ فعل امر وجوب کے لئے مستعمل ہوا ہے کہ کمال تقویٰ حاصل کرنا واجب ہے

پس جب طریقت واجب ہوئی تو پیر کامل کی بھی تلاش واجب ہوئی اس لئے پیری ومریدی لازمی ہوئیں۔ کیونکہ ے

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

خود اس کا ثبوت ہے۔

مقصد مریدی :

ظاہر ہے کہ پہلے لوگ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے گناہوں سے خود بچتے اس لئے بیعت میں بھی خاص احتیاط برتی جاتی اور جب تک مرید کے اندر پورا شوق نہ دیکھ لیتے اور خدا کی طرف متوجہ نہ پاتے اس وقت تک مرید نہ کیا جاتا مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا گناہوں کی طرف رجحان بڑھا تو صوفیاء بھی عام طور سے گناہوں سے روکنے کے لئے مرید کرنے لگے۔ پس مرید درحقیقت وہی ہے کہ جو اپنی بیعت پر قائم رہے اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کا اتباع کرے اوّل مقدمات فرائض وسنن ہیں اس کے بعد دیگر امور کا خیال والتزام کرے اگر یہ ہے تو مریدی بھی نافع ہے یوں تو تجربہ شاہد ہے کہ خود شیخ کامل نے مرید کی لغزش پر آگاہ کردیا ہزارہا واقعات ہیں کہ اولیائے کرام نے عین موقعہ پر پہنچ کر مرید کو مدد دی اور گناہ کے ارتکاب سے روکا۔ لازمی ہے کہ مرید گناہ سے بچنے کا پختہ عہد کرے اگر کوئی گناہ مبادا سرزد ہوجائے تو اس سے فوراً سخت توبہ کرے پھر خود دیکھئے کہ پیر کس کس طرح گمراہ نہ ہونے دینے کا فرض پورا کرتا ہے لیکن مرید ہی میں جب کچھ نہ ہو اور مقصد مریدی ہی فوت ہو تو پیر کا کیا قصور۔

ترقی روحانی :

(۴۷) مکمل بحث سابقہ ابواب میں گذر چکی سمجھانا صرف یہ نکتہ ہے کہ مبداء فیاض

نے انسان کے اندر ترقی روحانی کا مادہ پوری طرح رکھا ہے ہاں حیوانات کو یہ مادہ عطا نہیں کیا۔ روحانی ترقی صرف اسلام سے مختص محض اس لئے نہیں ہے کہ جو چیز انسان کی خلقت میں رکھ دی جائے وہ لازمی عام ہونا چاہئے۔ پس ہنود، بودھ، عیسائی، یہودی سب کو اس انعام سے منعم حقیقی نے مالا مال کیا۔ مگر کمال ارتقاء صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے اگر یہ ارتقاء کمال عام ہوتا تو اجمیر کے جیپال جوگی کی پرواز روحانی حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی کھڑاؤں کا مقابلہ کرنے میں نہ کبھی عاجز ہوتی نہ جیپال اپنا قصور دیکھ کر ضعف کو جان کر اسلام قبول کرتا۔ اسی طرح بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ سے جس جوگی کا مقابلہ ہوا حالانکہ وہ آٹھ روز میں ایک دفعہ ہی دودھ پیتا اور منوں پی جاتا مگر اس کو اعتراف عجز نے اس پر مجبور کر دیا کہ مسلمان ہو کر کمال ارتقائے روحانی حاصل کرے آپ کہیں گے آخر اس کی وجہ؟ تو صرف یہ وجہ ہے کہ انسان کے اندر جتنا خلقی مادہ ترقی کا ہے غیر مہذب والے اتنی ترقی کر کے پھر محدود رہ جاتے ہیں یہ صرف اس بنا پر کہ روح کو اس کے خاطر خواہ اپنے آمر سے حقیقی غذا نہیں پہنچتی اسی لئے روح نہ ترقی پاتی ہے نہ اپنے آمر کے رنگ میں پوری طرح رنگ کر تصرف کے قابل ہو پاتی ہے یہی وہ منزل ہے جہاں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اقرار توحید کے ساتھ اقرارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجبی ہے کیونکہ اقرارِ رسالت سے وہ راہِ مسدود کھل جاتی اور روح حسب خواہش اکتساب کر کے معراج کمال پر پہنچتی ہے۔ نیز چونکہ اگلی سب شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس لئے صرف اسلام ہی کامل ترقی روحانی کا حامل ہے۔

احتیاط ادب سید :

(۷۴) شجرہ کی تفصیل سے یہ واضح ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ اپنے داد ھیالی شجرۂ نسب سے صدیقی البکری ہیں اور اپنی والدہ عابدہ کے داد ھیالی و نانہیالی نسب سے حسنی

حسینی ہیں۔ مگر قربان جائیے کیا پاس ادب تھا کہ کبھی مریدین اگر آپ کو لفظ سید سے خطاب کرتے تو آپ حسن ادب کے لحاظ سے ان مریدین کو احتراز فرمانے کا حکم دیتے۔ نکتہ (۷۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اولاد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی سید کہتے ہیں۔

(۷۶) گیارہ ربیع الاوّل ۱۳۰۸ھ کو عصر کا وقت تھا کہ دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج گیارہویں ہے مولوی یوسف علی صاحب بھوپالی نے ایصالِ ثواب کے لئے بتاشے منگوائے تو مولانا بابا نے دست مبارک اٹھا کر ان پر آیات پڑھیں پھر فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو پہنچے اور دو تین بتاشے خود نوش فرما کر حکم تقسیم دیا۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بچوں کو تقسیم کرنے سے روح بزرگان اور بھی مسرور ہوتی ہے۔ اس ملفوظ گرامی سے نسبت نسب عالی کی وضاحت کے ساتھ حقیقت صحت فاتحہ بھی ثابت ہے۔ جو لوگ شیرینی و فاتحہ کو نادرست کہتے ہیں ان کے لئے یہ سم قاتل ہے۔

نسبت نقشبندی :

(۷۷) یہ نکتہ جلیلہ بھی یہاں سمجھ لینا چاہیئے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تمام خانوادہ چشتیہ ہے مگر خون مادری کی یہ نسبت نقشبندی اس قدر غالب اثر ہوئی کہ آپ نے طریقۂ نقشبندیہ اختیار فرمایا۔

(۷۸) اس طریق نقشبندی کے اختیار پر حضرت مخدوم مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے شکوہ کیا کہ آپ نے تو ہمارا بیٹا ہی چھین لیا حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ اگر میں نے چھینا ہے تو آپ اب واپس لے لیں۔ چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ خاموش رہے۔

نسبت سلاسل اربعہ :

(۷۹) دوسرا نکتہ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیئے کہ علاوہ سلسلۂ روحانی کے ہمارے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نسبی طور پر چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، قادریہ اربع سلاسل سے خونی رشتہ ہے۔

(۸۰) علاوہ ازیں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو طریق چشتیہ اپنے والد سے پہنچا اور حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے چشتیہ قادریہ نقشبندیہ پہنچا بلکہ ہم کو سلسلۂ مداریہ بھی حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے پہنچا ہے۔ **فالحمدللہ** کہ فضل رحمٰن کی سب جگہ کارفرمائی ہے۔

نسبت مصطفائی :

(۸۱) درس حدیث شریف میں وفات سیدنا ابراہیم بن سیدنا محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم کی جب حدیث آئی تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے **اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ** سے **لَمَحْزُوْنُوْنَ** تک پڑھ کر یاد کیا اور اشک بہا کر غمگین ہو کر فرمایا کہ یاد رکھو اگر بطور تعزیت کے اب روئیں اور اِنَّا لِلّٰہِ آلخ پڑھیں تو وہی ثواب ہے جو اس وقت تھا اسی لئے ہم اس وقت روئے کہ ہمارے پیشوا ہیں اور ہمارا ان کا خون ملا ہوا ہے۔ فردوسی ہند سید محمد ابراہیم ہندی فتحپوری نے سچ لکھا ہے کہ

موسوی وعیسوی صورت تھی نسبت آپکی
اور محمد مصطفائی تھی حقیقت آپ کی

شرح اکملت تھی توضیح شریعت آپ کی
فیض رحمت تھی تکمیل طریقت آ پ کی

ایک یہ گھر ہے جو گویا مکتب جبرئیل ہے
ورنہ دینی مدرسوں میں موسمی تعطیل ہے

(۸۲)۱۴ ارشعبان چہارشنبہ بوقت درس بیان اَیْتَان جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامِ فِیْ بَیْتِهَـا کی حدیث آئی یعنی جبرئیل علیہ السلام کا علاوہ دیگر ازواجِ مطہرات کے صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنا۔ تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض بات کیوں چھپاؤں ہماری زوجہٗ اوّل جب حیات تھیں اور ہم ان کے ساتھ جب کہ بیٹھے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے۔

(۸۳) اسی طرح ہمارے احمد (دادامیاں) کی والدہ اور ہم جب ایک بستر پر ہوتے اس وقت بھی آنحضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف ارزانی فرمایا کرتے جسے والدہٗ احمد (میاں صاحب) نے بھی کئی بار دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ اس قرب و تخصیص نسبت مصطفائی کا کچھ ٹھکانا ہے۔

(۸۴) ایک پیرزادے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آئے تو آپ کو دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے بعد افاقہ مولانا بابا نے دریافت کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جمال مہر رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیہوش ہوگیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ بس ایک ہی جھلک میں تمہارا یہ حال ہوگیا۔

(۸۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ اندر جاؤ مجھے شرم دامنگیر ہوئی تو پھر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں اندر جاؤ۔ پھر میں ادباً اندر گیا تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مجھے اپنا بیٹا کہہ کر سینۂ مبارک سے لگالیا۔ سبحان اللہ۔ کیا قربیت و عالی نسبتی اور کس قدر بارش کرم ہے نسبت مصطفائی کی اس تخصیص نے تو آپ کو سراپا فضل رحمٰن بنا دیا۔ اسی

ضمن میں چند کوائف باہرہ اور ملاحظہ ہوں۔

(۸۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کرتے بس نماز پڑھ لیتے ہیں نماز میں بلاقصد وارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے ہم کو اٹھارہا بٹھارہا ہے حضرت فاطمہ زہر علیہا السلام خواب میں تشریف لاتی ہیں اور اپنے سینہ اطہر سے ہم کو لگالیتی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح پیار کرتی ہیں اور جب بیمار ہوتا ہوں اس وقت بھی تشریف لاتی ہیں بس اسی وقت سے اچھا ہو جاتا ہوں۔

(۸۷) بوقت درس حدیث معراج شریف وَرَأَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ الخ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو حضرت ابراہیم اور ان کی بیویاں حضرت ہاجرہ و حضرت سارہ پیار کرتی ہیں۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

(۸۸) ایک مرتبہ حضرت مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ شب سے پہلے سندیلہ تشریف لائے اور یکا یک صبح کو لکھنؤ کی تیاری کر دی تو چودھری نصرت علی صاحب وان کے چچا چودھری حشمت علی صاحب تعلق داران سندیلہ حاضر آئے اور التماس کیا کہ اس قدر جلدی کیوں فرمائی جاتی ہے کسل سفر بھی تو ابھی دور نہیں ہوا سب سواریاں موجود ہیں جس کا حکم ہو وہ حاضر کر دی جائے گی کسی اور روز تشریف لے جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو ایک بہت ضروری کام ہے سواری آنے تک کا بھی انتظار نہیں کر سکتے مختصر یہ کہ آپ اپنے ذاتی کرایہ سے ٹٹو لے کر جانے پر راضی ہوئے اور جب تک ٹٹو آئے پا پیادہ چل دیئے مگر فوراً عقب سے ٹٹو ارسال کیا گیا جو آپ کو اثنائے راہ میں ملا اور آپ سوار ہو کر تشریف لے چلے اور ایک شب بعد واپس بھی تشریف لے آئے۔ چودھری حشمت علی صاحب نے موقعہ پا کر دریافت کیا کہ حضورِ والا کیا ایسا ضروری کام تھا جو اس قدر تکلیف اٹھا کر زحمت سفر برداشت کی گئی اور فوراً ایک ہی شب قیام کر کے واپسی فرما دی گئی ہم لوگ حاضر خدمت تھے کسی کو حکم ہو جاتا تو دیگر حاضرین

نے بھی تائید کی اس پر بہت ہی رازدارانہ طور پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے اس وجہ سے بلایا تھا کہ حضرت بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام میرے یہاں تشریف لائی ہیں تم بھی آ کر ملاقات کر جاؤ اسی واسطے ہم فوراً چلے گئے جب ہم حضرت شاہ مینا صاحب کے پاس پہنچے تو وہ ہم کو اپنے ساتھ اس خیمہ تک لے گئے جو محض نور کا تھا۔ اور ہم سے کہا کہ تم خیمہ میں چلے جاؤ۔ ہم خیمہ میں گئے مگر آنکھیں ادباً جھکائے رہے کہ خود بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اٹھ کر ہم کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور ہمارے سر پر دست شفقت پھیر کر رخصت کر دیا جب ہم خیمہ سے باہر نکلے تو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے بھی رخصت دے دی تو اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۸۹) ایک مرتبہ محمد واصل صاحب کے مکان سندیلہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ تشریف فرما تھے ایک روز مسجد میں بعد نماز عصر مشرق رو نماز پڑھا کر تشریف رکھے تھے اور آپ کے بالکل متصل جانماز رکھی تھی کہ اسی وقت چودھری محمد امیر صاحب رئیس گدن پور حاضر ہوئے نذر پیش کرتے وقت جب چودھری صاحب خمیدہ ہوئے تو ان کے دونوں پیر اس جانماز پر پڑ گئے تو مولانا بابا نے ان سے فرمایا کہ تم کو سوجھتا نہیں کہ جانماز پر پیر رکھے دیتے ہو۔ چودھری صاحب جو آپ کے مرید سید و نیک آدمی تھے بآہستگی بولے کہ میرے پیر تو نجس بھی نہ تھے بلکہ میں باوضو تھا مگر میرے تو صرف پیر پڑ گئے کیا حضرت خود اسی جانماز پر پورے جسم سے بیٹھتے نہیں؟ اتنے میں مولانا بابا نے کشف سے معلوم کر کے چودھری صاحب و حاضرین سے رازدارانہ طور پر فرمایا کہ تم جانتے نہیں اس جانماز پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اور ہم سوا نماز پڑھنے کے کبھی اس پر نہیں بیٹھتے۔ اسی لئے اس قدر احتیاط و تعظیم کرتے ہیں۔ کسی شخص نے انہیں حاضرین میں سے سوال کیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی جسم

سے تشریف لاتے اور نماز پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اسی جسم مقدس سے رونق افروز ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں نیز ہم بھی خدا کے فضل سے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں پنج وقتہ اقتدائے نماز کرتے ہیں۔ پھر راز داری کا اشارہ فرمایا۔

(۹۰) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایسا بیمار ہوا کہ کسی کو میرے بچنے کی امید باقی نہ رہی تو ہمارے بیٹے احمد (میاں صاحب) نے دیکھا (عالم مثال میں) کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تشریف لائے اور فرمایا کہ اس کی ابھی بہت عمر ہے۔ تو صبح کو میں اچھا ہو گیا۔

(۹۱) پھر فرمایا کہ ہمارے گھر میں (حرم ثانی) کچھ پڑھی لکھی نہ تھی ہم اور وہ سوتے تھے کہ تمام گھر معطر ہو گیا۔ وہ گھبرا اُٹھیں میں نے کہا کہ گھبراؤ مت جہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں وہ جگہ معطر ہو جاتی ہے۔

(۹۲) پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری والدہ صاحبہ کی آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی کچھ یوں ہی سا دیکھ لیتی تھیں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور اچھا خاصا دیکھنے لگیں پھر جب ہماری والدہ کا وصال ہوا تو ہم ہی نے ان کو دفن کیا اس وقت بہت کچھ دیکھا وہ کہہ نہیں سکتے۔

(۹۳) اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں شک ہوا تو وہ امام اعظم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے خود دریافت کر لیتے ہیں اور جن کو زیادہ رسائی ہوئی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود صحت کر لی روایت مذکورہ میں ذات گرامی سے کنایہ بالکل آئینہ ہے۔ جیسا آگے آتا ہے پوچھ لینا کیا بڑی بات ہے قاری حدیث تک کو دربارِ رسالت میں پہنچا دیتے۔

(۹۴) آپ اکثر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر مرید بھی کیا کرتے تھے۔

آپ کر لیتے تھے آنحضرت سے تصحیح حدیث
اللہ اللہ کس قدر عالی تھی نسبت آپ کی

مصطفیٰ سے پوچھ کر کرتے تھے مولانا مرید
بیعت خیرالوریٰ گویا تھی بیعت آپ کی

روایات بالا خود اپنا آپ ثبوت ہیں اسی منزل میں ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح مولانا بابا اتباع سنت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اسی طرح مبدأ فیاض نے آپ کو معراج قربیت و معیت مصطفائی بھی علیٰ وجہ الکمال عطال فرمائی تھی۔ یہاں اگر کوئی چیز تھی تو اتباع سنت پر عمل تھا۔

(۹۵) چنانچہ مولانا بابا نے حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے نقل کیا کہ آپ نے ارشاد کیا کہ اخلاف باوجودیکہ دسوں لطائف طے کرتے ہیں لیکن قُدماء کو نہیں پہنچتے جو صرف لطیفۂ قلب طے کیا کرتے کیونکہ ان اسلاف کا عمل کی وجہ سے مقام عالی ہو جاتا تھا۔

(۹۶) اسی بنا پر مولانا بابا اکثر فرماتے کہ اتباع سنت ہی قطبیت اور غوثیت ہے۔ بحمداللہ آپ کا عمل بھی اس قدر مکمل تھا کہ سنت و واجبات کا تو بڑا درجہ ہے مستحبات تک آپ سے نہ چھوٹے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ سنت خلفاء و بزرگان دین بھی آپ نے ادا فرمائی ہیں۔

(۹۷) مولانا بابا نے ایک بار دادا میاں صاحبؒ سے دریافت فرمایا کہ ہم میں اور مرزا صاحبؒ میں نسبتاً کیا فرق ہے دادا میاںؒ نے فرمایا کہ ایک بات میں آپ کو مرزا صاحب پر فوقیت حاصل ہے کہ قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خاص طور پر حاصل ہے اور اس بات پر مرزا صاحب کو آپ پر ترجیح حاصل ہے کہ مرزا صاحب کے بہت سے خلفاء تھے تو مولانا بابا نے خوش ہو کر فرمایا کہ جا ہم نے تجھے سب کچھ دیا اس

روایت نے خود ہی پوری حقیقت بے نقاب کردی۔ مختصر یہ کہ آپ کی ادراک حقیقت ہماری فہم سے باہر ہے۔

قسم اللہ کی جوہر نہ تو جانے نہ میں جانوں
خدا جانے کہ اس نے کیا بنایا فضل رحمٰن کو

(۹۸) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ عذر میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کچھ فکر نہ کرو بس ہمیں اطمینان ہو گیا۔

(۹۹) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے مجذوب کہ جن کے جذبے کو شاہ غلام علی صاحب بھی مانتے تھے آئے تو ان کا عذاب جاتا رہا اور میرے پیچھے وضو کر کے نماز پڑھی تو میں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمہاری نسبت کے آگے ان کی کیا حقیقت ہے۔

(۱۰۰) اسی ضمن میں مولانا بابا نے فرمایا کہ جس کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوتی ہے تو آپ کے معجزے اس ولی سے کرامت ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس ارشاد نے سارے شکوک کو ازالہ کر دیا بلکہ نبوت اور ولایت کا اصلی رابطہ واضح کر دیا۔

(۱۰۱) اسی ضمن میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نسبت دو قسم کی ہوا کرتی ہے ایک وہبی دوسری کسبی۔ بحمد اللہ میری نسبت وہبی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے یہ چیزیں خود منظر عام پر آ گئیں کہ آپ کی ولایت، علم، من جانب اللہ اور وہبی ہے اور قربیت و خصوصیت نسبت محمدی میں جو مخصوص رتبہ آپ کو حاصل ہے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص پیار و کرم ہے۔ عمل بالتقویٰ و اتباع سنت ہی آپ کی وہ شان امتیازی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی یہی آپ کا وہ سرمایہ ہے جس سے خدا نے آپ کو چاہا سید دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چاہا اور نوازا اور سیدۂ جنت بی بی فاطمہ علیہا السلام نے آپ کو اپنا بیٹا بنایا۔

(۱۰۲) محمود خاں صاحب قندھاری (جو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے پیر بھائی) نے جب مولانا بابا کولڑ کائیں میں دیکھا تو فرمایا کہ یہ ذات کئی سو برس بعد پیدا ہوئی ہے۔

(۱۰۳) اسی بنا پر حضرت غلام علی شاہ صاحب خلیفہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ یہ وہ نور ہے جو مشرق سے مغرب تک روشن کر دے گا۔

(۱۰۴) حضرت بحر العلوم مولانا عبدالحئ صاحب فرنگی محلی نے اسی وجہ سے فرمایا کہ جس نے صحابہ کو نہ دیکھا ہو وہ حضرت مولانا گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ کو دیکھے۔

خدا کے پنج تن کے چار یاروں کے حسیں جلوے
جناب فضل رحمٰن میں ہیں پنہاں دیکھنے والے

(۱۰۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور نماز پڑھی ہے جو کوئی اس مسجد میں قدم رکھے گا اس کی عاقبت بخیر ہوگی۔

(۱۰۶) دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ سے بھی یہی مسموع ہوا ہے۔

(۱۰۷) مولانا بابا نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضرت غوث پاک اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہما آتے ہیں۔

(۱۰۸) مولوی شاہ محمد علی صاحب رحمانی مونگیری نے بیان کیا کہ میں نے خود مسجد فضل رحمانی میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت غوث الاعظم رضوان اللہ علیہما کو تشریف فرما دیکھا ہے یہی وہ چیزیں ہیں جس کو سمجھ کر ہر دل یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہے کہ

نبی سے اس قدر مخصوص یہ تھے قرب و نسبت میں
کیا کرتا تھا خاطر فضل رحمٰن فضل رحمٰنؒ کی

☆☆☆

ساتواں باب

ازدواج واولاد :

(۱۰۹) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی والدہ جو حضرت تراب علی شاہ قلندر کاکوروی علیہ الرحمہ سے بیعت تھیں جب تنہا رہ گئیں تو آپ کا ارادہ ہوا کہ بیٹے کی خانہ آبادی اگر کرلیں تو کچھ نہ کچھ دلبستگی کا سامان ہوگا چنانچہ آپ کا عقد اوّل دختر محمد عطاء اللہ صاحب ولد مولوی غلام امام صاحب برادر مولانا شاہ محمد فیاض صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے قرابت ملاواں میں ہوا جن سے دو صاحبزادے اوّل شاہ عبدالرحمٰن صاحب بعدہٗ شاہ عبدالرحیم صاحب ہوئے۔ شاہ عبدالرحمٰن صاحب سے ایک صاحبزادے ہوئے جن کا نام بھی عطاء اللہ صاحب تھا مگر ان کی اولاد سب صغرسنی میں فوت ہوگئی۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے مولوی شاہ عبدالرحیم صاحب کے دولڑکے ہوئے اوّل شاہ تبارک حسین دوسرے شاہ حامد حسین عرف مدے میاں پھر ایک دختر ہوگئیں جو مولوی محمد رضا صاحب سندیلوی مولود خاں کو منسوب ہوگئیں۔ ان صاحبزادی کی پیدائش کے کچھ روز بعد ہی مولانا بابا علیہ الرحمہ کی حرم اوّل کا وصال ہوگیا جو خانقاہ ملاواں میں مدفون ہیں۔

ورودِ گنج مراد آباد :

(۱۱۰) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے میاں محبّ علی سکنہ ملاواں کے بدست حضرت مرشد کا مکتوبہ خلافت نامہ پا کر احترام حکم مرشد پر جب ہدایت کا آغاز کیا تو لوگوں نے بجا

ئے قبول نصیحت اور تکلیفیں دینا شروع کر دیں ایک تو یہ حالت دوسرے حرم اوّل کا وصال تیسرے گنج مراد آباد میں ایک پیغمبر خدا کا مزار شریف اور بعض جلیل القدر اولیائے کرام کے سبب بجائے کسی اور طرف عازم ہونے کے آپ نے گنج مراد آباد کو ترجیح دی اور ملاواں سے ترک وطن فرما کر ۱۲۲۳ھ میں خود مع والدہ صاحبہ اور ایک بکری کے گنج مراد آباد میں نزول اجلال فرما کر سنت ہجرت ادا فرمائی بحساب سن آپ کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ گو اس سے بہت پہلے آپ کے مرشد نے خلافت نامہ قیام ملاواں میں بھیج دیا تھا۔ جتنا بھی غور کیا جائے منعم عم نوالہ کا کرم اور بھی بے نقاب ہو جاتا ہے کہ یہ صغر سنی اور قطب الارشادی کا دور دورہ۔

(۱۱۱) دوبارہ جب آپ مرشد کی یاد میں مکتوب مذکور پا کر بے قرار ہوئے تو دہلی تشریف لے جاتے وقت سترہ سال سے متجاوز نہ تھے کہ آپ کو عہدہ قطب الاقطاب تفویض ہو چکا تھا۔

قیام مسجد :

(۱۱۲) گنج مراد آباد میں ایک مسجد قدیم عہد شاہی کی مع مقبرہ تھی اسی جگہ کو آپ نے پسند فرمایا جو آج مسجد فضل رحمانی ہے۔

(۱۱۳) متاع دنیاوی میں آپ کے پاس ایک باند کی بنی ہوئی چارپائی ایک تین چار ہاتھ کی چوبی چوکی ایک پانی کا گھڑا۔ کھجور کی چٹائی، کلوخ و پانی کا بدھنا تھا۔

(۱۱۴) آپ کی بکری ملازم کا کام دیتی جب آپ کی والدہ کو ضرورت آپ کی ہوتی تو وہ بکری سے آپ کے پاس جانے کے لئے فرماتیں آپ کے پاس آتی اور آپ اس کے ساتھ زنان خانہ تشریف لے جاتے۔

(۱۱۵) اصل مقصد بکری پالنے کا نہ دودھ کی حاجت تھی نہ کسی اور سبب سے بلکہ اس

کو چرا کر آپ سنت انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔

شکایت بے حرمتی تعزیہ :

(۱۱۶) مسجد کے ایک گوشہ میں دروں کے اندر تعزیہ رکھے تھے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے مسجد سے تعزیہ ہٹا کر فرمایا کہ اس کو مقبرہ وغیرہ میں رکھو مسجد تو عبادت کی جگہ ہے۔ ایک بدخواہ مخبر نے نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ سے بڑھا چڑھا کر مخبری کی کہ حضرت مولانا بابا نے تعزیوں کی سخت بے حرمتی کی ہے بادشاہ لکھنؤ کی طلبی پر مولانا بابا علیہ الرحمہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ یہاں جو اہل کار اپنے ہمراہ آپ کو لینے آیا اسے خود بھی آپ نے دکھلایا کہ میں نے کوئی بے حرمتی نہیں کی ہاں عبادت کی جگہ سے یہاں منتقل کر دیا ہے۔ اہل کار نے عرض کیا کہ بالکل درست ہے مگر آپ کو لکھنؤ تک تکلیف بہر حال کرنا پڑیگا پس آپ کو ایک بیل گاڑی پر بٹھا کر لے گئے۔ لکھنؤ پہنچنے سے قبل بادشاہ لکھنؤ کے میر منشی نے جو مولانا بابا کے رشتہ دار بھی تھے شاہ لکھنؤ سے آپ کے محامد ومناقب بتا کر کہا کہ مولانا بابا بڑے محبّ اہل بیت ہیں ان سے تعزیہ کی مشہور کردہ بے حرمتی ناممکن ہے اتنے میں مولانا بابا صاحب بھی تشریف لے آئے تو شاہ لکھنؤ نے آپ کا بڑا احترام کیا دریافت حال پر یہی ثابت ہوا کہ صرف جائے عبادت سے تعزیہ دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے تو شاہ لکھنؤ نے اس تکلیف پر معذرت خواہ ہو کر دو ہزار روپیہ نذر پیش کی اور بصد عزت رخصت کیا فجر مخبر زرد رو ہوا۔ مولانا بابا نے وہ نذرانہ وہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا جس کو دیکھ کر لوگوں نے اور بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ اور آپ واپس آ کر مقیم مسجد ہوئے۔

لغو روایت :

(۱) ہم کو یہ دیکھ کر بے حد رنج ہوا کہ کمالات رحمانی صفحہ ۲۲۷ میں یہ مسطور ہے کہ

آپ نے جوش شریعت میں آگ لگادی۔(۲) تلنگوں کی دوڑ آئی۔(۳) پائے مبارک میں لوہے کی بیڑیاں ڈالی گئیں۔(۴) محمد جعفر خاں ساکن سندیلہ جو راجہ گوالیار کے یہاں میر منشی تھے نے نواب لکھنؤ کو چھوڑ دینے کا خط لکھا۔ان بے سروپا باتوں کا ہم جواب ہی کیا دے سکتے ہیں مؤلف کا دعویٰ ہے کہ میں نے تصدیق واقعات حضرت قبلہ مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب مدظلہ سے کی ہے یہ اس لئے صحیح نہیں کہ اصحاب سجادہ مدظلہ کا وہی بیان ہے جو ہم نے تحریر کیا۔ بلکہ جہاں جہاں بھی ہم نے غلطیوں پر توجہ دلائی ہے وہ اسی بنا پر والد صاحب قبلہ سجادہ نشیں مدظلہ کے بیان کردہ سے مطابق نہیں۔بیڑی ڈالنے، تعزیہ جلانے اور محمد جعفر خاں کی سفارش وگرفتاری بالکل بے بنیاد چیزیں ہیں۔

ایک اور تصحیح :

(۱۱۷) کمالات رحمانی صفحہ ۲۱ پر ''کیونکہ مقام درویشی میں آپ کا مقام تارک تھا۔'' مسطور ہے افسوس یہ دیکھ کر اور بھی ہوتا ہے کہ مؤلف نے مقام درویشی تو پہچان لیا لیکن تارک کی تعریف نہ جانی۔تعجب یہ ہوتا ہے کہ کیسے حاضر لوگ تھے کیونکہ حضرت بابا علیہ الرحمہ کے پاس اوّل سے آخر دم تک یہی بوریہ بندھا رہا کیا۔اگر ذرا دیر کو صاحب کمالات رحمانی کی بات کی ہم تائید بھی کسی طریقہ پر کرنا چاہیں تو بھی صد افسوس نہیں کر پاتے کیونکہ اس حالت میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا بابا آخر عمر تک تارک کے درجے ہی پر رہے کیونکہ یہی چیزیں آخر عمر تک آپ کے ساتھ ہیں حالانکہ ایک سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر رہ نہیں سکتا کہ اس سے زائد جامع توکل اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔مسئلہ سلوک یہ ہے کہ جس شخص کا درجہ تارک ہوتا ہے اس کو متاع دنیوی ہی سے ترک ضروری نہیں ہوتا بلکہ اہل دنیا سے بھی ترک لازمی ہوتا ہے دویمش ایک تارک سے افادۂ خلق اللہ اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک وہ مقام ترک میں

رہتا ہے نیز مولانا بابا علیہ الرحمہ سے حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے اوّل حاضری میں فرمایا کہ میاں فضل رحمٰن تمہارا کام انجام پاچکا اب تم جا کر خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ یہ چیز مقام ترک کے بالکل معارض ہے۔

عقد ثانی :

گنج مرادآباد کی مخلوق بھی اگرچہ بے راہ احکام خداوندی سے ناآشنا۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑ جانے والی اور نشۂ ریاست میں بدمست تھی مگر قدیم خاندان نوابین وعالی نسب ہونے کے باعث اخلاق آشنا۔ متواضع اور وضع پر مٹ جانے والے لوگ ضرور تھے جو تھوڑے دنوں میں اس غوث وقت کے معتقد اور معترف ہو گئے۔

(۱۱۸) اگرچہ کچھ نااہل موجب تکلیف اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ رہے نہ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ کے عہد میں ان کی رگ عناد چین سے بیٹھ سکی نہ والد صاحب قبلہ کے وقت میں ان کے جذبات بغض نے خود ان کو سکون لینے دیا نہ ہم ان سے مامون رہ سکے لیکن اس فضل رحمانی سے وہ کیسے اعلان جنگ کر سکتے تھے جو ان کی ہر تخریبی کاروائی کو خود ان کے لئے سم قاتل بناتی رہی۔ بہرحال رؤسائے قصبہ حاضر خدمت رہنے لگے اور عقیدتاً ان ہی حضرات نے تحریک شادی کی چنانچہ دیوان میر کریم بخش صاحب علوی کی بھتیجی صاحبہ سے مولانا بابا کا یہ عقد ثانی ہوا۔

کریم شیر صاحب علوی :

(۱۱۹) صاحب کمالات رحمانی صفحہ ۲۲ پر ناقل کہ غل مچا کہ لڑکی رئیس زادی ہے اور اس مرادآباد کے زمینداروں کی مالک ہے ایک مفلس آدمی سے کیوں عقد ہوتا ہے الخ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ نواب میر کریم شیر صاحب علوی قیوم اوّل حضرت خواجہ معصوم ایشاں علیہ الرحمہ سے بیعت اور شہنشاہ عالمگیر علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے وہ اگرچہ بقید

حیات نہ تھے مگر موصوفہ حرم ثانی کے والد صاحب وان کے اعزا جو مولانا بابا کے معتقد ہو چکے تھے نے از راہِ حسن عقیدت یہ سعادت حاصل کی تھی قسّام ازل کی منشاہی یہ تھی کہ اس طرح نا اہل مخالفین بستی کا زور ٹوٹ جائے۔

(۱۲۰) نواب کریم شیر صاحب علوی سید تھے نواب اور خان صاحب کا خطاب دربار عالمگیری وشاہجہانی سے پائے تھے اور بہت بڑا علاقہ ضلع بستی تک آپ کے زیر اہتمام تھا۔ میر صاحب کے دو بیٹے تھے نواب مراد شیر علوی، نواب سلطان شیر علوی۔ یہ ہر دو بھی دربار شاہجہانی کے خطاب یافتہ تھے۔

(۱۲۱) چنانچہ میر صاحب نے اس قصبہ کو اپنے بیٹے مراد شیر صاحب کے نام پر آباد کیا اور مراد آباد وجہہ تسمیہ ہوئی دوسرا قصبہ سلطان گنج شیر صاحب کے نام پر آباد کیا۔ مراد آباد سنبھل سے اشتباہ کی بنا پر اس گنج مراد آباد موسوم کیا گیا کریم شیر صاحب کا مرقد روضۂ شریف کے وسط میں ہے جس کے داہنے قیوم دوراں دادا میاںؒ اور بائیں جانب غوث زماں مولانا بابا رحمۃ اللہ علیہم محو خواب ہیں۔

اولادِ حرم ثانی :

(۱۲۲) مولانا بابا کی حرم ثانی سے اولاً جد بزرگوار قیوم دوراں حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ پھر ایک صاحبزادی مسماۃ شفقت بی بی پھر ایک صاحبزادے حضرت سید محمد عرف سیدو میاں صاحب جو مادر زاد ولی مجذوب تھے پیدا ہوئے۔ شفقت بی بی کا عقد مسمّٰی سید احمد شاہ صاحب ولد سید محمد شاہ صاحب سکنہ مقام کلھوا بندھن ضلع اعظم گڑھ جو سید میر حیات قلندر علیہ الرحمہ کی اولاد میں تھے سے ہوا شفقت بی بی صاحبہ کا مزار شریف بہ سمت حصۂ جنوبی خانقاہ شریف میں واقع ہے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک کا انتقال ہو چکا بقیہ بقید حیات ہیں سید احمد شاہ نے موصوفہ بی بی

کی حیات میں ایک نور باف قوم کی عورت سے عقد کرلیا جس سے حرم اوّل کافی ملول خاطر رہنے لگیں سید صاحب کی ان حرم ثانی سے بھی اولاد ہے جس میں ایک فوت باقی بہ قید حیات ہیں۔سید و میاں صاحب کا ذکر آگے آرہا ہے۔

عقد سویم :

(۱۲۳) مولانا بابا کی حرم دویم کا وصال شریف ۱۳۰۲ھ میں ہوا۔اس وقت والد ماجد حضرت صاحب سجادہ مدظلہٗ تین برس کے تھے۔ان بی بی صاحبہ کے وصال کے بعد مولانا بابا صاحب نے کئی برس عقد نہ فرمایا لیکن انثیین میں زخم ہوجانے کی وجہ سے آپ کو طہارت میں سخت دقت واقع ہونے لگی اس اثنا میں مسماۃ مریم بی بی نے جو عرب سے مولانا بابا سے بیعت ہونے آئی تھیں حرم سویم ہونے کا فخر حاصل کیا موصوفہ نے آخر عمر کے تقریباً سترہ سال نابینا رہ کر گذارے دادا میاں رحمۃ اللہ علیہما کے وصال کے بعد بھی موصوفہ نے چودہ پندرہ سال بقید حیات رہ کر گذارے باغ تربوز والا میں محو خواب ہیں۔

قیوم دوراں علیہ الرحمہ :

(۱۲۴) حضرت قیوم دوراں دادا میاں علیہ الرحمہ کی خانہ آبادی بھی اُسی خاندان نوابیں دیوان کریم شیر صاحب علوی کی پوتی صاحبہ دختر نواب مظفر علی صاحب علوی سے ہوئی جن کو بی بی صاحبہ کہا جاتا ہے۔آپ سے پانچ دختران اور دو صاحبزادے ہوئے اوّل صاحبزادی مسماۃ جمعیت بی بی اوائل بلوغ میں اور پانچویں صاحبزادی صغرسنی میں داغ مفارقت دے گئیں ہر دو کے مزارات خانقاہ رحمانیہ میں ہیں باقی تین دختران کے بعد اوّل صاحبزادے حضرت مولانا شاہ قبلہ رحمت اللہ میاں صاحب سجادہ مدظلہٗ ۲۹ رجب ۱۲۹۹ھ کو اور چھوٹے صاحبزادے امام الکلام حضرت مولانا شاہ نعمت اللہ

میاں صاحب مدفیضہٗ ۴ ربیع الاوّل ۱۳۰۸ھ کو پیدا ہوئے ہر دو برادران کا تفاوت عمری نو برس ہے ہماری دِلی دعا ہے کہ ہر دو برادران جلی البرہان کا سایۂ عاطفت ہمارے اور مریدین کے سروں پر منعم حقیقی تا دیر قائم رکھے آمین۔

خانہ آبادیاں :

(۱۲۵) دختر صاحبہ عابدہ بی بی منشی نیاز احمد صاحب سکنہ ملاواں کو بیاہی گئیں کوئی اولاد نہ ہوئی صرف موصوفہ بقید حیات ہیں۔

(۱۲۶) تیسری دختر صاحبہ صغریٰ بی بی زوجہ چودھری احسان احمد بانگرموی تھیں جو فوت ہو چکیں۔

(۱۲۷) چوتھی دختر صاحبہ راحت بی بی قاضی سعید اللہ مچھلی شہری کو منسوب ہوئیں۔ شوہر و زوجہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔

(۱۲۸) صاحب سجادہ عالیہ مدظلہٗ کی خانہ آبادی قاضی اشفاق حسین صاحب ولد قاضی خیرات حسین صاحب کی دختر سے ہوئی جو موضع حضرت پور تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی کے متوطن تھے آپ کی دو اولادیں ہوئیں جو صغر سنی میں فوت ہو گئیں۔

(۱۲۹) امام الکلام مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی خانہ آبادی میر سرفراز علی صاحب علوی رحمانی سکنہ فیض آباد کی دختر صاحبہ سے ہوئی جن سے اولاً کئی دختران پیدا ہو کر داغ مفارقت دے گئیں چھ سات سال بعد ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو افضال رحمٰن عرف بھولے میاں اس کے بعد ۲۵ صفر ۱۳۳۶ھ کو احمد رحمٰن عرف محمد میاں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ میں میری والدہ کی وفات حسرت آیات نے نیم جاں کر دیا۔

(۱۳۰) بعدازاں امام الکلام صاحب مدظلہٗ عقد ثانی مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی کی دختر سے ہوا جن سے اولاً آفاق الرحمٰن پھر ولی الرحمٰن بعدہٗ ایک دختر پھر جلیل الرحمٰن پیدا ہوئے۔

غوث زماں کا وصال شریف :

(۱۳۱) بظاہر یہ چند سطریں ہیں لیکن رنج والم کے دفاتر ہیں یکم ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ سے مزاج کچھ زائد ناساز رہنے لگا کر کمال اتقا یہ تھا کہ ایک وقت کی بھی نماز نہ چھوٹی۔ پھر آپ کے سینے میں درد پیدا ہوا جس سے خلش تکلیف اور بڑھی گو یہ بظاہر مرض تھا مگر بباطن خدا سے ملنے کا بہانہ تھا اسی حالت میں ۲۲/ربیع الاوّل کا دن آیا تو استغراق بہ حضرت حق اور زائد ہو گیا آپ جناب احدیت کی یاد میں ان تکالیف کے باوجود تسبیح وتہلیل سے مصروف تھے کبھی رَبِّ سَهِّلْ كُلَّ صَعْبٍ بھی زیر لب ہوتا۔ غرضیکہ عصر و مغرب کے درمیان مکان دنیاوی سے مکان اخروی میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ و راجعون۔ مَاتَ قُطْبُ الْهِنْدِ نیز رَضِیَ اللّٰهُ كَافِيًا عَنْهُ ۔ سے ۱۳۱۳ھ نکلتی ہے۔

وصال دادی صاحبہ :

(۱۳۲) ہماری دادی صاحبہ (بی بی صاحبہ) کا وصال شریف ۱۳۲۸ھ بتاریخ ۲۸/ربیع الاوّل ہوا۔ مرقد شریف اندرونِ خانقاہ ہے موصوفہ بڑی متقی وعابدہ بی بی تھیں۔اور بڑی ہی خیر وبرکت کی مالک۔

وصال دادا میاں صاحب :

(۱۳۳) مجھے یہ رنج آج بھی ستاتا ہے کہ میں صرف دو ماہ اکیس دن ہی کا تھا کہ وہ سایہ جس کا میں آج بھی روزِ اوّل کی طرح متلاشی ہوں میری بدقسمتی سے چھن گیا یہ تمنا مٹانے پر بھی مٹ نہیں پاتی کہ کاش شانِ رحمت کچھ اور رحمت سے کام لیتی تو میں اس آئینہ انوارِ حقیقت کا مشاہدہ بقید ہوش اس چشم ظاہری سے کر لیتا۔ گو میری والدہ مرحومہ مجھے چار برس سے کچھ کم کا ہی چھوڑ کر سدھاری تھیں مگر ان کی یاد بھی اتنا نہیں ستاتی جتنی یہ خلش موجب خلش رہا کرتی ہے جنابہ پھوپھی صاحبہ سے یہ سن کر کہ حضرت قبلہ دادا میاں صاحب

نوراللہ ضریحہ مجھے طلب فرما کر اپنے سینۂ مبارک پر لٹا کر کھلاتے و پیار فرماتے تو بجائے تسکین اپنی بدبختی کا یقین ہونے لگتا ہے۔ غرضیکہ حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ کو آخر عمر میں درد گٹھیا کی کافی شکایت رہنے لگی قرب وصال پر جرأت اور بھی تیز ہوئی حتّیٰ کہ یکم صفر ۱۳۳۵ھ کو بعد فجر آپ واصل بحق ہوئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ جَلَّ وَعَلَا سے ۱۳۳۵ھ نکلتی ہے۔

وصال والدہ صاحبہ :

(۱۳۴) میں ابھی چوتھی برس میں تھا کہ والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ والدہ صاحبہ کے دوپٹے کا چراغ سے پلّو مس ہونے پر آگ لگی جو دفعتاً کپڑوں میں پھیل گئی اور کافی حصہ جسم جل گیا۔ اسی تکلیف کی حالت میں بحالت حمل ہشت ماہی موصوفہ کا وصال ہوا مرقد باغ تربوز والا میں ہے۔ مفارقت ابدی سے کچھ پہلے۔

(۱۳۵) والدۂ مرحومہ نے ہم دونوں بھائیوں کا ہاتھ حضرت صاحب سجادہ مدظلہٗ کے دست سراپا برکت میں دے کر سونپ دیا۔ چنانچہ موصوف نے ایسی مہر پدری سے پرورش فرمائی کہ کبھی یاد بھی آنے نہ دیا کہ ہماری ماں کوئی اور تھیں۔ تحصیل علم کرائی دستارِ فضیلت باندھی۔ خانہ آبادیاں کیں چنانچہ میری نسبت میر سرفراز علی صاحب علوی کے صاحبزادے حاجی شاہ محبوب عالم صاحب فیض آبادی جو حضرت امام الکلام مولانا نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کے برادر نسبتی ہیں کی دختر سے کی۔ یہی نہیں میرے دونوں لڑکوں اور دونوں لڑکیوں کے عقیقہ و ختنہ بھی اسی اولوالعزمی سے کئے سچ تو یہ ہے کہ اگر آج بھی میں کیسی کو برسبیل تذکرہ یہ کہتے سنتا ہوں کہ ہم کو صاحب سجادہ مدظلہٗ نے پسر متبنّیٰ کیا ہے تو ان لوگوں کی یہ دنیاوی اصطلاح بری طرح کھلنے لگتی ہے۔ انہیں چیزوں سے متأثر ہو کر اپنی دستارِ فضیلت کے موقعہ پر میں نے خدمت بابرکت میں بایں الفاظ خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

☆☆☆

نظم

وجہ قرب فضل رحمٰن تھا ہمارا امتحاں
سب سے پہلے مادر مشفق کی مرگ ناگہاں

شق ہوا جاتا ہے سینہ داستاں کہتے ہوئے
یعنی حال مادر خلد آشیاں کہتے ہوئے

نزع کا عالم ہے ہونٹوں پر ہے دم آیا ہوا
مردنی کے ساتھ چہرے پر ہے غم چھایا ہوا

غم یہ ہے چھٹتے قیامت تک کو ہیں نورِ نظر
آسماں فضل رحمٰن کے یہ خورشید وقمر

والدہ کہتی ہیں باحسرت یہ چرخ پیر سے
دو ہرن زخمی نہ کرنا موت کے اک تیر سے

رحمت اللہ کا اتنے میں ہوتا ہے گذر
آتی ہے آواز بی بی امتحاں ہے صبر کر

چھوڑ جا بچوں کو اپنے رحمت اللہ پر
رحمت اللہ سر پہ ہے پھر تجھکو کیا خوف وخطر

دونوں بچوں کی انہیں کو بانہہ پکڑانے کے بعد
روح رخصت ہوگئی ہونٹوں کے تھرانے کے بعد

پالنا آساں نہیں معصوم بچے زینہار
اور پھر وہ جو ابھی ہوں شیر خوار وخورد سال

لوفرضنا پالے جاسکتے ہیں بچے خورد سال
اہرمن کی پرنگاہوں سے بچانا ہے محال

اہرمن جو سرپیکار ہے یزداں کے ساتھ
معرکہ کرتا ہے اکثر صاحب ایماں کے ساتھ

جب نظر اس کی پڑی اس رحمتی آغوش پر
ایک بجلی سی گری اس کے دماغ ہوش پر

یوں تو مدت سے تھی فارغِ رحمٰن کی کھٹک
پھول جو دیکھے ہوئی طرفہ گلستاں کی کھٹک

غیض میں آیا تو برپا ایک طوفان کردیا
خود پریشاں ہوگیا سب کو پریشاں کردیا

مسکرائی قوت یزداں یہ حالت دیکھ کر
اہرمن بھاگا۔نزول ابر رحمت دیکھ کر

رحمت اللہ بشکل رحمت اللہ ہوگئی
فتح ایماں یعنی فتح نعمت اللہ ہوگئی

لاڈ سے ہم کو یہ راہِ راست دکھلاتے رہے
گتھیاں پڑتی رہیں خوبی سے سلجھاتے رہے

لغزشوں پر سختیاں کیں دشمن جاں کی طرح
بےکلی پہ ہر گھڑی بےکل رہے ماں کی طرح

قبر میں آرام سے سونے کا ساماں کردیا
مادر بیکس کے پھولوں کو گلستاں کردیا

جب تک جو ہر جہاں میں دین کی نعمت رہے
ہم فقیروں کے سروں پر نعمت رحمت رہے

آٹھواں باب

حیوٰۃ اولیائے کرام :

یہاں یہ ضروری ہے کہ اولیائے کرام کی حیوٰۃ طیبہ پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے گو اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب شرع کی کہانی خود اس کی زبانی میں حدیث وقرآن و علمائے سلف وخلف کے دلائل قاطعہ سے ثابت کر دیا ہے۔

(۱۳۶) یہ تو آپ کا بھی ذاتی تجربہ ہے کہ مختلف الکیفیات چیزوں کو اگر کسی مشین کی مدد سے کتنی ہی بلیغ کوشش کی جائے لیکن ان کو خون میں منتقل نہیں کر سکتے مگر جب ان کو پیس کر کاٹ کر پکا کر چبا کر معدہ میں پہنچاتے ہیں تو یہ جگر کے ذریعہ خون کی شکل اختیار کرتی ہیں پھر اسی خون سے مختلف اجزائے جسمانی گوشت پوست۔ ہڈی بال وغیرہ کی نشوونما ہوتی ہے اس مثال کے ماتحت یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اسی طرح جب جسم مجاہدات وریاضات کی مشقت برداشت کر لیتا ہے اس وقت وہ جزوروح اور لطیف بن جاتا ہے۔ شاید اگر آپ کو کچھ تامل ہو تو اس طرح سمجھئے کہ پانی کتنا وزنی عمیق وعظیم اور ٹھوس ہے۔ لیکن اس کی رقت ولطافت سے اس کے اندر جتنی دور تک انسان چاہے جا سکتا ہے۔ پانی پھٹے گا پھر ایک ہو جائے گا اسی طرح جزوروح بننے کے بعد یہی صورت جسم انسان کی ہوتی ہے جو صرف بظاہر جسم اور ٹھوس رہ جاتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ جب مجاہدات کرتے ہیں اور فضل ربانی ان پر نازل ہوتا ہے تو ان کے اجسام کی بھی یہی حالت ہوتی

ہے کہ تمام اجزائے عنصری اجزائے روحانی میں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دیکھئے نہ کہ جو لوگ فن کشتہ جات میں کمال رکھتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں نقرہ اور مس کو کس طرح زندہ کرتے اور اسی انداز سے کشتہ بنا لیتے ہیں یہی مثال اولیائے حق کیلئے ہے کہ وہ بھی سراپا روح بن جانے کے بعد بیک وقت کئی جگہ موجود ہوتے۔ آگ اور پانی سے گذر جاتے بند مکانوں سے اندر اور اندر سے باہر آتے جاتے سالہا سال کھانے پینے سے بے پرواہ رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجزائے عنصری سے یہ ممکن نہیں ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ خصوصیات روح ہیں۔ یاد ہوگا کہ حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی علیہ الرحمہ ایک رسّی سے بار بار باندھے جاتے مگر آپ اس بندش سے صاف نکل جاتے اور رسّی بھی نہ ٹوٹتی۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کو اَنَـا الـرَّحمٰنَ کی صدا پر مفتی شرع نے گردن زدنی کا حکم دیا جلاد نے تلوار ماری لیکن وہ تلوار کاٹ نہ کرتی بلکہ پھولوں کا ہار بن جاتی۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ حیات دائمی کے حامل ہیں قبر میں زندہ ہیں تصرفات بہ قدرت حق کرتے ہیں۔ اگر غور کیجئے تو یہ حقیقت اس طرح اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موت اور نیند دونوں بہنیں ہیں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ موت حواس خمسہ کے معدوم ہونے کا نام ہے اور نیند صرف ان حواس کے وقتی تعطل کا نام ہے حواسِ خمسہ کا تعلق صرف جسم سے ہے چونکہ مشائخ کرام پیکر روح بن جاتے ہیں تو انہیں جسمانیت سے بھی برائے بیت تعلق رہ جایا کرتا ہے یہ زندہ بھی رہتے ہیں اور جسم سے بے تعلق بھی کیونکہ رجحان تو صرف روح لطیف کی طرف ہوا کرتا ہے اب جو اُن کا جسم ہے بھی وہ ماتحت روح ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اب ذرا اس پر غور کیجئے کہ جب موت حواسِ خمسہ کے بطلان کا نام ہے تو یہ چیزیں کثرت مجاہدات وریاضات روحانی سے اولیاء پہلے ہی فنا کر چکے تو جسم ظاہر کا تعلق بھی شروع میں ختم ہو چکا اب موت آئے گی تو کسے اور مرے گا تو کون۔ روح تو غیر فانی ہے اور اپنے آمر سے تعلق وربط محکم پا رہی ہے۔ یہاں یہ

نکتہ بھی سمجھ لیجئے اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت سے اعتراض کی بیجا کوشش نہ کیجئے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے آیت کریمہ کو سمجھا ہی نہیں کس کی مجال ہے کہ حکم ربی سے انکار کر سکے مگر ذرا آنکھ کھول کر یہ بھی تو دیکھئے کہ حکم ربی ہے کیا۔ خدا واضح طور پر جو حکم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ موت نفس پر طاری ہوا کرتی ہے۔ اس سے نفس کو مفر نہیں۔ لیکن ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ روح پر موت کہاں طاری ہونے کا حکم الٰہی ہے یہی توجہ ہے کہ روح کو بقا اور نفس کو فنا ہے اس حقیقت کو سمجھنے والے اولیاء انبیاء ہی تو ہیں وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں روزِ اوّل ہی سے خاصان حق نفس کشی شروع کر کے اجزائے عنصری کو روح کی لطافت سے رنگ کر پیکر روح بن جاتے ہیں اسی بنا پر تو ملا علی قاریؒ نے یہ تصریح کی کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْقَلِبُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ ۔ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ دارِ فانی سے دارِ باقی میں منتقل ہو جایا کرتے ہیں۔ یہاں آ کر ان کی تاثیر اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہاں قفس عنصری کا وہ عارضی لگاؤ بھی تو حائل نہیں رہ جاتا۔ پھر ایک پیکر لطیف کیلئے یہ کیسے بعید ہو سکتا ہے کہ وہ جہاں چاہے جس طرح چاہے اور جا نہ سکے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَوْلِیَاءِ تَحْتَ قِبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ . کہ میرے اولیاء میری قبائے کبریائی کے تحت ہیں ان کو میرے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ نکتہ عدم شعور کی قید اس لئے لگائی گئی اس حیوٰۃ کی حقیقت تمہاری فہم سے بہت بالا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ الخ جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جان دی تم انہیں مردہ خیال مت کرو وہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو حصہ رزق دیا ہے وہ اس سے مستفید ہیں اور خوش و خرم رہتے ہیں۔

اعتراض اور فرق حیات شہید وولی :

یہ اعتراض کرنا کہ آیات قرآنی سے حیات شہداء تو ثابت ہے لیکن حیات اولیاء ثابت نہیں بچوں کی نادانی جیسی باتیں ہیں۔

(۱۳۷) کون نہیں جانتا کہ جہاد دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جہاد جو جنگ سے مرادف ہے دوسرا جہاد نفس ہے اسی طرح شہادت بھی دو طرح پر ہے ایک شہادت کبریٰ دوسری شہادت صغریٰ۔ علمائے محققین نے جہاد نفسی کو جہادِ اکبر ثابت کر دیا ہے پس یہ شہادت بھی دو وجہ سے خالی نہ ہوگی۔ حربی ترانوں اور جنگی طبل کے آغوش میں ایک عالم جوش و کیف کے ساتھ کفار کے نرغے میں آنا اور ان کا سرتن سے جدا کرنا واقعی گراں قدر چیز ضرور ہے مگر ایسے لوگ صرف شہید حربی کے خطاب سے موسوم ہوسکیں گے کیونکہ یہ تو مقتول بدست کفار ہیں مگر اب ذرا نفسی جہاد پر نظر ڈالئے اور جو ذات مقتول بدست نازیار ہو اس کی بے قراریوں بے تابیوں پر بھی غور کیجئے فراق کی پر ہول گھٹائیں ہیں بے تابیوں کے بادل امڈے ہیں اشکباریوں کا سمندر موجزن ہے شب بیداریاں ہیں تنہائیاں ہیں ہجوم غم ہے وفور الم ہے تن کا ہوش ہے نہ جان کی فکر ہے ساتھ ہی اس تصویر کا دوسرا اہم ترین رخ بھی ملاحظہ ہو کہ منشائے دوست ہے کہ رسوا ہو مگر اف نہ کرو۔ زبان طعن کے تیر گوارا کرو مگر لب نہ ہل سکے جس حال میں ہم دیکھنا چاہیں اس سے قدم نہ ڈگمگائے۔ کسی طرف سے آوازہ ہے کہ پکا فریبی ہے کسی طرف سے صدا ہے کہ بڑا دنیا دار و مکار ہے مگر چونکہ مرضی دوست یہی ہے کہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے راضی بہ رضائے دوست رہو قفل خاموش لگا رہے۔ یہ تماشا اولیائے حق پر ہی محدود نہیں بلکہ انبیاء و مرسلین عظام سے بھی یہی نازو انداز ہیں رسولوں کا مذاق جا بجا اڑ رہا ہے نبیوں کو علی الاعلان جھوٹا کہا جا رہا ہے۔ تزکیۂ نفوس اور حکمت کی باتوں کو دیوانگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ پتھر بازی کی جا رہی ہے۔ دھکے مارے جا رہے ہیں۔

عبادت خود کا بھی کرنا مشکل ہے اُوجھ کے بوجھ سے دبے پڑے ہیں۔کون سے ستم نہیں ہوئے کون سے چر کے نہیں کھائے۔لطف یہ ہے کہ خود شہید ناز بھی یہ جانتا ہے کہ دراصل یہ چیزیں بری ہیں لیکن قدرداں محبوب تو محو تماشا ہے پس بدلہ وانتقام کا خیال بھی نہیں بلکہ ہر لحظہ الٹے لرزہ براندام ہیں کہ کوئی ایسی لغزش وخطا مبادا سرزد کہیں نہ ہو جائے جو بے نیاز محبوب دلربا یہ تماشا ہی ختم کردے۔ان باتوں کے علاوہ رزق ومعاش کی بھیانک تنگیاں بھی محیط ہیں مگر شہید نار ہے کہ کسی سمت متوجہ ہی نہیں ہے اگر اسے کچھ دھن ہے تو صرف رضائے محبوب بہرحال مقدم رکھنے کی دھن ہے ہر طرف سے بے پرواہ ہے۔مشاہدہ صادقہ ہے کہ عاشق کی مقبولیت نگاہ معشوق میں اسی وقت ہوا کرتی ہے جب کہ معشوق اپنے عاشق کی الم نصیبی اذیت کوشی سے متاثر ہو یہی ان کامل انسانوں کی معراج کمال ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ مقتول بدست کفار سے مقتول بدست ناریار ہر طرح افضل ہیں۔

(۱۳۸) علمائے محققین کی تصریح متفقہ یہی ہے کہ شہید حربی ایک مرتبہ تلوار کے زخم کھا کر شہید ہو جاتا ہے لیکن شہید ناز ہزاروں کیا لاکھوں بار لا الٰہ الا اللہ کی تیغ سے نفس کو ذبح کیا کرتا ہے۔

(۱۳۹) ایک صاحب باطن ولی سے ایک شخص نے سوال کیا کہ شہید حرب کا رتبہ بلند ہے یا شہید ناز کا؟ تو ولی موصوف نے ایک عالم کیف میں آکر والہانہ انداز میں فرمایا کہ شہید حربی مقتول بدست کفار واین مقتول بدست نازیار"۔ المختصر یہ فیصلہ خود آیات قرآنی نے کردیا کہ مرنے پر بھی زندگی کا وجود ہے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

اشک رادروزن باخون شہید   کے برابر من نہد شاہ مجید

شہید حرب کے خون سے شہید ناز کی آنکھ کا ایک آنسو کہیں زائد گراں قدر ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ شہداء بھی شہید ہیں مگر یہ شہادت صغریٰ ہے اور اولیاء اللہ بھی شہید ہیں ان کی شہادت شہادت کبریٰ ہے اور از روئے شہادت متحد ہے۔ رہی خدا کی راہ۔ تو جس طرح خدا کی راہ میں غلبۂ دین کے لئے کفار سے معرکہٗ جنگ کیا جاتا ہے اسی طرح خدا کی راہ یہ بھی ہے کہ نفس کو ختم کر کے روح کو اس کے امر کے رنگ میں رنگ کر اللہ لطیف سے لطافت حاصل کی جاتی ہے اور اس پر عمل پیرا ہوا جاتا ہے اس معرکۂ کفار کی بہ نسبت یہ راہِ حق جتنی مشکل سخت و دشوار ہے اتنی ہی بلند ممتاز اور اقرب الوصول بحضرت حق ہے قرآن کریم نے شہید کا زندہ ہونا ثابت کر دیا چنانچہ اب شہید حربی ہو یا شہید دست ناز یار دونوں کی حیات مسلم الثبوت ہوگئی۔ یہ قرآن کریم کی انتہائی جامعیت و بلاغت ہے کہ صرف شہادت راہِ خدا ہی کے الفاظ سے انبیاء و مرسلین و شہداء و اولیاء سب کی شہادت و حیات ثابت کر دی ورنہ صاف ظاہر ہے کہ انبیاء و مرسلین کے لئے بھی قرآن کریم نے یہ واضح الفاظ نہیں فرمائے جیسا ان آیات میں بتایا گیا اور یہ مانی ہوئی چیز ہے کہ شہداء کرام سے کہیں اولیٰ وارفع واعلیٰ انبیاء و مرسلین ہیں تو قرآن پر اعتراض عائد ہوگا کہ ادنیٰ کو تو یہ درجۂ اعلیٰ ملے اور جو اعلیٰ وارفع ہوں ان کا اس مقام میں کوئی بھی درجہ نہ ہو؟ حالانکہ قرآن کریم میں نقص موجود نہیں تو لامحالہ منکر کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ از روئے شہادت اولیاء و شہداء متحد ہیں اور زندہ ہیں کیوں کہ کلیہ یہ ہے کہ شہید راہِ حق زندہ ہیں۔ پس شہید اب شہید دست ناز یار ہو یا شہید حرب ہو سب کو شامل اور انبیاء و مرسلین و اولیاء شہداء سب کو محیط۔ رہا کرامات اولیاء تو اس پر اسلئے روشنی ڈالنا ضروری نہیں کہ خود کلام ربانی کرامات اولیاء کا اچھوتا شاہد عادل ہے۔ جن معانی میں اشکال تھا ہم نے اسے واضح کر دیا۔ پس جس ذات عزاسمہٗ نے اولیاء و شہداء کو یہ حیات دی روحانی لطافت سے مالا مال کیا اسی جل مجدہٗ نے ان خاصان حق کو تصرفات کی قدرت دی اپنا نظام ملکی ان کو سونپا اگر اب بھی کسی معاند کی رنگ عناد سکون پذیر نہیں

تو اسے یہ جنگ اہل اسلام سے کرنے کے بجائے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے لڑنا چاہیئے کہ اس نے کیوں ان اولیاء وشہداء کو معاند کے قلب پر بجلیاں گرانے کو یہ صفات ملکوتی ولطافتیں وقدرتیں بخشی ہیں۔ کیونکہ یہ خاصانِ حق بذات خود قادرو متصرف تو ہین نہیں۔

غوثیت:

یہ امر مسلمہ ہے کہ جو شریعت عالم ما کان وما یکون صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے وہ سابقہ ادیان کی ناسخ۔ دین کامل اور قیام دنیا تک پائندہ رہنے والی ہے نیز ختم نبوت چونکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکا تھا اس لئے خلاق عالم نے اس نبوت کی دوسری شاخ ولایت جاری وساری بقاواستحکام دین کے لئے رکھی۔

(۱۴۰) ولایت کا پہلا باب ارادت ہے اور حد آخری غوثیت ہے۔ غوثیت کی بھی دو قسمیں ہیں اوّل غوثیت فردیت۔ دویم غوثیت قبولیت۔ غوثیت قبولیت کے بعد پھر نبوت کا ہی درجہ ہے نیز یہ مرتبہ شاذ ونادر الاّ ماشاء اللہ ہی حاصل ہوا کرتا ہے یہ اوراق کتاب واضح کر چکے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اتباع سنت ہی سے مدارج اعلیٰ وقرب عطا فرمایا گیا۔

(۱۴۱) بقول حضرت خلیفہ شاہ غلام علی صاحب کہ انہوں نے حضرت مولانا بابا سے فرمایا کہ ابھی تو لوگوں سے بھاگتے بہت ہو اس وقت کیا کرو گے جب چالیس برس کی عمر میں تمہارا ظہور خاص ہوگا اور ہر طرف سے لوگ گھیریں گے یہی وہ وقت ہے جب شانِ رحمت نے آپ کو منصب غوث فردیت سے منصب غوث قبولیت چالیسویں برس میں عطا فرمایا۔

کشف وکرامات:

(۱۴۲) مولانا بابا کے قیام دہلی میں مولوی شاہ غلام رسول صاحب نے بزمانۂ عذر

فرمایا کہ یہاں سے اب انگریزوں کا قدم اٹھا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ذرا غور تو کیجئے کیونکہ انگریزوں کا قدم اب تو اور بھی جم گیا یہ کہہ کر آپ اپنی جائے قیام پر آ گئے شاہ غلام رسول صاحب علیہ الرحمہ نے اب جو غور کیا تو مولانا بابا علیہ الرحمہ کا ہی مکاشفہ صحیح ثابت ہوا اسی وقت شاہ صاحب نے کسی کو بھیج کر مولانا بابا کو بلایا اور آپ سے کہا کہ بیشک تمہارا مکاشفہ بہت صحیح ہے پھر ایک عالم کیف میں والہانہ انداز سے شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ وہ آفتاب ہے جو مشرق سے مغرب تک چمکے گا۔"

کشف جلی :

ابواب آئندہ میں ہم کسی ترتیب کے قائم رکھنے سے اس لئے معذور ہیں کہ بعض ایسے کوائف بھی ہیں جس میں معانی قرآن بھی ہیں کشف بھی اسی میں ذکر کرامت بھی ہے اس لئے ہم نے بھی صرف تذکرہ پر اکتفا کیا۔

(۱۴۳) چودھری نصرت علی صاحب تعلق دار سندیلہ ناقل کہ ایک مرتبہ میں نینی تال میں قیام کئے تھا کہ ایک خط حاجی واحد علی صاحب (چودھری صاحب کے بھائی کے رشتہ دار تھے اور حضرت مولانا صاحب کے خاص معتقدین میں تھے) کا مجھے ملا جس کی پیشانی پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے خاص اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا تھا کہ برخوردار نصرت علی آج کل کہاں ہیں جہاں ہوں ان کو اطلاع دو کہ وہ اپنے گھر واپس آئیں اور مقدرات الٰہی واسکی مشیت پر صابر وشا کر رہیں۔ اسکو پڑھتے ہی میرے ہوش وحوس جاتے رہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے ایسے کلمات تحریر فرمانا خالی از اسرار نہیں گو بظاہر کوئی بھی بات نہ تھی لیکن میں فوراً سندیلہ روانہ ہوا۔ جب سندیلہ پہنچا تو سب کو بخیرت پا کر اور بھی متعجب ہوا۔ ایک روز سندیلہ ٹھہر کر دوسرے روز لکھنؤ آیا یہاں بھی کوئی بات نہ تھی کہ دوسرے روز سندیلہ سے تار آیا کہ ڈاکٹر رام لال کو لے کر جلد آؤ۔

پھر رات کی ریل سے چودھری محمد عظیم صاحب نے ارادت حسین کو میرے پاس بھیجا ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ میرے منجھلے لڑکے کو بخار ہے غرضیکہ میں اسی وقت مع نور چشمان سندیلہ روانہ ہوا اسٹیشن سندیلہ پر بھی جو لوگ لینے آئے ان سے بھی موافق بیان ارادت حسین معلوم کر کے اطمینان رہا مکان پہنچا تو صبح کا وقت تھا چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری جاوید علی صاحب و حکیم صاحب وغیرہ موجود اور دوا و علاج کی دوش جاری تھی لڑکے کو دیکھا تو آواز بند ہو چکی تھی میرے آواز دینے پر اس نے صرف آنکھ کھول دی برخوردار فتح علی میری گود میں تھے اس منجھلے لڑکے نے چاہا کہ فتح علی کو گود میں لے کہ سکرات کا عالم شروع ہو گیا۔ اور وہ فوت ہوا مختصر یہ کہ بعد تجہیز و تکفین جب ہم لوگ واپس آرہے تھے کیا دیکھتا ہوں کہ قیوم دوراں مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ ہاتھی پر سوار تشریف لئے آرہے ہیں بارش بھی ہونے لگی تھی جلد بڑھ کر قدم بوس ہوا تو قیوم دوراں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مولانا بابا نے مجھے حکم دیا کہ تم اسی وقت سندیلہ جاؤ نصرت علی کے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے شرکت کرو یہ سنت ہے۔ اور خدا نے اس کی مغفرت فرما دی۔ غور کیجئے اوّل تو مجھے بذریعۂ تحریر اطلاع دی پھر مخدوم زادہ والا مقام کو روانہ فرمایا پھر اس مرحوم کی مغفرت کی خبر سے تلافی غم بھی کر دی۔''

کرامت و علوئے نسبت :

(۱۴۴) واقعہ یہ ہے کہ گنج مراد آباد میں جب سے یہ قصبہ آباد ہوا کبھی رام لیلا نہیں ہوا۔ ایک بار محرم اور رام لیلا ساتھ پڑے اہل ہنود نے رام لیلا منانا چاہا مسلمانوں نے روکا اس بنا پر باہم بلوہ ہو گیا اور دادا میاں علیہ الرحمہ بھی ماخوذ ہو کر تا فیصلہ مقدمہ حوالات میں رہے۔ مقدمہ فیصل ہونے میں پورے چھ ماہ لگے تھے۔ اس اثنا میں چودھری نصرت علی صاحب تعلق دار سندیلہ نے ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ سے عرض

کیا کہ حضرت احمد میاں صاحب کو آپ اس قدر چاہتے ہیں اور ایسا سخت مقدمہ آپ نے ان پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائی تو ہماری کمر ہمت ٹوٹ گئی کہ اگر ہم پر کچھ وقت آیا تو اس وقت بھی توجہ نہ ہوگی۔ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ دو اسباب سے ہم نے توجہ نہ کی ایک تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خود ان کے واسطے دعا فرما رہے ہیں۔

(۱۴۵) دوسرے یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یہاں تشریف لائے اور اس جگہ (اس مقام کو بتا کر) بیٹھ کر فرمایا کہ احمد (میاں صاحب) کے مقدمہ میں تم زبان نہ ہلانا جو کچھ کرنا ہے وہ ہم کریں گے تم اطمینان رکھو۔ بس ہم مطمئن ہو گئے۔

صحت کشف :

(۱۴۶) ایک مرتبہ مولانا بابا سندیلہ میں تشریف فرما تھے ایک روز چودھری نصرت علی صاحب مذکور کے پاس کچھ آدمی کاکوری آئے اور بیان کیا کہ مولوی شاہ حیدر علی صاحب قلندر سخت علیل ہو گئے ہیں فالج کا گمان ہے۔ اسی شب میں نصرت علی صاحب نے مولانا بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر بوجہ دریافت خیریت شاہ حیدر علی صاحب قلندر کاکوری جانے کی اجازت چاہی تو مولانا بابا نے بآہستگی فرمایا کہ وہاں اب ناحق جاتے ہو ہاں تعزیت کے واسطے جاؤ تو مضائقہ نہیں۔ تم کو نہیں معلوم کہ حیدر بھائی نے کل انتقال کیا اور ہم نے بھی ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ کل صبح فاتحہ سویم ہے اس میں بھی شریک نہ ہو پاؤ گے مگر ہو ضرور آؤ۔ غرضیکہ چودھری صاحب وہاں پہنچے تو واقعی وقت وصال ساعت تدفین و فاتحہ وہی تھی جو آپ نے ارشاد فرمائی۔''

خصوصی فضل ربی :

(۱۴۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ دس برس کی عمر سے ہم نے کبھی بغیر جماعت نماز بحمد اللہ نہیں پڑھی ایک مرتبہ ہم دہلی جا رہے تھے یوں تو ہم سات مرتبہ دہلی آئے گئے

خیر جب عصر کا وقت ہوا تو ہم تنہا تھے انتظار کسی کے آجانے کا کرتے کرتے وقت تنگ ہونے لگا۔ جانماز مجبوری بچھا کر چاہا کہ نماز شروع کریں کہ ایک ضعیف شخص اسباب مسافرت لئے آئے اور بعد سلام علیک نماز میں شریک ہوگئے ہم نے نماز پڑھ کر سلام پھیرا تو وہ غائب تھے۔ ہم نے خدا کی درگاہ میں بڑا شکرادا کیا۔

کرامت ونسبت :

(۱۴۸) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے دہلی جانے سے قبل دیکھا کہ ایک بہت بڑا نور ہے دریافت پر معلوم ہوا کہ چار یاروں کا نور ہے پھر آگے ایک اور میدان دیکھا وہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھے اپنے پاس بلا لیا ایک شخص ہمارے رشتہ کے سید جلال الدین کی اولاد میں بہت دور کھڑے ہوئے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص تو آپ کی اولاد میں ہے اور اتنی دور۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بے ادب ہے۔ مولانا بابا نے بیان فرمایا کہ بے ادبی یہ تھی کہ وہ حضرت معاویہ کو برا کہتے تھے چنانچہ ہم نے اُن صاحب سے یہ بیان کیا اسی وقت وہ تائب ہوکر میرے مرید ہوگئے۔

(۱۴۹) پھر فرمایا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان سے کہا کہ حضرت علی اور آپ سے یہ کیا ہوا تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ بیشک مجھ سے خطا ہوئی اور مجھ کو خجالت ہے ندامت ہے۔

کشف:

(۱۵۰) ۴ر شعبان بروز یکشنبہ احمد مکی صاحب جو داخل قصبہ گنج مرادآباد ہوئے پھر قدم بوسی کو حاضر آئے تو ایک اپنے محبّ کی جانب سے وہ تحفے بھی پیش کئے جو انہوں نے ہمراہ ارسال گئے تھے اور ان کی طرف سے سلام بھی عرض کیا تو مولانا بابا نے فرمایا

کہ ہاں ہاں تم نے اُن کے کان میں دو چار باتیں بھی تو کی تھیں۔احمد مکی صاحب نے کہا کہ فی الواقع ہوا بھی یہی تھا قربان اس کشف کے۔

علوئے مرتبت :

(۱۵۱) پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جب ہم لکھنؤ میں تھے جس کو کم سے کم ستر برس ہوئے (یعنی آپ کا عہد طفلی تھا) تو وہاں بہت سے مجذوب تھے وہیں ایک بہت بڑے مجذوب بانسبت بھی تھے ہم ان کے پاس گئے اوران سے کچھ باتیں کر کے کہا کہ تم نماز نہیں پڑھتے خدا کی قدرت انہوں نے ہماری اقتدا کی تو لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ مجذوب تو کسی کو مانتے ہی نہ تھے پھر کیا ان کے معتقدین بھی ہمارے مرید ہو گئے ہم نے ان کو بھی ہدایت کی کہ جس کو نیک بخت جانو اس کے پیچھے اقتدا کر لیا کرو۔تفصیل کے لئے دیکھو روایت ۹۹۔ہندی فتح پوری نے اس پر کہا ہے۔

فارغ التحصیل یاں آ کر تھے بنتے مبتدی   ہر امام وقت تھا ان سیڑھیوں پر مقتدی

کشف:

(۱۵۲) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ذرا دیکھو تو دو شخص ولایتی تو نہیں آرہے ہیں۔ دیکھا گیا تو کوئی آتا نہ دکھائی دیا نہ نو وارد ملا۔ شام سے پہلے دوسرے روز دو شخص ساکنان غزنی بغرض بیعت فائز خدمت ہوئے۔غور کیجئے کہاں غزنی کہاں مراد آباد۔

کرامت :

(۱۵۳) مولانا بابا نے فرمایا کہ کسی نے ہم پر بھی جادو کیا تھا لیکن ہمیں معلوم ہو گیا پھر جس نے جادو کیا تھا خود اقرار بھی کر لیا۔مگر ہمیں ذرا بھی کچھ نہ ہوا۔خود اس شخص نے توبہ کی اور مرید ہوا۔

(۱۵۴) پھر ارشاد فرمایا کہ خدا کی قدرت جب رمضان آتے تو ہم سے ملتے اور جب جاتے تو ہم سے مل کر جاتے اسی طرح شب قدر بھی ہم سے خود مل جاتی یہ خدا کی دین ہے۔ میں نے ایک دو بار حضرت مرشد سے کہا بھی تو فرمایا کہ ہم سے بھی رمضان مل گئے۔

علوئے مدراج :

(۱۵۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ ایک مرتبہ صحن مسجد کے چبوترے پر تشریف فرما تھے کہ ایک عرب صاحب وارد ہوئے پس از سلام و دعا اُن عرب نے بڑی ہی مسرت سے کہا اَهْلاً یَاشَیْخ کُنْتَ عَنْ یَمِیْنِیْ عَامَ اَلْحَج فِیْ اَلْحَرَمِ زہے قسمت آپ ہی تو وہ ہیں جو ایام حج میں حرم شریف میں میرے داہنے پر تھے تو جلدی سے مولانا بابا نے فرمایا شاید بھولتے ہو یہ بتاؤ کس کام کو آئے ہو عرب صاحب نے مقصد کہا تو آپ نے قلمدان طلب کر کے تحریر فرمایا کہ ...... میاں کلب علی از فضل رحمٰن سلام علیک۔ ایں عرب فرستادہ می آید بحاجت برسانند احسان بر ماست۔ فضل رحمٰن ۔ یہ نوشتہ دے کر نواب کلب علی خاں صاحب والی رامپور کے پاس جانے کا حکم دیا۔ اور سواری کا بھی بندوبست کر دیا۔

(۱۵۶) اسی ضمن میں پھر ارشاد فرمایا کہ ایک شخص بڑے فاضل ہمارے مرید تھے وہ حج کو گئے وہاں سے آ کر لوگوں سے کہنے لگے کہ ہم نے مولوی فضل رحمٰن صاحب کو عرفات میں حرم میں اور کہاں کہاں دیکھا ہم نے سنا تو ان سے کہلایا کہ خبردار ایسی باتیں نہیں کیا کرتے لیکن انہوں نے نہ مانا سب سے کہہ دیا۔ ایسا بھی ہو جاتا ہے۔

(۱۵۷) مدنی شاہ صاحب (جو محتاج تعارف نہیں) نے خانۂ کعبہ میں مولانا بابا کو نماز پڑھتے دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں انہوں نے لاعلمی ظاہر کی بہر حال اسی طرح مدنی شاہ نے متواتر بار مولانا بابا کو حرم شریف میں دیکھا خود

کوشش کی کہ کسی طرح بذاتہ ملاقات کریں مگر بعد اَخـلَتُ لَمْ . نماز لوگ منتشر ہونے لگتے تو مدنی شاہ کی نظروں سے آپ اوجھل ہو جاتے۔ ایک دن حرم شریف میں کسی نے مدنی شاہ سے کہا کہ تم کو ان مولوی صاحب سے ملنا ہے تو گنج مراد آباد جاؤ۔ مدنی شاہ اسی وقت کیف جستجو میں گنج مراد آباد روانہ ہوگئے۔ منزل بہ منزل سفر کرتے بالآخر مراد آباد آئے سامنا ہوتے ہی مدنی شاہ پر ایک بے خودی چھا گئی جلدی سے قدم بوس ہو کر آرزوئے بیعت ظاہر کی تو مولانا بابا نے بیعت فرما کر حکم دیا کہ بارہ برس تک فلاں مقام پر جا کر ریاضت کرو۔ بارہ برس بعد مدنی شاہ واپس آئے پھر آپ کے وصال کے بعد عرس شریف میں وہ چائے کا لنگر تا حیات کرتے رہے۔

(۱۵۸) مولانا بابا نے فرمایا کہ بہت دن ہوئے کہ ہمارے جی میں آیا کہ ہم بھی مکہ معظّمہ جاتے گو ہمارے معتقد بڑے بڑے لوگ بھی تھے جو ہم چاہتے وہ ہو جاتا لیکن ایسا پیسہ لے کر حج کو جانا حرام ہے گو ہماری ماں و بیوی بچے تھے ایک دن سوچا کہ ان سب کو اللہ پر چھوڑ کر حج کو جائیں۔ لیکن ہماری والدہ نے جو سنا تو کہا کہ بیٹا ہم کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے خیر ہم رک گئے خدا کی قدرت ایک رات کعبۂ شریف (حقیقت کعبہ) ہمارے پاس آیا۔ لو زیارت ہوگئی۔

خدا کے مصطفیٰ کے چار یاروں کے یہ پیارے ہیں\
ولایت اسلئے ہے مصطفائی فضل رحمٰن کی

علم لدُنّی :

(۱۵۹) جلسۂ نیم شب میں دو شخص بھوپال کے تیسرے احمد مکی حاضر تھے مختلف مسائل اور اذکار سے وجد طاری تھا کہ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ تم مُردوں سے پڑھتے ہو اور میں زندہ سے پڑھتا ہوں پھر خود وضاحت کی کہ تم ان سے پڑھتے ہو جن کو

مرنا ہے اور میرا علم خدا کی جانب سے ہے اس روایت کے بعد کسی تلاش کی ضرورت نہیں رہتی حق ہے کہ اس صورت میں جو بھی ہو وہ کم ہے عطائے الٰہی نوازش ربانی میں کسی کو کیا دخل۔

کرامت :

(۱۶۰) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ کچھ علماء آپس میں بحث کر رہے تھے وہاں میرے ایک مرید تھے اس مرید نے اُن علماء کو اس بحث کا حل سمجھا دیا تو اُن علماء نے کتابوں میں دیکھا بات وہی نکلی جو اس مرید نے کہی تھی اب تو ان کو اور بھی تعجب ہوا پھر ان لوگوں نے خود ہی اس مرید سے پوچھا کہ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی مرید نے میرا نام لے کر کہا کہ مجھے جو وہ بتا گئے وہ میں نے تم سے کہہ دیا۔ چنانچہ وہ علماء پھر یہاں آئے اور ہم سے مرید ہوئے۔

کشف :

(۱۶۱) ماہ جمادی الاولیٰ تھا کہ اچانک مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کل کوئی بھوپال تو جانے والا نہیں۔ احمد مکی نے عرض کیا کہ کل تو کوئی جانے والا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص کی بیوی ابھی تک اچھی نہیں ہوئی۔ مکی صاحب نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمادیں تو تندرستی کیا بعید ہے کیونکہ ان کے بچہ ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ ولادت تو ہوگئی مگر پیٹ کے خلل کو کیا کریں۔ دوسرے روز ڈاک سے یہ اطلاع ملی کہ ان بی بی کے بہ ماہ جمادی الاولیٰ بچہ پیدا ہوا۔ بعد ولادت وہ تیسرے روز مرض نفاس میں انتقال کر گئیں۔

کرامت :

(۱۶۲) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے تو دوزخ سرد ہو جائے پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

کا قصہ بیان کر کے فرمایا کہ ایک مرتبہ یہاں بہت سخت آگ لگی ہماری والدہ بھی زندہ تھیں تمام بستی والے بھاگ گئے مگر ہم کہیں نہ گئے لوگوں نے متعجب ہو کر اصرار بھی کیا مگر ہم نے دعا کی پانی برسا اور سب آگ بجھ گئی صبح کو لوگ آ کر ہمارے مرید ہو گئے اہل بستی کا بیان ہے کہ اس شدت آگ لگی تھی کہ مسلسل چوبیس گھنٹہ رہی اور زمین کا گڑا ہوا روپیہ اس بقال کے وہاں سے پگھل کر بہہ نکلا۔ یہ خدا کی قدرت تھی کہ آگ کی چنگاریاں آپ کے چھپر پر گرتی تھیں مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ پھر فرمایا کہ کیا مجال جو جل جاتا آخر ہم ان کا نام لیتے ہیں اتنا بھی اثر نہ ہو۔

کرامت :

(۱۶۳) مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم چھوٹے تھے ایک بار اپنی برادری میں گئے ان لوگوں کا چھوٹا سا چھپر تھا اسی میں سب رہتے رہے ہم نے کہا کہ ہمارے لئے ایک چھپر اور ڈال دو وہ لوگ چھپر کے لئے لکڑی لائے اتفاقاً ایک لکڑی (بڑیری) چھوٹی پڑی۔ ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے بھی جب ایک مکان کی لکڑی چھوٹی پڑی تو اس سے فرمایا کہ بڑھ جا وہ بڑھ گئی ہم بھی ان کی اولاد میں ہیں بسم اللہ کہہ کر تم اسے بھی رکھ دو۔ اب ان لوگوں نے لکڑی جو رکھی تو وہ پوری بیٹھی سب لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کیسی باتیں کرتے ہیں پھر وہ سب ہمارے مرید ہوئے گو عمر میں بہت بڑے تھے۔

(۱۶۴) ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک ہندو شخص سب حکیموں کی دوا کر کے عاجز آ گیا تھا مگر اس کے گھر میں اولاد نہ ہوتی تھی خدا کی قدرت کہ ہم نے بھی اس پر کچھ دم کر دیا تو اس کے اولاد ہوئی اور وہ سب گھر یہاں آ کر مسلمان ہوئے اور مرید ہو گئے۔ احمد مکی صاحب ناقل کہ یہ شخص لکھنؤ کے معززین سے کلٹری میں حاکم تھے پھر بھوپال میں محکمۂ بندوبست میں رہے آخر عمر میں سعادت حج سے مشرف ہوئے بعد واپسی حج

بھوپال ہی میں انتقال کیا۔

(۱۶۵) پھر مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک عورت کو حیض نہ آتا تھا وہ ہمارے پاس آئیں اور مرید ہوئیں۔ ہم نے اُن سے کہا جاؤ خدا چاہے گا تو حیض آئے گا۔ان کے ساتھ جو عورت تھی اس نے کہا کہ ایسے ہی ان کی ہتھیلی میں رکھا ہے۔ ہم خاموش رہے۔ گیارہویں مہینہ اس آئسہ کا لڑکا ہوا تو وہ منکرہ عورت آکر ہماری مرید ہوئی پھر احمد مکی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس ولی کو جس نبی سے نسبت ہوتی ہے اس سے ویسی ہی باتیں (کرامتیں) صادر ہوتی ہیں۔

کشف وکرامت :

(۱۶۶) مرزا محمد علی بیگ ناقل کہ ایک مرتبہ میں مع کچھ دیگر پیر بھائیوں کے براہ بلہور آرہے تھے گنگا ندی پار کر کے جب چلے تو دیکھا کہ ایک خوش رو سادھو گیروا کرتہ گیروی تہ بند پہنے سونے کی کھڑاؤن پاؤں میں سونے کا کنڈل ہاتھ میں لئے جس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں تھیں ہم لوگوں کے پاس سے گذرا اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ لوگ مراد آبادی ہی جا رہے ہیں نا۔ مرزا جی نے کہا جی ہاں۔ سادھو نے کہا کہ ایک پیام ہے مولانا بابا سے عرض کر دو گے؟ بھول تو نہ جاؤ گے۔ سب نے کہا کہ ہم کئی آدمی ہیں اگر ایک بھولا تو اور نہ بھولیں گے۔ سادھو نے کہا کہ مولانا بابا سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے مگر پھر آواز دے کر کہا کہ دیکھو بھول مت جانا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ یہ بھول جانے والی بات ہی کب ہے۔ راستہ میں کچھ ویرانِ سادھو صفت پر قیاس آرائیاں رہیں کسی نے کہا وہ تھے کسی نے کہا وہ تھے حتّیٰ کہ مراد آباد شریف داخلہ ہوا۔ وقت عصر تھا نماز کی تیاری بہ عجلت کی۔ بعد ادائے فریضہ فائز خدمت ہونے والے تھے کہ خود ہی طلبی ہوگئی مگر یہ سلام کہنا اس وقت سب ہی بھول گئے تھوڑی

دیر بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو دوسروں کا پیام کہنا بھول جاتے ہیں معاً مرزا جی کو خطرہ گذرا اور معذرت خواہ ہوتے ہوئے عرض کیا کہ ایک سادھو اس وضع کے اثناءِ راہ میں ملے انہوں نے سلام کہلایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہی تو ہم پوچھ رہے تھے تم لوگ بھول گئے حتّیٰ کہ وہ خود ہمارے پاس آ کر شاکی ہوئے۔ مرزا جی اور ان کے ساتھیوں کو خلش ہوئی کہ یہ راز نہ کھلا کہ یہ کون تھے کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نہیں جانتے تو سن لو مگر کسی سے کہنا مت وہ گوکل کنہیا تھے ہم سے ایک بات کی اجازت چاہتے تھے۔

کرامت

(۱۶۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک ہمارا مرید کہیں لڑائی میں تھا بہت سے لوگ مارے گئے ایک شخص اس کی طرف بھی بڑھا تو اس شخص نے دیکھا کہ میں اس کے مخالف کے سامنے کھڑا ہوں وہ مخالف فوراً ہٹ گیا۔ پھر اس مرید نے یہاں آ کر ہم سے خود یہ واقعہ بیان کیا۔

(۱۶۸) پھر فرمایا کہ میرا ایک مرید کسی میلہ میں گیا میں نے گو اسے ہر چند منع بھی کیا مگر اس نے نہ مانا۔ پھر اس نے آ کر بیان کیا کہ ایک جگہ کچھ بیل بگڑے ایک بیل نے چاہا کہ مرید کو مارے وہیں پر میں نے آپ (مولانا بابا) کو دیکھا کہ اس بیل کو آپ نے حملہ سے روک دیا۔

قوت مکاشفہ:

(۱۶۹) بین العشاء میں مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کچھ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا وذکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرمارہے تھے کہ حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ نے دفعتاً فرمایا کہ آپ کے فلاں مرید کا انتقال ہوگیا۔ تو مولانا بابا

نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ . پڑھ کر فرمایا کہ سمجھتا تھا کہ فلاں مرید کا انتقال ہو گیا اسی سے کل دن بھر میری طبیعت مکدر رہی۔ بعض حاضرین نے عرض کیا کہ بحمد اللہ آپ کو ونیز صاحبزادے صاحب کو پہلے ہی سے مکشوف ہو گیا تو احمد مکی صاحب نے یہ آیت پڑھی لَا یَطَّلِعُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدٌ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی الخ (خدا جس کو چاہتا ہے غیب پر مطلع کر دیتا ہے) تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اِلَّا اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ ۔(بندۂ مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ نورِ الٰہی سے مشاہدہ کرتا ہے۔) اس پر احمد مکی نے عرض کیا کہ مَا کَانَ مَعْجِزَۃً لِلنَّبِیِّ کَانَ کَرَامَۃً لِلْوَلِیِّ. تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں نبی سے جو صادر ہوا وہ معجزہ کہلاتا ہے اور ولی سے جو صادر ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔

وجاہت علمی :

(۱۸۰) مولانا بابا کی یہ خداداد قابلیت ووجاہت علمی تھی کہ بسااوقات آپ صرف آیات واحادیث میں ہی گفتگو فرماجاتے ابواب ماسبق میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کی ذات پیدائشی قطب ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں علم ظاہری وباطنی میں فوقیت آپ کا ممتاز حصّہ ہے کہ مرشد علیہ الرحمہ نے بھی افادۂ خلق اللہ کی اجازت دے دی۔ آپ کے کمالات امتیازات عالی نسبتی پر عقل انسانی انگشت بدنداں ہے۔

(۱۸۱) قادر مطلق کو چوں کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ سے کام ہی دوسرا لینا تھا اس لئے۔ ذہن رسا، قوت حفظ، جودت فکر، وقت نظر فطری طور پر آپ کو حاصل تھیں جس کو اتباع سنت کی صیقل نے اور بھی پرنور بنادیا۔

(۱۸۲) مختصر الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اقطاب وقت میں آپ کی واحد ذات ایسی تھی جو ایک کمسن قطب الارشاد بنکر عالم آشکار ہوئی۔

(۱۸۳) ان اولیائے کرام میں جنہوں نے خلق اللہ کی سچی رہنمائی کی آپ نے اتباع سنت کا سراپا بن کر اہل دل کی ایک طرف طریقت کی رہنمائی سے صدہا ولی کامل بنائے تو شریعت کا بھی دوسری طرف شمع رسالت کی روشنی میں وہ درس مخلوق کو دیا جس کی صوفیائے طریقت میں واحد نظیر آپ ہیں۔ اور علمائے وقت کو صحیح معنوں میں علمائے عصر بنا دیا۔

(۱۸۴) آپ کی مقبولیت بارگاہِ ایزدی، نسبت، مصطفائی، ولایت احسانی دیگر اولیائے کرام کے لئے قابل غبطہ تھیں اور اس برِّ اعظم میں درس وحدانیت اور تعلیم مصطفوی کا جو اچھوتا نمونہ آپ نے کردار، گفتار، رفتار سے پیش کیا اس سے کٹّر سے کٹر ہٹ دھرم بھی انکار نہیں کرسکتا نہ دنیائے اسلام آپ کی اس امتیازی خدمات ملّی و دنیاوی کو فراموش ہی کرسکتی ہے۔

☆☆☆

نواں باب

نقادانِ فن کی عقیدت کیشی :

سطور ذیل اس حقیقت کو خود بے نقاب کررہی ہیں کہ کیوں نقادانِ فن وائمہ وقت بڑے ہی افتخار سے حضرت مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کے پروانے والہانہ عقیدت سے بنتے تھے؟ دراصل قبولیت عامہ خلاق عالم نے آپ کو ایسی امتیازانہ عطافرمائی تھی کہ فارغ التحصیل حضرات بھی کشاں کشاں اس غوث قبولیت حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی طرف کھینچے چلے آتے جہاں بوریہ بدھنا اوراتباع سنت کے سوادوسرا متاع حیات ہی نہ تھا جس کے علماء صوفیاء حکامان اعلا سلاطین گوشہ چین رہے۔اسے خود مولانا بابا کی زبان مبارک سے سنئے۔

سرسید احمد خاں :

(۱۸۵) چودھری نصرت علی صاحب تعلق دار سندیلہ کا علی گڑھ جانا ہوا تو وہ سرسید احمد خاں صاحب مرحوم سے بھی ملے تو سید صاحب بڑے اخلاق سے پیش آئے دیگر باتوں کے بعد چودھری صاحب نے پوچھا کہ موجودہ دور میں جناب کسی بزرگ باخدا کے بھی قائل ہیں جواباً سید صاحب نے کہا کہ میں آج کل کے رنگے سیاروں کا قائل نہیں مگر ہاں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ نے تین مرتبہ تواتر سے عالم رؤیا میں مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اصلاح مولانا شاہ فضل رحمٰن

صاحب علیہ الرحمہ سے کرلو اوران کی جانب رجوع ہو جاؤ پس دو مرتبہ تو میں نے اسے خواب وخیال سمجھ کر ٹالا لیکن تیسری بار جب پھر یہی ارشاد مرشد سنا تو میں نے اپنے میر منشی کو مع تحائف مثل صابون وحقہ وتمبا کو وغیرہ روانہ کیا اور ساتھ ہی عرضی بھی پیش خدمت ہے۔ منشی کے پہنچتے ہی تحائف قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں ہم سے بھی شاہ غلام علی صاحب نے سفارش کی ہے تم جاؤ اوران سے (سرسید احمد) کہہ دینا کہ آنے کی ضرورت نہیں ہم اُن کے لئے دعا کررہے ہیں جس کام کو شروع (سلسلۂ یونیورسٹی) کیا ہے خلوص کے ساتھ انجام دیئے جاؤ۔ یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مولانا بابا کی دعاؤں ہی کی مرہون کرم ہے۔

ملکۂ وکٹوریہ :

(۱۸۶) بوقت درس قرآن شریف جب آیت نصاریٰ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ .... الخ آئی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو عزت دی۔ احمد مکی نے عرض کیا درست ارشاد ہے اوراب تو لندن میں مسجدیں بھی بن گئی ہیں تو مولانا بابا نے یہ سن کر بکمال خوشنودی مسکرا کر فرمایا کہ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہاں مسجدیں کیسے بنی ہیں مکی صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو معلوم نہیں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریہ نے اپنے کسی قریبی رشتہ کے شخص کو (بھتیجہ یا بھانجا کچھ ایسا فرمایا) میرے پاس بھیجا وہ یہاں آئے اور باغوں کے پاس سے پیدل ہو گئے پھر اس نے ہم سے مل کر کہا کہ ملکہ کے اولاد نہیں ہوتی ہم نے کہا اچھا ہم دعا کرتے ہیں لو یہ بتاشے انہیں کھلا دینا لیکن تمہارے وہاں جو مسلمان ہوں ان کو اذان کہنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دو۔ اس پر ملکہ نے کئی مسجدیں بنوادیں کبھی کبھی ملکہ ہمارے لئے عمدہ تحائف روانہ کرتی رہتی ہیں ایک مرتبہ ملکہ نے ہمارے لئے اصلی مومیائی بھیجی نہ جانے کہاں

سے حاصل کر کے بھیجی تھی۔ خدا نے ایسا کیا کہ ملکہ کے گیارہویں مہینہ اولاد ہوئی۔

لفٹنٹ گورنر :

(۱۸۷) سرجان کراستھویٹ صاحب لفٹنٹ گورنر ۱۸۹۲ء میں مع ڈھائی تین سو عمائدین حکام انگریز کے حاضر درگاہ عالیہ ہوئے بوقت ملاقات گورنر صاحب نے عرض کیا کہ حضورِ عالی کے وہاں دوڈھائی سو زائرین کا مجمع رہا کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ دو ایک گاؤں اس کے خرچ کے لئے گورنمنٹ سے منظوری لے کر دے دوں تاکہ زائرین کے بار سے حضور کو سبک دوشی ہو۔ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو بفضلہٖ اس کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری اور ہم سے محبت رکھنے والوں کی کفالت کا خود ہم سے وعدہ فرمالیا ہے۔ لاٹ صاحب نے ضعف بصارت کا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ بحمداللہ ہم اب بھی چودہویں چاندرات کی روشنی میں خط پڑھ سکتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ دیکھو کسی پر ظلم نہ کرنا اس سے سلطنتیں تباہ ہوگئی ہیں۔ لاٹ صاحب نے اپنی میم صاحبہ کی خواہش پر صاحب اولاد ہونے کی دعا چاہی تو آپ نے دعا دے کر رخصت فرمادیا۔ اس روایت کو بعض لوگوں نے توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے۔

(۱۸۸) کہ آپ نے گورنر کی میم سے ایک اوندھے گھڑے کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کون نہیں جانتا کہ فاتر العقل بھی ایسا کہہ نہیں سکتا۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ اس وقت چارپائی پر رونق افروز تھے باندکی بنی ہوئی پیڑھی جسے مونڈھا کہہ سکتے ہیں اس پر گورنر صاحب اور کھجور کی چٹائی پر بقیہ ان کے ساتھی بیٹھے تھے جس کے چشم دید شاہد آج بھی موجود ہیں۔ یہ ایسی ذہنی بدہضمی ہے جس کا علاج نہیں۔

سرلاٹوش صاحب :

(۱۸۹) لفٹنٹ گورنر مذکور نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری سرلاٹوش صاحب کو اپنے

کیمپ سے بدریافت خیریت مزاج مولانا بابا علیہ الرحمہ روانہ کیا۔ لاٹوش صاحب نے چلتے وقت دل میں سوچا کہ مولانا بابا سے کوئی نئی چیز تحفۃً مل جاتی تو کیا اچھا ہوتا جب وہ فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تم بھی تو لاٹ (لارڈ) ہو۔ لاٹوش صاحب کو سخت حیرت ہوئی کہ میں تو ابھی پرائیویٹ سکریٹری ہوں اتنے میں آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ بھائی خدا میں سب قدرت ہے۔ پھر دو قلمی آم جس کو اس وقت کہیں فصل نہ تھی لاٹوش صاحب کو دے کر رخصت فرمایا۔ چنانچہ سرجان کراسٹھویٹ صاحب کے بعد ہی سر لاٹوش صاحب گورنر یوپی ہوئے۔ گورنر ہو کر لاٹوش صاحب نے جس خلوص بے پایاں سے عقیدت کیشی کے پھول نچھاور کئے ان کا پوچھنا ہی کیا۔

(۱۹۰) اس کے بعد سے دادا میاں صاحب کے وقت تک گورنران وائسرائے ہند جو آئے گل ہائے عقیدت نثار کرتے رہے۔ بالخصوص سرہاکورٹ ٹیلر صاحب جو دادا میاں کے عہد میں تھے عقیدت کا سراپا جامہ تھے۔

(۱۹۱) یہ سلسلہ دادا میاں صاحبؒ کے بعد والدین صاحبان سے تا قیام حکومت جاری رہا۔ جس میں سرمالکم ہیلی صاحب والد صاحب کے دور میں ممتاز رہے ۱۸۹۲ء سے ۱۹۲۶ء تک کمشنر و ڈپٹی کمشنران یوروپین کی عقیدت کیشی کی فہرست بہت طولانی ہے۔

مولوی احمد حسن کانپوری :

(۱۹۲) ایک بار مولانا عبدالغنی صاحب قائم گنجی اور مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری بہ معیت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری آستانہ عالیہ پہنچتے پہنچتے شب ہوگئی۔ تو عبدالغنی صاحب و احمد حسن صاحب ایک دکان میں ٹھہر گئے اور مونگیری صاحب خانقاہ فضل رحمانی آ گئے جب سید صاحب فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے ازروئے مکاشفہ فرمایا کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں رہ گئے غرض وہ دونوں بھی بلائے گئے

تو مولانا بابا نے مولوی احمد حسن صاحب کانپوری سے فرمایا کہ ابھی ابھی شاہ امداد اللہ صاحب مجھ سے توجہ لے کر گئے ہیں۔ گو یہ بظاہر غیب دانی کے مشابہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اولیاء کے دل ایسے منور ہوتے ہیں کہ اس کے ذریعہ جدھر التفات کرتے ہیں سب کھل جاتا ہے اور بعض کا تو یہ حال ہے کہ عرش سے فرش تک سب کھل جاتا ہے۔ کُنْتُ سَمْعُهٗ وَبَصَرُهٗ اسی سے عبارت ہے بقول مولانا رومیؒ۔

علم حق در علم صوفی گم شود　　　　ایں سخن کے باور مردم بود

حاجی شاہ وارث علی صاحبؒ :

(۱۹۳) حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ سے ملاقات کو حاجی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ دو مرتبہ گنج مراد آباد تشریف لائے اوّل مرتبہ آئے تو بارہ بجے کے بعد۔ دوسری بار حاجی صاحب علیہ الرحمہ جب آئے تو عصر و مغرب کے درمیان ظاہری سلام علیک کے بعد مولانا بابا اور حاجی صاحب حجرہ میں چلے گئے کافی دیر خلوت رہی۔ وہاں کے معاملات کا کسی کو علم نہیں۔ اگر حاجی صاحب نے خود کسی سے فرمایا ہو تو ممکن ہے ورنہ مولانا بابا نے تو کسی سے اظہار نہ فرمایا۔ ہمیں ان باتوں کا حاجی صاحب کا بیان کرنا بھی تصدیق نہیں ہوا۔

دیوہ شریف کی سجادگی :

(۱۹۴) حاجی شاہ وارث علی صاحب علیہ الرحمہ مولانا بابا کو چچا کہتے۔

(۱۹۵) حاجی صاحب مرحوم کے سجادہ سید شاہ محمد ابراہیم صاحب مرحوم ہمارے دادا میاں صاحب کو ماموں کہتے تھے۔ وجہ قرابت ظاہر ہے۔ ان کے انتقال کے بعد کلّن میاں صاحب کو دادا میاں علیہ الرحمہ نے خود دیوہ شریف لے جا کر سجادہ کیا۔

شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا مشاہدہ :

(۱۹۵) مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی ناقل کہ میں بہ معیت مولوی فتح محمد صاحب نائب مفسر وغیرہ ۱۳۰۳ھ میں حاضر گنج مرادآباد ہوا۔ اثنائے راہ میں مولوی فتح محمد صاحب سے میں (پھلواروی صاحب) نے کہا کہ اگر مولانا بابا صاحب پوچھیں گے کہ کدھر آئے ہو تو میں صنمارہ قلندر آلخ عرض کروں گا۔ جب مع ہمراہیاں حاضری ہوئی تو درس بخاری شریف ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں مجھے حکم ہوا کہ تم اب پڑھو۔ چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا بابا کی توجہات و فیوض سے ہمارے (پھلواروی صاحب) اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے اور میں (پھلواروی صاحب) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں۔ آپ جسے چاہتے اسے یہ شرف یونہی حاصل ہوا کرتا۔ جب میں پڑھ کر چلنے لگا تو پھر مجھ سے بالخصوص مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ بات تو باقی رہی جاتی ہے۔ ؎

صنمارہ قلندر سزواز بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ رسم پارسائی

اگر آپ صرف اسی روایت پر اکتفا کرلیں جس کا اجمال ۹۳ میں گذرا تو خود بخود اماموں کے بھی آپ کے مقتدی بننے کی وجہ واضح ہوجاتی ہے یہ قوت مکاشفہ۔ یہ قرب، یہ نسبت عالیہ اپنی واحد نظیر آپ ہیں۔ مولانا بابا کی یہ فضیلت مخصوصہ ہم آپ جیسے لوگوں کا مشاہدہ بھی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے ناقدین شریعت اور ماہرین طریقت کا اعتراف حقیقت ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی ان بزرگوں نے فرمایا دیا کہ چار سو برس کے دور میں مولانا بابا جیسی ہستی پیدا نہیں ہوئی۔ ابراہیم ہندی فردوسی ہند فتح پوری نے اسی کو لکھا ہے۔ ؎

اولیاء اللہ کا ہوتا تھا یاں دربارعام
کج کلہہ داروں کی ہوتی تھی یہاں ترکی تمام

حاجی صاحب قبلہ کا بیان :

(۱۹۶) حاجی شاہ وارث علی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے ایک شاہ صاحب مرید خاص گیا میں سکونت پذیر تھے انہوں نے بیان کیا کہ حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر پوچھے مرید نہ کیا کرتے تھے اور یہ آپ کا واحد کمال تھا کہ جسے چاہتے اس مرید کا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دیا کرتے تھے۔'' غور کیجئے کہ جب یہ امتیازی نسبت وفوقیت آپ کو حاصل ہے تو پھر اقطاب دہر کا رجوع کسب فیض اور بھی یقینی ہوجاتا ہے۔ روایت ۹۴ میں اس کا اجمال گذر چکا۔

(۱۹۷) ثقہ مریدین نے نقل کیا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا صرف اس سے اندازہ کر لو کہ آپ کو کسی حدیث یا کسی امر میں جب شبہ ہوتا تو آپ سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے خود صحت کر لیتے صحیح ہے۔

نبی سے اس قدر مخصوص یہ تھے قرب نسبت میں
کیا کرتا تھا خاطر فضل رحمٰن فضل رحمٰنؒ کی

بحرالعلوم فرنگی محلی :

(۱۹۸) ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی عبدالحیؒ فرنگی محلی میرے پاس آئے اور مرید ہوئے۔ ہم نے ان سے ایک مسئلہ کہا تو وہ مان گئے بڑے منصف تھے۔ ہوا یہ کہ مولانا نے ان سے کہا کہ تم خود ہی بڑے فقیہ اور محشی ہدایہ ہو پھر تم نے راستہ میں نماز

قصر کیوں ادا نہ کی۔ مولوی صاحب کو آپ کے اس کشف پر تعجب ہوا کہ وہاں تو میرے اور خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ پہلے میں لکھنؤ سے سندیلہ تک کا ارادہ کر کے چلا پھر سندیلہ سے آپ کی زیارت کا قصد کیا اگر علیحدہ علیحدہ دونوں سفر دیکھے جائیں تو قابل قصر نہیں تو مولانا بابا نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہارا علم تو ابھی تازہ ہے مجھے تو ستّر برس پڑھے ہوئے گذرے مگر بحمداللہ مجھے اب بھی یاد ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو سفر اگر جوڑنے سے قابل قصر ہوں تو قصر ہی پڑھنا چاہئے۔ مولوی صاحب موصوف نے خود بیان کیا کہ میں نے کتابوں میں جو دیکھا تو مفتی بہ طریقہ وہی نکلا جو حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا۔

(۱۹۹) احمد مکی نے عرض کیا کہ میں نے بخاری شریف کے بارہ پارے مولوی عبدالقیوم صاحب خلف مولوی عبدالحئیٔ صاحب سے بھی پڑھے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی عبدالحئیٔ صاحب نے اپنی بیوی کو بھی ہم سے مرید کرایا ہے۔

مولوی نصیرالدین صاحب :

(۲۰۰) اسی ضمن میں مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی شاہ محمد اسحاق صاحب کے داماد مولوی نصیرالدین صاحب دہلوی اور ان کی اہلیہ (دختر کلاں مولوی محمد اسحاق صاحب) ہر دو ہمارے مرید ہوئے پھر ارشاد کیا یہ تو خدا کی دین ہے۔ اس پر احمد مکی نے آیت وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَّشَاءُ . پڑھی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یُؤتِیہِ بغیر ہمزہ اور یُؤْتِیہِ ہمزہ کے ساتھ دونوں پڑھ سکتا ہے۔

(۲۰۱) ارشاد فرمایا کہ جب ہم بیضاوی وغیرہ پڑھتے تھے تو بحمداللہ ہمیں سب معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر فرمایا کہ مولوی نصیرالدین صاحب دہلوی نے ہم سے بیعت توجہ بھی لی ہے۔ مولوی امداداللہ شاہ صاحب کا تعلق انہیں موصوف مولوی نصیرالدین صاحب سے تھا۔

فضیلت محدث دہلوی :

(۲۰۲) بعد درس قرآن شریف مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی برکت تھی کہ جو کوئی ان سے پڑھ لیتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی :

(۲۰۳) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ صدیق حسن خاں بھوپالی نے بھی مجھ سے پڑھا اور ان کے باپ و بھائی نے بھی مجھ سے پڑھا ہے۔

شاہ غلام علی صاحب :

(۲۰۴) پھر ارشاد فرمایا کہ جب شاہ غلام علی صاحب کا انتقال ہوا تو میں اگرچہ وہاں موجود نہ تھا لیکن مجھے اس کا علم تھا۔ جب میں دہلی گیا تو جس جگہ شاہ صاحب دفن تھے وہ زمین دوسرے کی تھی۔ میں نے ان سے کہا تو انہوں نے وہ زمین ہی بخش دی۔ بس پھر کیا تھا۔'' روایت پر غور کیجئے یہ واقعہ پندرہ برس کی عمر کے اندر کا ہے ملکیت غیر میں دفن ہونا۔ انوارِ الٰہی کا مسدود رہنا۔ پھر آپ کے فرماتے ہی ایک غیر معروف شخص کا تعمیل حکم کرتے ہوئے زمین کا بخشنا۔ جو رکاوٹیں تھیں ختم ہوکر بارش انوار ہونا۔ روایت ایک طرف اگر واضح کرتی ہے تو دوسری طرف مولانا بابا کی رفعت وعلوئے مرتبت کے جواہر بھی بکھیرے ہے۔

مولوی احمد حسن صاحب :

(۲۰۵) مولانا بابا کی خدمت میں مولانا احمد حسن صاحب سہارنپوری حاضر ہوئے۔ یہاں تو ماہران فن کی جانچ پھران پر صیقل ہوا ہی کرتی تھی کہ مولوی صاحب نے بخاری شریف پیش کی۔ مولانا بابا کی فضیلت علمی وکرامت دیکھئے کہ آپ نے

بخاری شریف ہاتھ میں لے کر ورق گردانی شروع کی اور اس کی غلطیاں بیان کرتے چلے گئے مولوی صاحب دنگ رہ گئے اور سہارنپور پہنچ کر وہ غلط نامہ مرتب کر کے طبع کرایا دنیا آج بھی اس غلط نامہ کی اصل حقیقت سے ناواقف ہے کہ اس کا نقاد ہے کون؟

صاحب تفسیر حقانی :

(۲۰۶) مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی حضرت مولانا بابا کی خدمت میں فائز ہوئے یہ مسئلہ کہ زنا میں چار عینی شاہد کیوں ہیں جب سب امور میں صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے مولوی صاحب کو پس وپیش میں ڈالے ہوئے تھا جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو مولانا بابا کی یہ کرامت دیکھئے کہ مولوی صاحب سے خود ہی یہ سوال کر دیا کہ زنا میں چار گواہ کیوں رکھے گئے ہیں مولوی صاحب صحت کشف پر دنگ اور حیران کہ میں خود اسی حل کے لئے یہاں تک پہنچا ہوں۔ ان کو خاموش دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ تو معمولی سی بات ہے۔ دو گواہ زانی کے اور دو زانیہ کے مل کر چار ہوئے ہیں۔ دو گواہ کا اصول تو اب بھی برقرار ہے۔"

مولوی امیر احمد صاحب :

(۲۰۷) مولوی عبدالکریم صاحب جو مدرسی پر مامور تھے پھر جب حاضر آستانۂ عالیہ ہوئے تو اس غوث زماں کے دیوانے ہو گئے اور ملازمت چھوڑ کر گنج مراد آباد ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی ان کے اُستاد مولوی امیر احمد صاحب جو سخت غیر مقلد اور کسی امام کے متبع نہ تھے مولانا بابا کی خدمت میں حاضر آئے تو نگاہ پڑتے ہی زنگ غیر مقلدی ایسا مٹا کہ کایا پلٹ ہی ہو گئی ایک والہانہ کیف میں چلاّ اُٹھے کہ آج سے ہم مقلد ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ حاضر الوقت علماء نے پوچھا بھی کہ آپ خود مجتہد وقت ہونے

کا دعویٰ رکھتے تھے اور مذہب امام اعظم علیہ الرحمہ کے مخالف تھے تو امیر احمد صاحب نے کہا کہ یہ سب کم پڑھے ہوئے علم کی ایک جہالت تھی۔ امیر احمد صاحب کچھ دن رہ کر واپس وطن ہوئے اور مولوی عبدالکریم صاحب درس قرآن وحدیث میں شریک رہنے لگے لیکن مولوی عبدالکریم صاحب کو نہ مولانا بابا سے خلافت ہی حاصل تھی اور نہ اجازت بیعت مولانا بابا کے سلسلہ کی ملی تھی بلکہ یہ ایک غلط اور مصلحت آمیز شہرت ہے۔

(۲۰۸) ایک مرتبہ حلیم کالج کانپور کے پرنسپل مخلص محمد احمد صاحب رضوی کا میں مہمان تھا سید اصطفا علی صاحب کاکوروی پروفیسر واکرام اللہ خاں صاحب لکچرار نیز دیگر احباب کے مجمع میں حضرت غوث زماں قدس سرہٗ کے کشف وکرامات کا ذکر ہورہا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحبؒ کا ذکر آیا سید صاحب نے سوال کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو حضرت غوث زماں نوراللہ مرقدہٗ نے تحریری سند خلافت اپنے دست خاص سے دی تھی جس کو مولوی صاحب قیوم دوراں حضرت مولانا احمد میاں صاحب قدس سرہٗ کے خوف سے ظاہر نہ کرسکے۔ یہ کہاں تک سچ ہے؟ میں یہ سنتے ہی اوّل تو بے اختیار ہنس پڑا پھر جواباً عرض کیا کہ ذرا دیر کو اسے صحیح مان لیجئے تو اگر مولوی صاحب کے پاس دراصل کوئی سند خلافت ہوتی تو حضرت قیوم دوراں رحمۃ اللہ علیہ سے خوف کا سوال پھر بھی اس لئے پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ بقول آپ لوگوں کے تحریر میں خلافت رقم تھی اور یہ خلافت سجادگی کے معارض نہ تھی تو دادا میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اپنا کام کرتے اور مولوی صاحب تحریر خلافت پر عمل کرتے۔ علاوہ ازیں کوئی حاضر وزائر ایسا اب تک پیش نہیں کیا جاسکتا جو یہ کہے کہ دادا میاں صاحب کی طرف سے کسی اجازت یافتہ کے لئے کسی قسم کی ممانعت تھی۔ معاً حاضرین میں سے کسی نے تائیداً کہا کہ دیکھو نہ کہ مولوی محمد علی صاحب مونگیری۔ جناب مدنی شاہ صاحب ومولوی حکیم شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہم تو قیوم دوراں قدس سرہٗ کے

عہد میں لوگوں کو بیعت کرتے رہے مگر کسی کو کبھی خطرہ ہوا نہ درگاہ کی طرف سے کسی قسم کا تعرض۔ عبدالرحیم صاحب کانپوری نے کہا جگجیوا کے شاہ علی نقی صاحب خانقاہِ آفاقیہ بنا کر ہمارے مولانا رحمت اللہ میاں صاحب کے وقت میں بھی بیعت کرتے رہے۔ سال گذشتہ ان کا انتقال ہوا ہے مگر ان کو کسی دور میں کبھی خدشہ بھی نہ ہوا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ رب العزت نے امرحق آپ کی زبان سے ہی کہلوادیا لیکن ذرا یہ غور کر لیجئے کہ دادا میاں علیہ الرحمہ کے وصال شریف کے وقت ہمارے حضرات والدین کم سن تھے اس وقت کسی قسم کے خوف کا سوال نہ تھا بڑی آزادی سے مولوی عبدالکریم صاحب وہ تحریر خلافت منظر عام پر لاکر لوگوں کو رجوع کر سکتے تھے۔ بلکہ برائے مہربانی ذرا آپ لوگ سمجھادیں کہ اس وقت کون سی وجہ ممانعت حائل تھی؟ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ آپ کے سننے میں کچھ فرق ضرور ہوا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کہنے والے تحریر خلافت کے بجائے تحریر سجادگی کہتے ہوں۔ کیونکہ اسی صورت میں وجہ خوف کا امکان ہوسکے گا یہ لوگ ہنستے ہوئے بولے کہ نہیں صاحب فقط تحریر خلافت کا کہا گیا تھا۔ دوسرا سوال مجھ سے یہ کیا گیا کہ کیا مولوی عبدالکریم صاحب کو حضرت غوث زماں علیہ الرحمہ کی دختر صاحبہ منسوب تھیں؟ میں نے کہا کہ نعوذ باللہ یہ سراپا افترا ہے بلکہ سید احمد شاہ صاحب کو بوبو صاحبہ منسوب ہوئی تھیں پھر سید صاحب کی بڑی دختر سے مولوی عبدالکریم صاحب کا عقد ہوا تھا۔ بقیہ فیصلہ خود کر لیجئے۔ یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ مولوی صاحب علیہ الرحمہ یہاں تک پابند وضع آخر عمر تک رہے کہ مولانا بابا کے عہد سے جہاں جمعہ ادا کرتے تھے وہاں حسب دستور پہلے سے آکر بیٹھتے حتّیٰ کہ عید الضحیٰ، عید الفطر اگر مسجد فضل رحمانی میں ہوتی تو وہاں اور اگر عیدگاہ میں ہوتی تو وہاں تاحیات ادا کرتے رہے۔ بلکہ ایک بار کسی معترض نے حضرت قدوۃ العلماء مولانا شاہ ابوالافضال نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی نماز جمعہ پڑھانے میں کچھ اعتراض کیا تو سب سے پہلے مولوی عبدالکریم

صاحب علیہ الرحمہ نے معترض کو جواب دیا اور کہا کہ تمہاری نماز سے ہزار درجہ بہتر نماز پڑھائی ہے تم اور ہم کیا سولہ سترہ برس حضرت مولانا احمد میاں صاحب نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے یہ ایسی ذات ہے۔''

(۲۰۹) پرنسپل صاحب موصوف نے سوال کیا کہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے کیا اپنی پوتیوں کا اور مولوی عبدالکریم صاحب کا عقد خود پڑھا تھا؟ میں نے کہا کہ ہماری ملاواں والی سب سے بڑی پھوپھی صاحبہ نے بر سبیل تذکرہ یہ بتایا تھا کہ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی بیٹی صاحبہ کا عقد اور اپنے نورِ نظر (دادا میاں) علیہ الرحمہ کا عقد اور بقیہ اولاد میں صرف میرا عقد خود پڑھا اور کسی کا نہ پڑھا پھر وصال ہو گیا۔ باقی میری دونوں بہنوں کا عقد بھی تمہارے دادا میاں صاحب نے پڑھا اسی طرح تمہارے دونوں والدین کا بھی تمہارے دادا میاں ہی نے سہرا باندھا۔'' عبدالرحیم صاحب نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت غوث زماں علیہ الرحمہ کے امتیاز خداداد سے بعض لوگ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کتنے لوگوں کا مجھے علم ہے کہ خلیفہ بن بیٹھے بھتیجے و بھانجے کا جامہ کہیں پہن لیا لیکن ہم مریدین کی آنکھوں میں وہ اس طرح دھول نہیں جھونک سکتے ہم نے خود اپنے والد سے دادا میاں سے سنا اور حضرت پیر مرشد قیوم دوراں علیہ الرحمہ جب میرے جھونپڑے میں تشریف فرما ہوئے جب بھی یہ ملفوظ سنا کہ مولانا بابا نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی ہاں برائے امر خیر اجازت دادم ضرور لکھ دیا۔ تاوقتیکہ کوئی صاحب تحریر اجازت یا سند خلافت نہ دکھائیں ہم تو سچا مان نہیں سکتے۔ ذرا سوچئے تو کہ لوگوں نے روز مرّہ کے خطوط کو بڑی آن وبان سے شائع کیا تو ایسی تحریر پانے والوں نے اگر اسے چھپایا تو یہ خود ان کا جرم ہے۔ اور اگر تحریر رکھتے ہوئے بھی ظاہر نہ کیا تو پھر یہ سراپا جھوٹ خود ہو گیا آج بھی جو صاحب تحریر خلافت یا اجازت دکھا دیں سب سے پہلے ہم اس پر لَبَّیْکَ کہہ کر ہر مخالف قوت سے ٹکرانے کو تیار ہیں۔''

مولوی سعادت حسین :

(۲۱۰) مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ مولوی سعادت حسین صاحب ومولوی محمد ابراہیم صاحب آرہ ومولوی محمد اکرم صاحب نیز دیگر علماء کا مجمع تھا کہ مولانا بابا نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا چادر اوڑھتے وقت پڑھتے تھے؟ لیکن کوئی بھی نہ بتا سکا پھر خود آپ نے فرمایا کہ ہم کو ستّر برس پڑھتے ہوئے گذرے مگر بحمداللہ یہ دعا ہے اور اسے سنایا نیز اور کوئی دعائیں مع سند زبانی آپ نے سنائیں۔

مولوی محمد حسین صاحب :

(۲۱۱) مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہٰ آبادی جو مسئلہ وحدۃ الوجود میں رنگے ہوئے تھے فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ نکرہ میں کتنی ہی قید لگائی جائے مگر نکرہ پھر بھی نکرہ ہے۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب کی تسلی ہوگئی اہل علم ہی اس کا لطف لے سکتے ہیں کہ وحدۃ الوجود کے معرکۃ الآرا مسئلہ کا کس آسانی سے حل فرمادیا۔

مولوی عبدالاحد صاحب :

(۲۱۲) بحرالعلوم مولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی کے ممتاز شاگرد مولوی عبدالاحد صاحب الہٰ آبادی ناقل کہ مولانا بابا جب لکھنؤ تشریف لائے تو مولوی حیدر علی خاں جن کے سر میں ایسا درد رہتا تھا جو کسی تدبیر سے اچھا نہ ہوسکا فائز خدمت ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے تو بعد بیعت مولانا بابا نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

بادِ نسیم آج یہ کیوں مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

یہ آپ کی کرامت کا امتیاز ہے کہ بیعت ہوتے و شعر سنتے ہی مولوی حیدر علی

صاحب کے سر سے درد ہی ایسا کافور ہوا کہ تاحیات درد سر ہی نہ ہوا۔

مفتی عبداللطیف صاحب :

(۲۱۳) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں مفتی عبداللطیف صاحب فائز ہوئے تو آپ نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں بار بار یہ کیوں پوچھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کب آئے گی۔ سب علماء خاموش رہے تو خود مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا وارث وہی ہوگا جو نزع میں ان کے پاس ہو چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشت مبارک کی ٹیک ان کے سینہ مبارک سے تکیہ کے طور پر لگائے ہوئے واصل بحق ہوئے اسلئے تمامی علم نبوت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تفویض ہوا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار دریافت فرماتے تھے کہ آپ خود ہی اس حقیقت سے واقف تھے کہ اس کا وارث بجز بی بی عائشہ کے اور کوئی نہیں۔

(۲۱۴) پھر آپ نے مفتی صاحب سے فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں نے مراد آباد میں کیوں قیام کیا یہ محض اس لئے کہ ہم کو حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے قیام گنج مراد آباد کا اس بنا پر حکم دیا کہ یہاں ایک نبی کی قبر ہے۔

مولانا یعقوب صاحب :

(۲۱۵) اس اثنا میں مولانا محمد یعقوب صاحب کا ذکر آیا تو مولانا بابا نے ان کو اس طرح یاد کیا جیسے کسی بانسبت کو یاد کرتے ہیں اور فرمایا کہ ان کی بیٹی ہم سے مرید ہوئیں اور ان کے داماد مرزا امیر بیگ تو مکہ شریف میں تھے۔

مولوی لطف اللہ صاحب :

(۲۱۶) ایک مرتبہ مولانا بابا عبدالرحمٰن خاں کانپوری مالک مطبع کے وہاں قیام پذیر

تھے تو مولوی لطف اللہ صاحب ملاقات کو حاضر ہوئے کچھ دیگر تذکرہ کے بعد مولوی صاحب کے والد مفتی عنایت احمد صاحب کے سمندر میں ڈوب جانے کا ذکر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شہید ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا حج لکھ دیا۔ مولوی صاحب کی تلافی غم ہوگئی۔

شاہ غلام رسول صاحب :

(۲۱۷) کچھ دیر بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت شاہ غلام رسول صاحب کانپوری مجھ کو نہیں پہچانتے تھے خدا جانے شاہ صاحب نے کیا دیکھا کہ وہ کانپور میں ہم کو اپنے گھر لے گئے۔ اور کہا کہ یہیں مسجد میں نماز پڑھا کرو اور یہیں کھانا بھی کھاؤ اور سویا بھی کرو۔ پھر یہاں ہم سے وہ مراد آبادی بھی ملنے آیا کرتے تھے بڑے بانسبت بزرگ تھے۔

محمود خاں صاحب :

(۲۱۸) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ محمود خاں صاحب قندھاری جو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے ایک ہزار ماہوار پر نوکر تھے۔ آصف الدولہ نیز دوسرے لوگ ان کو ولی سمجھتے تھے اتفاقاً وہ ایک لڑائی پر گئے وہاں کسی کافر نے ان کی گردن پر تلوار ماری گو ایسی سخت نہ لگی مگر خون بہنے لگا جواباً خاں صاحب نے حریف پر تلوار کا ہاتھ اٹھایا تو حریف نے فوراً کہا کہ میں سید ہوں تو خاں صاحب وہیں رک گئے لوگوں نے کہا بھی کہ ارے صاحب یہ تو کافر ہے خاں صاحب نے کہا کچھ بھی ہو مگر میں نے تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی۔ شب کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہیں۔

(۲۱۹) پھر ارشاد فرمایا کہ آخر میں نواب سعادت علی خاں نے پانچ سو روپیہ مزید خاں صاحب کے اور بڑھا دیئے تھے خاں صاحب جب راہ میں چلتے تو راہ میں جو کاغذ

و پرچے پڑے ہوتے اُٹھوا لیتے۔

(۲۲۰) پھر فرمایا کہ جب میں جاتا تو مجھ کو اپنے پاس بیٹھاتے ساتھ کھانا کھلاتے لوگ متعجبانہ جب پوچھتے تو کہتے کہ تم کیا جانو کہ یہ لڑکا کیا ہے اور کیا ہوگا۔ غرض کہ ایسا ہی بہت کچھ کہتے جسے میں اپنے منہ سے کیا کہوں۔ یہ بارہ تیرہ سال کی عمر کا قصہ ہے۔

کرامت :

(۲۲۱) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب خاں صاحب کا وصال ہوا تو ان پر چالیس ہزار کا قرض تھا۔ خاں صاحب کے گھر والے سب مجھے جانتے تھے بلکہ خان صاحب کے والد تو میری بڑی تعظیم کرتے تھے ان لوگوں نے جب ہم سے کہا تو ہم نے دعا کی خدا کی قدرت ایک بہت بڑا سودا کر آیا اور اس نے خاں صاحب کا مکان جو بہت بڑا تھا پسند کر کے اتنی قیمت پر خریدا کہ سارا قرض ادا ہو کر اتنا اور بچ رہا کہ جس سے ان کی روٹی کی صورت ہوگئی۔

(۲۲۲) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خاں صاحب کے بڑے لڑکے کی کوئی اولاد نہ ہوتی تھی ہم نے ان کو کچھ دم کر کے کھلا دیا تو ان کے اولاد ہوئی یوں اگرچہ وہ ہمارے معتقد تھے مگر اس کے بعد ان کے بیوی بچے وغیرہ سب ہم سے مرید ہوئے خاں صاحب اتنے محتاط تھے کہ ان کے محلّہ میں غیر محلّہ والا بھی نہ جا سکتا تھا مگر ہمارے لئے کوئی روک نہ تھی اس قدر چاہتے تھے۔

جناب کالے صاحب :

(۲۲۳) احمد مکی نے عرض کیا کہ حضرت فخر الدین اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایک ہی زمانہ میں تھے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں اور حضرت فخر الدین کے پوتے کالے صاحب میرے مرید بھی ہوئے تھے۔

مولوی محمد فاروق صاحب :

(۲۲۴) ایک بار سعدی پور ضلع دربھنگہ کے مولوی محمد فاروق صاحب مولوی عبدالواسع صاحب مولوی محمد عارف صاحب فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے سوال کیا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنی ہوئے مولوی فاروق صاحب نے لفظی ترجمہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زبان عشق میں اس کا ترجمہ کرو عاشق و معشوق کا معاملہ ہے سب ساکت تو ارشاد فرمایا کہ پیار کرے اللہ ان کو اور سلامت رکھے یہ سنتے ہی مولوی فاروق صاحب کے منہ سے بیساختہ چیخ نکل گئی۔ ایک کیف میں یہ تکرار کرنے لگے۔

برکف جام شریعت برکف سندان عشق
ایں چنیں زیباوش کم می بود اندر جہاں

مولوی عبدالعلی صاحب :

(۲۲۵) ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد مولوی نور صاحب لکھنوی باوجودیکہ مولوی عبدالعلی صاحب لکھنوی کے شاگرد تھے اور باہم بھیابندی بھی تھی لیکن یہ کہتے تھے کہ حق یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالعلی صاحب سے بڑھے ہوئے تھے۔

(۲۲۶) پھر ارشاد کیا کہ میں نے مولوی عبدالعلی صاحب کو دیکھا نہ تھا لیکن ان کے بیٹے کو دیکھا اور ان کے پوتے و بہویں وغیرہ سب ہم سے مرید ہوئے۔

حضرت بریلوی :

(۲۲۷) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی بغرض ملاقات حضرت قدسی صفات مولانا بابا علیہ الرحمہ گنج مرادآباد ماہ رمضان میں آئے اور ایک جگہ ٹھہر کر خدمت اقدس

میں اطلاع کرائی کہ ایک شخص بریلی سے ملنے آیا ہوا ہے۔مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہاں فقیر کے پاس کیا دھرا ہے ان کے والد عالم دادا عالم وہ خود عالم۔ پھر کمال لطف فرمایا کہ بلالاؤ۔ بوقت ملاقات حضرت بریلوی نے میلاد شریف کی بابت استفسار کیا تو مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ خود بھی تو عالم ہو۔انہوں نے عرض کیا کہ میں تو میلاد کو مستحب جانتا ہوں اس پر مولانا بابا نے فرمایا کہ میں سنت جانتا ہوں کیونکہ صحابہ کرام جو جہاد میں تشریف لے جاتے تھے۔ نیز گھروں میں اپنے اہل وعیال سے کیا کہا کرتے یہی نہ کہ مکہ معظّمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ان پر قرآن اُتارا۔انہوں نے یہ معجزے دکھائے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل عطا فرمائے مجلس میلاد میں بھی یہی بیان ہوتا ہے جو صحابہ اپنے مجمع میں کہا کرتے فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڈو بانٹتے ہو صحابہ اپنی مجلس میں موڑ (سر) بانٹتے تھے۔ حضرت بریلوی نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا کہ تکفیر میں جلدی نہ کیا کرو۔انہوں نے دل میں سوچا کہ میں تو ان کو کافر کہتا ہوں جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔کہ مولانا بابا کو کشف ہوا فرمایا کہ ہاں ہاں جو ادنیٰ حرف گستاخی شان اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں بکے بلاشک کافر ہے بعدازاں آپ نے اپنی کلاہ مبارک حضرت بریلوی کو عنایت فرما کر ان کی ٹوپی خود لے لی۔ (طریقۂ صوفیاء میں تبدیل لباس بھی فیض رسانی کا ایک طریقہ ہے پس ۲۹/رمضان مبارک ۱۲۹۲ھ کو رخصت واپسی بخشی۔

مولوی نذیر حسین صاحب :

(۲۲۸) محدث دہلی مولوی نذیر حسین صاحب نے بڑی تعظیم سے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا اور اپنے بھتیجے یا بھانجے کو بھی بغرض بیعت خدمت

بابرکت میں بھیجا۔ ایک صاحب بول اٹھے کہ خود مولوی صاحب نے کیوں مرید نہ کرلیا تو مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ مرید کرنا کوئی کھیل اور بانسبت ہونا کوئی تماشہ نہیں ہے۔''

یہ چند واقعات اس کا نمونہ ہیں کہ کیسے جید علماء کامل صوفیاء آتے اور فیض حاصل کرتے۔ ورنہ یہ فہرست بہت طولانی ہے مولوی نورالاسلام صاحب مولوی لطف الاسلام صاحب فتح پوری مولانا حافظ ابوسعید صاحب جن کو حواشی حدیث تک ازبریاد تھے ایسے نہ جانے کتنے ماہرین فن حاضرین شراب عقیدت و بادۂ بیعت سے سرشار ہیں لیکن بقیہ واقعات کچھ ایسے ملے جلے ہیں کہ آئندہ ابواب کو بالترتیب ایک عنوان پر قائم رکھا نہیں جا سکتا۔

☆☆☆

دسواں باب

نورِ درخشاں :

(۲۲۹) دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مولانا بابا کے چہرے پر ایک عالم نور درخشاں رہا کرتا تھا۔ چودھری سکندر علی صاحب رئیس لکشام ناقل کہ ''میرے دل میں تمنا تھی کہ عیدالاضحیٰ کی نماز مولانا بابا علیہ الرحمہ کے پیچھے ادا کرتا۔ اسی حساب سے حاضر آستانہ بھی ہو گو کہ عید قرباں واقع ہوگئی میں اور واحد حسین صاحب فرخ آبادی ڈاکٹر عبدالقادر خاں والے مکان میں ٹھہرے تھے یہیں سے ایک میدان میں جو مسجد سے پچھّم بستی کے تالاب کے آگے پڑتا ہے سات بجے صبح ہی پہنچ گئے تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا بابا تشریف لا رہے ہیں ہم دونوں شخصوں نیز بعض ان پیر بھائیوں نے جو میرے ساتھ وہاں ادائے نماز کو آئے تھے دیکھا کہ آپ کے سر مبارک و عارض پُر نور پر ایک عالم نور ضوفشاں ہے بالقسم کہتا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند پر ہالہ ہو گو بہت درویشوں سے میں نے ملاقات کی مگر یہ کیفیت کسی میں نہ دیکھی۔'' انتہیٰ۔

امتیاز خصوصی :

(۲۳۰) مولوی حبیب اللہ صاحب رحمانی ساکن ٹانڈہ جو یہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے ناقل ہیں کہ ''میری عمر کے چودہ پندرہ سال تو ایسے گذرے جس کے

ہر ماہ کا زائد حصّہ آستانہ پر گذرا کیا بے حد کشف وکرامات آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں ازانجملہ یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیرومرشد غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب علیہ الرحمہ نظر نہیں آئے تو بڑا ملال گذرا۔اس اثناء میں بکمال شفقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیوں ملول ہے عرض کیا کہ پیرومرشد کیا یہاں نہیں ہیں۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو دربارِ عام ہے یہاں وہ کہاں پھر پردۂ حجاب اٹھا تو پیرومرشد حریم خاص میں تھے۔کئی روز مجھ پر وجدانی کیف طاری رہا۔

(۲۳۱) ۲۷ رمضان مبارک کو حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا مقام رفیع الشان ملاحظہ کیا تو دیر تک مدہوش پڑے رہے۔معاملہ موسوی کا ظہور تھا اس سے زائد دادا میاں صاحبؒ نے اظہار نہ فرمایا۔ ؎

عقل منداں را ارشارہ بس است

ذرا فیصلہ کیجئے کہ جب ایسے اولیائے وقت کاملین عصر کا یہ حال ہوا تو ہم آپ کس گنتی میں ہیں۔ ؎

انہیں غوث وقطب کہنا تو تسکین خیالی ہے
سراپا فضل رحمٰن ہے حقیقت فضل رحمٰن کی

نوید مغفرت :

(۲۳۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ میں نے ایک بار حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ مجھ کو وہاں کا بڑا خیال ہے دیکھئے کیا معاملہ پیش آتا ہے تو حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم تو خیر تم ہو تمہاری وجہ سے وہ ہزاروں آدمی جو تم سے محبت رکھیں گے بخش دیئے جائیں گے۔

(۲۳۳) اسی جلسہ میں مولانا بابا نے فرمایا کہ بعض بات بہت بڑی ہوتی ہے ایک شخص لکھنؤ میں ہمارے دوست تھے وہیں ایک عورت بھی ہمارے ملنے والوں میں تھی اس کا جب انتقال ہوا تو ہمارے دوست نے دیکھا کہ فرشتوں نے جب اس سے سوال کیا تو عورت نے کہا کہ میں مولوی فضل رحمٰن سے محبت رکھتی ہوں معاً حکم ہوا کہ اسے چھوڑ دو۔ایسا بھی ہوتا ہے۔

(۲۳۴) پھر فرمایا کہ نام تو اصل میں منکر نکیر ہی ہے مگر نیک لوگوں کے لئے ان کا نام مبشر و بشیر ہے۔

بشارت مجددی :

(۲۳۵) مولوی سید محمد علی صاحب مونگیریؒ نے بیان کیا کہ میں اس تردد میں تھا کہ دیکھئے انجام کیا ہو کہ مولانا بابا نے مکاشفہ سے معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ ایک بار مجھے بھی یہی تردد تھا تو میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فرماتے ہیں کہ ''تم کیا بلکہ تم سے جو محبت رکھے گا اس کا انجام بخیر ہو گا۔''

تصدیق انیق :

(۲۳۷) ایک بار دادا میاں قبلہ علیہ الرحمہ نے خواب میں دیکھا کہ عرش کے نیچے ہجوم ملائکہ ہے اس اثنا میں ایک شخص گرفتار پیش کیا گیا تو کسی نے کہا کہ یہ تو مولوی فضل رحمٰن کا مرید ہے۔ندا آئی کیا وہ آفاقیؒ ۔انہوں نے کہا ہاں وہی حکم ہوا کہ چھوڑ دو بس وہ چھوڑ دیا گیا پھر دادا میاں نے یہ خواب مولانا بابا سے بیان کیا۔

(۲۳۸) کچھ عرصہ بعد وہی صاحب حاضر آستانہ ہوئے تو دادا میاں صاحب نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور حاضر خدمت بابرکت کیا تو مولانا بابا نے اپنی زبان سے ان کو بشارت عفو و کرم بخشی ۔ یہ قصہ اسی وقت سے زبان زد خلائق ہے۔

نکیریں پوچھتے ہی تھے کہ اتنے میں ندا آئی
اسے مت چھیڑتا دیوانہ یہ ہے فضل رحمٰن کا

معرفت :

(۲۳۹) جو معاملات محض وہبی ہوں اور کسب کا ان میں دخل نہ ہو اسے فضل کہتے ہیں اور جس میں کسب کا بہانہ ہو اسے رحمت کہتے ہیں پس اس فضل اور رحمت دونوں کے مجموعہ سے فضل رحمٰن مرکب ہے۔

کرامت ونسبت :

(۲۴۰) اسی جلسہ میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمہ کا ذکر آیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم کا بڑا رتبہ ہے اور ہم کو تو بچپن سے امام اعظم علیہ الرحمہ سے محبت ہے ایک مرتبہ ایک شخص نے ہماری دعوت کی اور بھی لوگ تھے کسی نے ہم سے کہا یہاں ایسے چند لوگ بھی ہیں جو امام اعظم سے محبت نہیں رکھتے پھر تو ہم سے صبر نہ ہوسکا ہم نے وہاں امام اعظم کی بہت کچھ فضیلت بیان کی اور غصہ میں ایسے لوگوں کو بھی بہت کچھ کہا۔ وہاں سے آکر ہم نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ یہاں امام اعظم بیٹھے ہوئے ہیں ہم نے کہا چلو ہم بھی چلیں گے میں جو وہاں گیا تو سبحان اللہ کیا چہرۂ تاباں دیکھا پھر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا اور مجھے اپنے پاس مسند پر بٹھا لیا گو میں نے ہر چند عذر کیا مگر نہ قبول ہوا پھر امام شافعی صاحب کو بھی دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں پھر ان کو بیٹھایا اور مجھ سے علمی مسائل کی باتیں کرتے رہے میں نے اجازت چاہی تو اور بیٹھنے کے لئے کہا تھوڑے توقف کے بعد میں رخصت ہوا تو بکمال محبت رخصت کیا میں نے پلٹ کر دیکھا تو امام شافعی صاحب مجھے پہنچانے تشریف لا رہے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ اتنے بڑے امام ہو کر یہ کیا غضب کر رہے ہیں

مگر موصوف نے نہ مانا اور بہت دور تک پہنچانے آئے پھر آنکھ کھل گئی۔

(۲۴۱) ارشاد فرمایا کہ اگر چہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد ان سب کے بڑے رتبہ ہیں لیکن یہ امام صاحب کو نہیں پہنچتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت جو امام صاحب کو حاصل ہے اس کی فضیلت کہاں جائے گی۔

کرامت :

(۲۴۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک فرنگی بہت پڑھا لکھا تھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہاں بھی آیا کرتا تھا شاہ صاحب کے انتقال کے بعد وہ دہلی میں جن لوگوں کے پاس گیا غالب آیا۔ مولوی محمد اسحاق صاحب کے وہاں بھی خبر ہوئی کہ وہ یہاں بھی آرہا ہے اتفاق سے میں اس وقت بیٹھا تھا میں نے کہا آتا ہے تو آنے دو کیا مضائقہ ہے غرض کہ فرنگی آیا اور اس نے مولوی اسحاق صاحب سے کچھ پوچھا تو میں نے اس بات کا جواب فرنگی کو دے دیا تو اس نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا کہ یہ کون شخص ہے لیکن اس سے میں نے دو ایک باتیں اور بھی کہیں اور ایک بات مزید کان میں کہہ دی۔ بس پھر کیا تھا۔

(۲۴۳) پھر فرمایا کہ ایسے ہی ایک اور فرنگی دہلی کے تمام پیرزادوں کے پاس پھرا جس کے یہاں جاتا وہ اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے۔ حضرت مرشد کے وہاں بھی اس کی آمد کا تذکرہ ہوا میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہرگز نہ کھڑے ہوں حضرت مرشد نے فرمایا کہ میرا خود تمہارے بغیر کہے کھڑے ہونے کا ارادہ نہ تھا غرض کہ فرنگی آیا اور حضرت مرشد بیٹھے رہے اس سے بھی میں نے ایسے ہی کچھ کہہ دیا۔ لو وہ آ گیا۔ پھر اس فرنگی نے وہاں سے واپس ہو کر کئی لوگوں سے کہا تمہارے شہر میں بس یہی ایک شخص ہے۔'' ہر دو روایات میں دونوں فرنگی بات کرتے ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

کرامت :

(۲۴۳) عبداللہ شاہ صاحب رحمانی مولانا بابا کی خدمت میں آرہے تھے اثنائے راہ میں ایک ندی پڑی انہوں نے یہ خیال کیا کہ گھوڑی نکل تو جائے گی ندی میں گھوڑی ڈال دی چنانچہ گھوڑی دلدل میں پھنس گئی اور دھنسنے لگی۔ عبداللہ شاہ نے فوراً ہی مولانا بابا کو یاد کیا چنانچہ مولانا بابا نے مدد فرمائی اور گھوڑی دل دل سے نکل گئی۔ جب گنج مرادآباد عبداللہ شاہ فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا ایک چادر اوڑھے بیٹھے تھے عبداللہ شاہ کو دیکھ کر فرمایا کہ لوگ ہم کو بلاوجہ تکلیف دیا کرتے ہیں اور اپنی پشت مبارک کھول کر دکھائی تو گھوڑی کے چاروں سم کا نشان مع کیچڑ کے آپ کی پشت اطہر پر تھا۔ عبداللہ شاہ آخر میں فیض صحبت سے مرد کامل ہوئے۔ (۲۲۳) ایسی ہی ایک اور روایت عبدالغنی صاحب پنشنر جج نے بیان کی۔ واقعہ بعینہ یہی ہوا نام کا فرق ہے۔

(۲۴۵) ایک مرتبہ جہاز پر حجاج کعبۂ شریف جا رہے تھے کہ جہاز گرداب بلا میں آ گیا۔ راکبین جہاز جن میں بہت سے مولانا بابا کے مرید تھے نے اپنے پیرومرشد سے مدد چاہی۔ تو ان حجاج نے بچشم خود دیکھا کہ مولانا بابا نے جہاز میں کندھا لگا کر جہاز نکالا۔ یہ واقعہ بھی عوام وخواص میں بہت مشہور ہو چکا ہے۔

کشف جلی :

(۲۴۶) مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی ناقل کہ میں جب مرادآباد شریف پہنچ گیا اور ایک روز آئے ہوئے ہو چکا تو میرے پاس واپسی بھر کے چالیس پینتالیس روپیہ بچ رہے تھے اسی روز مولانا بابا کو کسی کو دینے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوئی میں حاضر خدمت ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تمہارے پاس پینسٹھ روپیہ ہوں تو ہم کو قرض دے دو میں سوچنے لگا کہ اتنے تو نہ ہوں گے کہ پھر فرمایا تم اپنے بٹوے میں تو ذرا دیکھو

چنانچہ میں نے بٹوا کھولا اور روپیہ گنا تو پورے پینسٹھ روپیہ نکلے اس کشف جلی پر دنگ رہ گیا اور وہ رقم پیش کردی جسے آپ نے جلد ہی مجھے واپس کردیا۔

کرامت :

(۲۴۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ میں ایک قصبہ سے گذرا وہاں کچھ طوائفیں رہتی تھیں انہوں نے ہمیں کھڑے ہو کر سلام کیا تو ہم نے جھڑک دیا خدا کی قدرت کہ ہم تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ وہ سب آکر ہماری مرید ہوئیں اور سب نے نکاح بھی کر لئے۔

فضل رحمٰن سب کو درکار ہے :

(۲۴۸) ایک صاحب نے جو تذکرۂ مشائخ تحریر کر رہے تھے ایک شخص کو بدریافت حالات یہاں بھیجا مولانا بابا کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ بس اتنا لکھ دو کہ فضل رحمٰن سب کو درکار ہے۔ دراصل دنیا آج بھی اسی کی شیدائی اسی کی سوالی اسی کی بھکاری ہے۔

جناتوں کا صرف سلام سے فرار :

(۲۴۹) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص روم سے میرے پاس آئے اور جنات کے ستانے کی شکایت کی ہم نے ان سے کہا تم اس جنات سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ چنانچہ رومی نے ایسا ہی کیا تو وہ جن چلا گیا۔

(۲۵۰) مرزا محمد علی بیگ صاحب نے بیان کیا کہ ایک بھوپالی کی رئیس زادی کو ایک جن بے حد ستائے تھا اور کسی کے بھگائے نہ بھاگتا۔ عاجز ہو کر لڑکی کے والد نے مولانا بابا کو بھوپال لانے کے لئے ایک شخص کو بھیجا اور مجھ کو بھی سفارشاً روانہ کیا بہت کچھ یہاں آکر زور لگایا لیکن آپ نے تشریف لے جانا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ تم لڑکی کے کان میں جا کر یہ کہہ دینا کہ فضل رحمٰن نے تمہیں سلام کہا ہے۔ بس ایسا کہتے ہی وہ

اچھی ہوگئی۔ اگراسی ایک چیز کو لے لیجئے تو آپ کا کمال ورفعت بالکل واضح ہے اسی پر بس نہیں ہزاروں کی اسی سلام سے جان بخشی ہوئی ہے۔

(۲۵۱) مسجد فضل رحمانی میں بھی بہت سے جن رہا کرتے کیا مجال کسی کی کہ یہاں پیر رکھ دے ایک شخص حضرت مرشد کے خاندان کے وہ اذان کہتے اور ایک سوار کہیں سے آ کر نماز پڑھ جاتے مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم یہاں آئے تو وہ جن آ کر ہمارے مرید ہوئے ہم نے سمجھا دیا کہ یہاں آنے والوں کو نہ ستائیں۔

کرامت :

(۲۵۲) مولانا بابا صاحب ایک مقام پر پہنچے اور کنواں دیکھ کر پانی طلب فرمایا تو ساکنان قصبہ نے کہا کہ حضرت یہ کنواں تو نہ جانے کب سے اندھا پڑا ہے آپ نے فرمایا تم بسم اللہ کہہ کر اس میں سے ڈول بھرو لوگوں نے جب ڈول باہر نکالا تو وہ شفاف پانی سے لبریز تھا۔

نسبت موسوی :

(۲۵۳) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے اور ایک خادم بھی ساتھ تھا کہ ایک دریا پڑا تو بغیر کشتی ہم مع خادم کے پار اُتر گئے اور دامن بھی کسی کا تر نہ ہوا۔

(۲۵۴) پھر ارشاد فرمایا کہ جس کو نسبت موسوی حاصل ہے اسی سے یہ کرامت صادر ہوتی ہے۔

لب سے نکلتے ہی اچھا ہونا :

(۲۵۵) قاری عبدالرحمٰن صاحب جو حیدر آباد چلے گئے تھے ناقل کہ ایک مرتبہ میرے ہاتھ پاؤں ایسے رہ گئے کہ نقل و حرکت بالکل ناممکن ہوگئی چنانچہ حاضر آستانہ ہو

کر عرض حال بھی نہ کر پائے تھے کہ مولانا بابا نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں تم تو اچھے خاصے ہو۔ معاً قاری صاحب اسی وقت ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کچھ مرض ہی نہ ہو۔

(۲۵۶) احسان علی صاحب رحمانی جیلر (ریٹائرڈ) ناقل کہ مجھے صغر سنی میں دق کا آخری اسٹیج ہو گیا۔ والد مجھ کو مع ڈاکٹر و ملازمین لے کر گنج مراد آباد چلے راستہ میں پانی برسا تو میری حالت اور خراب ہو گئی۔ اسی عالم یاس میں آستانہ پہنچے۔ فائز خدمت ہوئے تو کوئی صاحب کہیں کی مشہور بالوشاہیاں ہتھیلی سے بڑی پیش کر رہے تھے کہ میری طرف دیکھ کر میرے والد سے مولانا بابا نے فرمایا کہ اسے بیمار کون کہتا ہے اس کا تو سر بھی نہیں دکھتا ہے۔ ڈاکٹر حیران، والد دنگ میں ساکت کہ اس میں کی دو بالوشاہی بالخصوص مجھے مرحمت فرمائیں۔ میں برسوں کا ترسا اسی وقت کھا گیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی صحیح و تندرست پیدا ہوا ہوں۔ اس دن سے اب تک سر میں درد تو دوسری چیز ہے بھاری پن بھی نہ آیا۔

کرامت :

(۲۵۷) حضرت شاہ خادم صفی صاحب صفی پوری کا جب وصال ہوا تو مولانا بابا نے اپنے خادم امام علی سے فرمایا کہ تم جا کر ہماری طرف سے مٹی دے آؤ۔ حالانکہ مسافت ۱۸ میل تھی مگر امام علی ایسے جلد پہنچے کہ مٹی میں شریک ہوئے اور قبل غروب پا پیادہ واپس بھی آ گئے۔

سورج کا شرمانا :

(۲۵۸) شاہ الٰہی بخش صاحب فرخ آبادی ناقل کہ قبل طلوع آفتاب صحن مسجد میں مولانا بابا مسائل حدیث بیان فرما رہے تھے طول جلسہ کافی وقت تک رہا مگر دھوپ نمودار نہ ہوتی تھی کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلال

سے سورج کو گہن لگ جاتا تھا اور اب بھی آپ کے غلام ایسے ہیں کہ سورج ان سے شرما جاتا ہے۔اس کے بعد اختتام پر جب آپ اٹھ کر چلے تو فوراً دھوپ نکلی۔

(۲۵۹) اثنائے درس حدیث بعد اشتراق کچھ دھوپ اس کونہ پر آئی کہ جس کے وسط میں حدیث شریف ہوا کرتی ایک صاحب کے دل میں خطرہ گذرا کہ یہاں سے اگر دوسری جگہ بیٹھتے تو اچھا تھا کہ مولانا بابا پر مکشوف ہو گیا معاً فرمایا کہ سورج کی کیا مجال کہ جہاں حدیث شریف ہو وہاں چمکے اور درس میں مشغول ہو گئے۔احمد مکی ناقل کہ جس گوشہ پر دھوپ تھی وہیں رہی اور باقی جگہ سایا ہی رہا۔مولانا بابا کے اٹھتے ہی اتنی تیز دھوپ وہاں آئی کہ جس برداشت نہ ہوسکتی تھی۔

(۲۶۰) نواب ظل کریم صاحب ڈھاکہ اسی ۱۹۵۴ء میں حاضر آستانہ ہوئے تو بیان کیا کہ میرے والد مجھے لے کر فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا مثنوی مولانا روم ہاتھ میں لئے پڑھ رہے تھے کہ کچھ دھوپ نمودار ہوئی کہ آپ نے سورج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم مثنوی شریف پڑھ رہے ہیں اور تم کو اس کا بھی پاس نہیں معاً یہ معلوم ہوا کہ سورج ابھی نکلا نہیں اور پڑھتے وقت تک یہی سماں رہا۔اس کے بعد اور کئی مریدین نے درس تفسیر کے لئے بھی ایسا ہی نقل کیا۔جس سے واضح ہے کہ اکثر یہی ہوتا۔جو شخص جس موقعہ پر ہوا اس نے ویسی نقل کی۔ورنہ روایات متحد المعنی ہیں گو ایسا اکثر پیش آیا کیا اور ایک دو بار کا یہ واقعہ نہیں۔اس کے آگے آپ ہم سے زائد سمجھ سکتے ہیں۔

ممنوعات سے پرہیز پر شرف :

(۲۶۱) پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کا بڑا درجہ ہے ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم نے گاجریں خریدیں تو ایک گاجر زائد آ گئی موصوف اس کو واپس کرنے گئے۔غور کرو کہ ایک گاجر کی حقیقت ہی کیا مگر تُرکُ ذَرَّۃٍ مِمَّا نَھَی اللّٰہُ عَنْهُ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ

الثَّقَلَیْنِ ۔ممنوعات خداوندی سے ایک ذرّہ بھی چھوڑ دینا عبادت ثقلین سے بہتر ہے۔

امام عالی مقام علیہ السَّلام :

(۲۶۲) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت امام حسن و امام حسین علیہا السلام میں باہم کچھ خلش ہوگئی لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ آپ چھوٹے ہیں جاکر صفائی کر لیجئے امام صاحب نے فرمایا کہ میں چھوٹا ضرور ہوں لیکن اوّل خود نہ جاؤں گا بالآخر امام حسن علیہ السلام ہی آئے اور خود ملے اس وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ دو بھائیوں میں رنجش ہو جانے پر جو ملنے کی اوّل سبقت کرے وہ جنتی ہے اس وجہ سے میں خود اوّل حاضر نہ ہوا تاکہ اوّل آپ آئیں اور مجھ سے پہلے جنت میں جائیں۔

(۲۶۳) پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری سفارش کے لئے پیدا کیا تھا۔" کچھ سمجھے آپ ایک محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد عالی کو۔؟

حق العباد :

(۲۶۴) اسی جلسے میں یہ ارشاد فرمایا کہ جب بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال شریف ہوا تو حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ (یا کسی اور کو فرمایا کہ اس) اس نے خواب میں دیکھا کہ بی بی فاطمہ علیہا السلام جنت میں نہیں جاسکتی ہیں باوجود یکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں پاک صاف فرمادیا تھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ممدوح بی بی صاحبہ کسی کی سوئی مانگ لائی تھیں وہ واپس نہ ہو سکی تو حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہہ نے وہ سوئی مالک کو پہنچادی۔پس بھائی وہاں کا معاملہ بڑا نازک ہے۔" سچ بھی ہے اسی پر تو کہا گیا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ ۔کی جو نیکوں کچھ بھلائیاں ہیں وہ مقربان حق تعالیٰ کی برائیاں ہیں۔نہ کہ حق العباد جس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

کشف :

(۲۶۵) ایک دن تہجد کے وقت مولانا بابا کچھ بزرگان دین کا ذکر فرمارہے تھے مولوی احمد حسن صاحب بہاری بھی حاضر تھے ان کو یہ خطرہ ہوا کہ اس وقت بھی لوگ ناحق آکر ذکر وشغل میں خلل ڈالتے ہیں۔ ادھران کے دل میں یہ خیال آیا ادھر مولانا بابا نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ بزرگان کا ذکر بھی تہجد سے کم نہیں نیز تہجد کے وقت جاگنا تو قرآن سے ثابت ہے۔

کرامت :

(۲۵۶) مولانا بابا جب قیام لکھنؤ میں بزمانۂ تعلیم مولوی محمد یحییٰ صاحب کی مسجد میں تشریف فرماتھے تو مولوی محمد یحییٰ صاحب ودیگر علماء مولانا بابا سے ملنے چلے۔ عمر شریف ۹ برس سے کم تھی کہ تھوڑی دیر بعد آپ بازار تشریف لے چلے تو میں (مولوی محمد یحییٰ صاحب) ونیز اور حضرات ہمراہ ہوئے بازار پہنچ کر ایک برتن والے کی دکان پر آپ نے تشریف رکھی اور فرمایا کہ لوٹا دکھاؤ۔ دکان دار نے اچھے قسم کے لوٹے دکھائے تو فرمایا کہ یہ نہیں دوسرے دکھاؤ اور لوٹے آئے وہ بھی آپ کو ناپسند رہے تو پرانے لوٹوں پر نوبت آئی چنانچہ آپ نے ایک پرانا لوٹا پسند فرمایا۔ دکان دار نے کہا بھی کہ یہ تو ازحد خراب ہے مگر آپ نے اس کی قیمت پوچھی دوکاندار نے نے ڈیڑھ روپیہ بتایا تو آپ نے پانچ روپیہ دے کر اسے خرید لیا۔ لوگ متعجب ہورہے تھے کہ خود فرمایا کہ اس لوٹے کو قرب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد تھا اس لئے لیا ہے۔ غور کیجئے اس محبت رسول پر۔ اور اس نظر ورفعت پر جب ہی تو بچپن سے علماء دیوانے رہے۔

سیدنا مخدوم مصباح العاشقین :

(۲۶۷) ایک جلسہ میں مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارے جدامجد مخدوم صاحب

گو چشتی تھے مگر خلاف شرع سماع وغیرہ نہ سنتے تھے۔ پھر مخدوم صاحب کی یہ کرامت بیان کی کہ ایک دن مخدوم صاحب دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ دور سے ہندوؤں کی برات گاتی بجاتی آنکلی۔ مخدوم صاحب کے خلیفہ شاہ وجیہہ الدین صاحب نے ان لوگوں کو منع کیا کہ حضرت چونکہ دروازے پر تشریف فرماہیں اسی لئے خاموشی وادب سے گذر جائیں لیکن براتیوں نے نہ مانا تو مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے پلک اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا تو سب کے سب آکر مسلمان ہوئے اور مرید بھی ہوگئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ سب کی حقیقی بارات ہوگئی۔

(۲۶۸) اسی پر دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مکان کے لئے ایک شہتیر آیا تو وہ اتفاق سے چھوٹا پڑا۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ تم درخت میں تو بڑھتے ہو یہاں بھی بڑھ جاؤ اب جو شہتیر رکھا گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مولانا بابا نے اس کی تصدیق فرمائی۔

(۲۶۹) مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ کا سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ گیسودراز خلیفہ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ہے یہ شعر حضرت چراغ دہلوی نے حضرت گیسودراز کے لئے فرمایا ہے۔ ؎

ہر کو مریدسید گیسودراز شد
واللہ پاک نیست او عشق بازشد

(۲۷۰) جب حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اوّل میں ملاواں تشریف لائے تو آپ کا مقابلہ بادشاہ جنات شاہ سکندر صاحب سے ہوا۔ بالآخر سکندر شاہ مطیع ہوکر مرید ہوئے اور ایسی اطاعت کی کہ پہلے شاہ سکندر صاحب کا فاتحہ ہولیتا ہے پھر حضرت مخدوم صاحب کا فاتحہ ہوتا ہے۔ مخدوم صاحب کی مسجد کے کونہ میں مکان کے گوشہ پر لکھنوی اینٹوں کا ایک کھمبا اب باقی ہے یہی سکندر شاہ کی قیام گاہ بھی ہے اور اب آرام گاہ

بھی۔اس حصہ کے باہر مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت شاہ اہل اللہ میاں صاحب محوخواب ہیں۔آج بھی منظر مرقد ہر دو حضرات کی سادگی و استغنا یاد دلاتا ہے۔

گنج مرادآباد :

(۲۷۱)ایک بار گنج مرادآباد کے متعلق مولانا بابا نے فرمایا کہ اس مقام کو آباد ہوئے تین سو برس ہوتے ہیں اور یہاں پر کئی ایک بانسبت بزرگ بھی ہیں لیکن جو نسبت گوہر شہید علیہ الرحمہ کی ہے وہ کسی کی نہیں۔

(۲۷۲) پھر فرمایا کہ اگرچہ سید سالار غازی (علیہ الرحمہ) یہاں آئے اور لڑے گو بڑے بزرگ ہیں لیکن شاہ بدیع الدین صاحب (قطب مدار مکن پور) نسبت میں فائق ہیں۔

کرامت و تبدیل مکانی :

(۲۷۳) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کو لشکر بھیجا مگر وہ ملک فتح نہ ہوتا تھا تو آپ نے مدینہ شریف سے لکھا کہ اچھا ہم خود آتے ہیں بشرطیکہ کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے پھر چند روز بعد ہی لوگوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور زور سے اللہ اکبر۔اللہ اکبر تکبیر کہی بس وہ ملک فتح ہو گیا۔پھر احمد مکی سے مخاطب ہو کر فرمایا سمجھے یا نہیں۔انہوں نے عرض کیا کہ حضور خوب سمجھا گویا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ شریف سے نکلے نہیں مگر وہاں پہنچ گئے۔

(۲۷۴) اسی پر پھر یہ فرمایا کہ ان کا تو بڑا درجہ ہے ہمارے زمانہ میں ایک بار کافروں سے لڑائی ہوئی وہاں ہمارے چند مسلمان مریدین بھی تھے انہوں ہم کو لکھا میں نے کہلا دیا مت ڈرو اللہ تعالیٰ مدد کرے گا لو فتح ہو گئی سمجھے کہ نہیں۔مکی صاحب نے عرض

کیا کہ جی ہاں سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ آپ ان کے ساتھ شریک جنگ ہیں۔

(۲۷۵) پھر فرمایا کہ اولیاء ابدال واقطاب وغیرہ کو قادر مطلق نے یہ قدرت عطا کر رکھی ہے کہ وہ جب چاہیں کہ کہیں جائیں ایک ذرا یوں منہ پھیرا اور وہیں پہنچ گئے اک آن میں یہاں اک آن میں وہاں۔

(۲۷۶) سرائے اگھت میں منے میاں رئیس کے والد کو مولانا بابا نے ایک نسخہ قرآن شریف مرحمت کیا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ مکتوب ہے ایں کلام پاک رابر مزار رسول الثقلین از اوّل تا آخر ہفت بار خواندہ ام۔ بہ ید فضل رحمٰن۔'' وہ کلام پاک آج بھی موجود ہے۔ یہ روایات اولیائے کرام کے تبدیل مکانی وظہور رامکنۂ متعدد کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔

کرامت :

(۲۷۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ بنارس کے قریب ایک پہاڑ چنار گڈھ ہے وہاں کے لوگ بھی ہمارے مرید ہوئے وجہ اعتقاد یہ تھی کہ وہاں بیچ میں پانی بہت گہرا پڑتا تھا اس طرف لے جانے میں بہت دور سے گھوم کر جانا ہوتا۔ غرضیکہ ہم اسی جگہ سے اتر کر دوسری طرف گئے خدا کی شان اسی وقت سے وہاں پانی پایاب رہ گیا۔ وہاں عرس میں ناچ ہوتا تھا ہم نے ان لوگوں کو اس سے منع کیا کہ بس قرآن خوانی اور تقسیم طعام کیا کرو۔

کرامت وصحت مکاشفہ :

(۲۷۸) ایک بار لوگوں میں چاند کی رویت پر بڑا اختلاف ہوا کسی نے کہا فلاں نے دیکھا کسی نے کہاں فلاں جگہ سے خبر آئی ہے کل عید ضروری ہے یہ خبر مولانا بابا کو مسموع ہوئی تو فرمایا کہ چاند ہم سے خود مل گیا ہے کہ آج ہم نہ نکلیں گے پھر بعد کو یہ تصدیق بھی ہوگئی کہ بالاتفاق کہیں چاند اس روز نہیں ہوا۔

کرامت نسبت عیسوی :

(۲۷۹) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہم ایک گاؤں گئے ایک مسجد جو غیر آباد تھی اس میں ہم نماز کو گئے لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ٹیڑھی بن گئی ہے اسی لئے نماز بند ہے مگر ہم نے وہیں نماز پڑھی اور تھوڑی دیر وہیں بیٹھے رہے پھر لوگوں سے کہا اب تو ذرا مسجد دیکھو۔ دیکھا تو مسجد بالکل سیدھی تھی۔ فرمایا کہ جس کی نسبت عیسوی ہوتی ہے اس سے ایسی باتیں ہوتی ہیں الحمدللہ کہ نسبت مصطفائی۔ نسبت موسوی اور نسبت عیسوی سب کا مجموعہ یہ مقدس ہستی ہے۔

کرامت جلیلہ :

(۲۸۰) حکیم حیدر علی خاں رحمانی لکھنوی جو عظیم آباد میں مقیم ہو گئے تھے ناقل کہ جب میں آستانۂ شریف روانہ ہونے لگا تو ہمارے ہی ایک پیر بھائی نے کہا کہ پیرومرشد کی خدمت میں بعد سلام کہہ دینا کہ کسی طرح میرے اولاد نہیں ہوتی دعائے خاص فرمادیں۔ فائز خدمت ہو کر میں نے اس شخص کا سلام و پیام بھی عرض کیا تو حضرت مولانا بابا فوراً مراقب ہو گئے اور مجھے توجہ دے کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو توجہ دے دی ہے تم اپنے پیر بھائی کے سامنے جا کر پھونک دینا اللہ تعالیٰ لڑکا دے گا۔ جب میں چلا تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھاری چیز میرے جسم میں ہے۔ میں نے عظیم آباد پہنچ کر اس پیر بھائی پر پھونک دیا مجھ سے وہ بوجھ اسی وقت جاتا رہا اور اسکو اللہ تعالیٰ نے نویں ماہ فرزند عطا گیا۔ بھلا اس خداداد وہبی قوت کا کچھ ٹھکانا ہے۔

فضل رحمانی ناخدائی :

(۲۸۱) ملک افغانستان پر جب انگریزوں کی چڑھائی ہوئی تو دادا میاں صاحب

نے قیام سلطنت اسلامی کے لحاظ سے مسرور ہو کر فرمایا کہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ کابلیوں کی انگریزوں پر فتح ہوئی تو مولانا بابا نے ایک جوش میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کابلی لوگ معمولی بات پر خون کیا کرتے ہیں بخلاف انگریزوں کے وہیں کسی شہر میں ایک بڑے مجذوب بھی تھے لوگوں نے ان سے دعا چاہی کہ کابل میں اسلام سلطنت ہو۔تو مجذوب صاحب نے کہا کہ وہ بڈھا (مولانا بابا علیہ الرحمہ) بھی تو کسی طرح مانے وہ تو انگریزی سلطنت چاہتا ہے۔یہی ایک روایت اتنی جامع ہے کہ مولانا بابا نے منجانب اللہ عطا کردہ قوتوں کو ہر پہلو سے بے نقاب کئے ہوئے ہے۔ہم تو اتنا ہی کہیں گے۔ ؎

نبی مختار حق ہیں آپ مختار محمد ہیں
جہاں میں ناخدائی اس لئے ہے فضل رحمٰن کی

اب تک جو حوالۂ قلم ہوا وہ ان کرامات کا عشر عشیر بھی نہیں جو صاحب کرامات سے ہوتی رہیں۔جس کو یوں سمجھ لیجئے کہ جس کثرت سے آپ کے مریدین تھے اسی قدر ان واقعات کا ظہور ہے جس کو جتنا یاد ہے اتنا وہ سنائے جارہا ہے اور داستاں اتنی کی اتنی ہے یہ باب جب آج بھی اسی آب و تاب سے کھلا ہوا ہے تو ہم اس کا تکملہ کیسے کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

گیارہواں باب

اس باب میں ہم خصوصیت سے ان مسائل کا ذکر اجمالاً پیش کر رہے ہیں جو غوث زماں حضرت گنج مرادآبادی نے بزبان مبارک فرمائے ہیں۔

وجہ تسمیہ نقشبندیہ :

(۲۸۲) بعد اختتام درس مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب حضرت مودود چشتی حضرت نقشبندیہ سب ایک ہیں اور ہمارے پیر ہیں۔ اگرچہ لوگوں نے نقشبند کی وجہ بہت سی لکھی ہیں مگر یہ صحیح ہے کہ حضرت بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ مٹی کے برتن بنایا کرتے ایک مرتبہ آپ نے ان برتنوں پر جو توجہ فرمادی تو ان سب پر اسم ذات جناب باری تعالیٰ منقوش ہو گیا۔

(۲۸۳) پھر فرمایا کہ جب حضرت نقشبند علیہ الرحمہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے چلے تو آپ کا وصال ہو چکا تھا حضرت نقشبند نے آپ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر کہا کہ ؎

اے دستگیر عالم دستم چناں بگیر
دستم چناں بگیر کہ گویند دستگیر

قبر سے جواب آیا کہ ؎

اے نقشبند عالم نقشم چناں بگیر
نقشم چناں بگیر کہ گویند نقشبند

(۲۸۴) اس کے بعد ہی فرمایا کہ ایک ہندو ہمارے پاس آیا اس پر لوگوں نے بیس ہزار کے قریب جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا تھا ہم نے اس کو غسل کر کے یہ شعر پڑھنے کو بتا دیا اس نے پڑھا تو وہ چھوٹ گیا یہ سن کر مدعی ہمارے پاس آیا ہم نے اسے بھی سمجھا دیا تو وہ مان گیا سبحان اللہ حق نے کیا مقام قبولیت عطا فرمایا تھا۔

مسائل :

(۲۸۵) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پاخانے جاتے تو فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور باہر آنے پر فرماتے۔ غُفْرَانَکَ وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ.

(۲۸۶) اور جب رات میں اُٹھتے تو کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقَ الْآخِرَۃِ اور کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَااِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمِ پڑھتے۔

(۲۸۷) دعائے وضو۔ ارشاد فرمایا کہ اگر چہ مشائخ نے وضو میں بہت سی دعائیں نقل کی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ. جتنی مستند ہے اور دوسری نہیں ہے پھر فرمایا کہ مشائخ کی دعائیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ ماثورہ کو ہرگز نہیں پا سکتی ہیں۔

تنفس فی الماء :

(۲۸۸) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے دست مبارک سے چلو بنا کر تین بار منہ سے

لگایا پھر ہٹالیا اور فرمایا کہ پانی پینے میں اسی طرح سانس لے ایک دم سب پانی پینا، یا گلاس میں منہ لگائے ہوئے رکھنا مسنون نہیں یعنی تھوڑا پی کر گلاس منہ سے ہٹا کر سانس لے یہی تین بار کرے۔

اشعار نعتیہ :

(۲۸۹) ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض لوگ امام اعظم کو برا سمجھتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھنا۔

(۲۹۰) اسی پردادا میاں نے فرمایا کہ بعض لوگ نعتیہ اشعار پڑھنے کو منع کرتے ہیں تو مولانا بابا جلال سے کانپ اٹھے اور بیزار ہو کر فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ذکر مت کرو وَلَقَدُ کَلِمَةَ الْکُفُرِ . کلمۂ کفر کی نقل بھی نہ کرنا چاہیئے۔

مولود شریف :

(۲۹۱) ایک بار جواز مولود شریف کا ذکر ہوا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تمام قرآن میں پیدائش انبیاء کا ذکر ہے بس یہی مولود شریف ہے۔

(۲۹۲) اسی ضمن میں ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہم تو روز مولود شریف کرتے ہیں حضرت زکریا، حضرت یحیٰ، حضرت عیسیٰ جملہ انبیاء اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت ترجمہ قرآن شریف وحدیث شریف یہ مذکور ہی تو مولود شریف ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ بیان پیدائش وعظمت ومعجزات یہی مولود شریف ہے۔

قیام میلاد :

(۲۹۳) اس ذکر پر کہ بعض لوگ جھوٹی روایتیں مبالغہ کے اشعار بلا لحاظ ادب پڑھتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ نیکی برباد گنہ لازم ہے صحیح روایات، باوضو، باادب

ہوکر اگر کوئی محبت سے قیام کرے تو منع نہ کرے۔

(۲۹۴) ایک بار دو شخصوں میں بحث چھڑی ایک جواز کے قائل ایک ایک عدم جواز کے تو مولانا بابا کو یہ تشدد نا گوار گذرا اور فرمایا کہ میں حشر کے روز خداوند عالم سے عرض کروں گا کہ الٰہی جن لوگوں نے تیرے حبیب کا ذکر محبت سے کیا ہے انکو بخش دے۔''

بڑا بھائی :

(۲۹۵) حضرت قبلہ مولانا بابا کانپور میں تشریف فرما ہوئے مولوی محمد علی صاحب مونگیری بھی فائز خدمت ہوئے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہاں نہر پار ایک مولوی یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں یہ سنتے ہی مولانا بابا صاحب کانپ اُٹھے اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ہمارے سامنے ذکر مت کرو نعوذ باللہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے۔ پھر فرمایا۔

نسبت خو د بہ سگت کردم وبس منفعلم
اُنکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

سبحان اللہ۔ کیا بات فرمائی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتے کی برابری کا بھی خیال بے ادبی ہے۔

فاتحہ :

(۲۹۵) ایک صاحب نے فاتحہ کی بابت دریافت کیا مولانا بابا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمائی اور فرمایا کہ یہ میری تمام امت کی طرف سے ہے بس یہی فاتحہ ہے۔

(۲۹۶) مولوی یوسف علی بھوپالی نے ایصالِ ثواب کے لئے بتاشے منگوائے

تو مولانا بابا نے دست مبارک اٹھا کر پڑھا اور فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو پہنچے اور خود کھا کر حکم تقسیم دیا۔

ذکر نبی :

مولوی محمد علی صاحب مونگیری سے مخاطب ہو کر حضرت مولانا بابا نے فرمایا کہ مولود کیا ہے۔ لَاۤ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا یہ بھی مولود ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہوا ایسی ذکر رسالت و مدائح کا عرف عام ہی مولود ہے۔ سلام ہو یا قیام یا ذکر رسالت ادب و محبت سے باعث خوشنودی رب العزت ہے جو اہل محبت ہیں ان کو ہی خدائے قدوس نے اس کی توفیق بخشی ہے۔

(۲۹۸) ایک بار دادا میاں علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ بعض لوگ میلا د شریف کو شرک و کفر کہتے ہیں تو مولانا بابا غصہ سے کانپنے لگے پھر فرمایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ لو ہم تو روز مولود میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ سمجھا آپ نے یعنی نماز میں کہنا شرک نہیں تو خارج از نماز کیسے شرک ہے۔

یارسول اللہ :

(۲۹۹) ایک شخص نے سوال کیا کہ مشکل یا حاجت کے وقت یا رسول اللہ کہنا کیا ہے۔ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک نابینا حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بینائی چاہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یَامُحَمَّدُ اِنِّیۤ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ الخ یہ طریقہ اسے تعلیم فرمایا۔ الٰہی بحرمت کہنا۔

(۳۰۰) درس حدیث میں استسقا بعم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اسی واسطے الٰہی بحرمت فلاں کہنا درست ہے۔

بردحبرہ :

(۳۰۱) ایک روز بردحبرہ کا ذکر درس حدیث میں آیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ لنگیاں (تہہ بند) جو پہنی جاتی ہیں اسی کے قائم مقام ہیں۔

(۳۰۲) اسی اثنا میں مؤذن نے اذان دی تو بعد اختتام مولانا بابا نے دعائے اذان بغیر وَارۡزُقۡنَا شَفَاعَتَہٗ پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ حدیث میں نہیں۔ بلکہ بڑھا ہوا ہے۔

مسئلہ : (۳۰۳) درس حدیث میں حدیث کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیۡرٌ وَّمِنَ النِّسَاءِ. پر احمد مکی نے سوال کیا کہ حضرت عائشہ اور بی بی فاطمہ میں کس کو فضیلت ہے؟ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے پھر ہاتھ سے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور مراقب ہوئے تھوڑی دیر بعد سکوت کا اشارہ پھر کیا اور مراقب ہوئے پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ اس مقدمہ میں گفتگو نہ کرنا چاہئے۔

مسئلہ : (۳۰۴) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جس کی چھ نمازیں بے ہوشی سے چھوٹ جائیں تو اس کی قضا نہیں یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

منی آرڈر :

(۳۰۵) مکی صاحب نے سوال کیا کہ منی آرڈر کرنا کیسا ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ درست نہیں ہاں مگر ایک حیلہ ہے جیسے ہم کو سو روپیہ کہیں بھیجنا ہے ہم نے مہاجن سے کہا کہ یہ سو روپیہ فلاں جگہ پہنچا دو اور ایک یا دو روپیہ اس کی اجرت لے لو۔

نازک مسئلہ :

(۳۰۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک بار حیدر آباد میں ایک مسئلہ پر سخت بحث تھی

فرنگی محلی کے علماء بھی اس میں کچھ کہہ نہ سکے ایک ہمارے دوست نے ہم سے کہا میں نے اس پر لکھ دیا کہ اگر کسی کو کوئی گھونسا مارے اور وہ مر جائے تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیّت ہے۔ وہ شخص بچ گیا اور بہت خوش ہوا۔

(۳۰۷) اسی پر یہ ارشاد فرمایا کہ ایسے ہی رام پور میں بزمانۂ نواب احمد علی خاں ایک بڑے مولوی صاحب تھے وہ بھی ایک مسئلہ میں گم تھے ہم نے ان سے وہ مسئلہ کہلا بھیجا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے لڑکے آ کر میرے مرید ہوئے۔

جوازِ تبرکات :

(۳۰۸) درس قرآن کریم میں وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰى وَآلُ هَارُوْنَ. کی تفسیر میں مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ یہ تبرکات عصا، عمامہ، جوتہ تھے پھر جلالین دیکھنے کا حکم دیا تو اس میں یہی مسطور تھا پھر فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ بزرگوں کا جوتہ وغیرہ تبرک ہے۔

آیت الکرسی۔ (۳۰۹) ارشاد فرمایا کہ آیت الکرسی عظیم تک بھی ہو لیکن خالدون تک بہتر ہے۔

بڑا دن :

(۳۱۰) ایک دن مولانا بابا نے فرمایا کہ فرنگی جو بڑا دن مانتے ہیں یہ ان کا نہیں ہمارا بڑا دن ہے کیونکہ اس روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خوشخبری دی۔ بِقَوْلِهٖ يَاتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اسْمُهٗ اَحْمَدَ. جیسے کوئی کسی کی بہو بیٹی کے آنے کی خوشخبری دے تو اس کا کتنا بڑا احسان مانا جاتا ہے پس ہم کو چاہئے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی بھی خوشی منائیں اور جب مخبر کی خوشی ماننا اور احسان تسلیم کرنا ضروری ہوا تو اس مخبر بہ کی خوشی اور جس روز وہ عالم وجود میں آیا اس دن کی خوشی اور اس

احسان ربی کا ماننا تو بدرجۂ اولیٰ واجبی ہوا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ جس پر خود گواہ ہے۔

مسئلہ :

(۳۱۱) مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر کسی کو ایسی بیماری جیسے پھوڑا۔ حدث یا سلسل بول ہو تو اس کو چاہئے کہ جب وقت نماز ہو اس وقت وضو کرے اگر طاقت ہو تو کھڑے ہو کر ورنہ بیٹھ کر فرض ادا کرے۔ ہاں امام اعظم صاحب کے نزدیک اگر وہ سنت بھی پڑھے درست ہے۔

مسئلہ اذان :

(۳۱۲) بوقت شب حاضرین سے مولانا بابا لیٹے لیٹے کلام فرما رہے تھے کہ عشاء کی اذان ہوئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ سامع اگر لیٹا ہوا اذان سنے تو اٹھ بیٹھے۔

(۳۱۳) پھر فرمایا کہ وضو کرتے وقت برہنہ سر ہو کر وضو کرنا چاہئے۔

دیگر مسائل :

چند نو وارد مرید ہونے کے لئے آئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ بلاؤ خدام نے عرض کیا کہ نماز عصر ادا کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

(۳۱۵) کہ مسافر کو چاہئے جہاں وقت آجائے وہیں نماز ادا کرے کیونکہ مسافر کا راہ میں نماز پڑھنا پچاس نمازوں کا ثواب رکھتا ہے بہ نسبت منزل مقصد کے۔

(۳۱۶) پھر فرمایا کہ جو شخص کوئی وظیفہ پڑھتا ہو اور بیمار ہو جائے تو فرشتے اس کا وہی وظیفہ لکھ لیتے ہیں۔ یہ سب مضمون حدیث ہے ایسی ویسی باتیں نہیں ۔ چنانچہ بعد ادائے نماز وہ لوگ حاضر ہوئے اور مریدی کی درخواست کی تو فرمایا کہ جس وقت تم اپنے گھر سے روانہ ہوئے اسی وقت تم مرید ہو گئے پھر بھی ان لوگوں نے ظاہراً دست

بیعت چاہا تو فرمایا کہ شب کو مرید ہو لینا۔

سنت جمعہ :

(۳۱۷) مولانا بابا بعد فریضہ جمعہ اوّل چار رکعت پھر دو رکعت سنتیں پڑھا کرتے۔ عام طور پر فرائض میں سلام پھیر کر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ رَبَّنَا حَیِّنَا بِالسَّلَامِ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ پڑھا کرتے۔

ترجمۂ قرآن :

(۳۱۸) زیر آیت وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ مولانا بابا نے ترجمہ فرمایا کہ چونک دے مسلمانوں کو لڑائی پر۔ حاضرین نے تحسین کی تو فرمایا کہ یہ ترجمہ کرنا ہمارے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی صحبت کا اثر ہے پھر یہ شعر پڑھا۔ آرنمک باقیست از میراث او۔

(۳۱۹) اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَاھُوَ بِالْھَزْلِ کا ترجمہ فرمایا کہ یہ دوٹوک بات ہے ہنسی ٹھٹھا نہیں۔(۳۲۰) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کا ترجمہ فرمایا کہ دھن اور پوت سب دھرتی سنگار ہیں۔

(۳۲۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. کا ترجمہ فرمایا کہ اے من موہن تو محمد نبی اور ان کے بال بچوں پر ایسا میا موہ رکھ جیسا تو نے ابراہیم نبی اور ان کے بال بچوں پر میا موہ سیج ہے کہ تو سراہا ہوا مہا دھنی ہے۔

(۳۲۲) وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا کا ترجمہ یہ ارشاد فرمایا کہ اور تھا اپنے رب کا پیارا۔"(۳۲۳) بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ترجمہ فرمایا کہ اے انوکھے بنانے والے زمین اور آسمان کے (۳۲۴) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا. کا ترجمہ فرمایا

کہ جگمگا اٹھی دھرتی پالن ہار کی جوت سے۔(۳۲۵)مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ حدیث کا ترجمہ فرمایا جو ہر کو بھجے وہ ہر کا ہوئے۔ان تراجم سے اکثر وہ مستند علماء جو اس وقت حاضر ہوتے وجد میں آجاتے اور ہمارے بحر العلوم مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی پر تو کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔(۳۲۶)اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ کا ترجمہ فرمایا کہ یاد رکھو من موہن کی یاد سے دل کو آرام ہو جاتا ہے۔(۳۶۶)اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کا ترجمہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دلار اور پیار محمد صاحب پر اور ان کے بال بچوں پر۔" (۳۲۷)وَحَسُنَ اُوْلٰئِکَ رَفِیْقًا . کا ترجمہ فرمایا اور کیا اچھا ساتھ ہے۔(۳۲۸) حدیث اِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَّقِیْنَ کا ترجمہ فرمایا کہ بندہ خدا آرام طلب نہیں ہوتے۔(۲۳۰)یَضْرِبُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا ٹکڑہ حدیث کا ترجمہ فرمایا کہ مارے پھرتے تھے پورب اور پچھّم۔ (۳۳۱) قرآن کا ترجمہ دعوت کی چٹھی فرمایا۔(۳۳۲) بہشت کا ترجمہ مہمان خانہ فرمایا (۳۳۳)اثنائے درس حدیث حَتّٰی بَلَغَ مِنِّیْ الْجُحْدُ پر مولانا نے فرمایا کہ چھاتی سے لگا کر دبانا یہ بھی اک توجہ ہے۔(۳۳۴) سورۂ یوسف کلمہ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ کا ترجمہ فرمایا کہ اگر تم اسے بڑبھس نہ سمجھو۔(۳۳۵) زیرِ آیت لَوْلَا اَنْ رَّاٰی بُرْھَانَ رَبِّہٖ فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام دانت میں انگلی دیئے ہیں۔(۳۳۶) پھر ارشاد فرمایا کہ سورۂ یوسف تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ہے دیکھو نہ کہ امام حسین علیہ السلام کا گھر گھر نام ہے۔

حضرت یوسف سے فیض :

(۳۳۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم لڑکپن میں یوسف زلیخا پڑھتے تھے تو ہم کو حضرت یوسف علیہ السلام سے فیض آیا کرتا تھا۔

ترجمہ قرآن :

(۳۳۸) تحت آیات ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّىْ . مولانا بابا نے فرمایا کہ دلدّ ر دور ہوگئی پھر فرمایا کہو کیسا ترجمہ ہوا۔سب نے حقیقت تسلیم کی۔(۳۳۹) مِنْ صِدِّيْقٍ حَمِيْمٍ کا ترجمہ فرمایا ایسا دوست جس کا جی جلے۔(۳۴۰) زیر آیت وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ بعض اولیاء اللہ نے فرمایا کہ اس دن جب امر خدا ہی کا ہوگا تو پھر ڈر کس کا ہے۔پھر یہ پڑھا۔ ؎

جہاں آفریں گر نہ یاری کند
کجا بندہ پرہیزگاری کند

(۳۴۱) زیر آیت مَا غَرَّكَ بِرَبِّ الْكَرِيْمِ . (اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے دیالو خدا سے غافل کر دیا۔) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ہم سے یہ کہے گا تو ہم عرض کریں گے۔يَا رَبِّ غَرَّنِىْ كَرَمُكَ کہ تیرے کرم کے سہارے غفلت ہوئی۔

قوتِ یاد :

(۳۴۲) زیر آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ.

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہے جو حضرت آدم سے ہوا تھا۔ پھر فرمایا کہ کوئی تفسیر تو ذرا لاؤ۔احمد مکی تفسیر لینے گئے تو مولوی عبدالکریم صاحب سے بھی انہوں نے یہ بتایا تو مولوی صاحب بولے کہ ذنب کے معنی گناہ کیوں لئے جائیں بلکہ دلدّ ر دور ہوئی کہا جائے چنانچہ مکی صاحب تفسیر لائے اور مولوی صاحب والی بات بھی کہی تو مولانا بابا سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ عبدالکریم اسے کیا سمجھیں گے تم تفسیر کھولو۔اتنے میں عبدالکریم صاحب بھی آ پہنچے غرض تفسیر میں یہی آپ

کا فرمودہ نکالو تو ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ مجھے ٹھیک یاد تھا۔

فائدہ : اکثر مفسرین حضرات اسی پر متفق ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو روزِ اوّل سے سراپا معصوم ہیں جہاں گناہ تو بڑی چیز ہے غلطیوں کی بھی گنجائش نہیں جو خدا کا احسان عظیم ہے تقدم سے مقصود حضرت آدم وحوّا علیہما السلام کا گناہ اور تأخر سے امت کے جرائم مراد ہیں۔ امام ابواللیث گفتہ کہ گناہ گذشتہ ذنب آدم وحوّا است واز آئندہ جرائم امت۔ سوال دل میں خود یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اضافت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں کی گئی؟ یہ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام میں موجود تھے اس لئے تقدم سے باری تعالیٰ نے اس شائبہ کا بھی ازالہ فرما دیا اور تاخر کی اسناد اسلئے فرمائی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کارساز امت ہیں اور گناہ امت آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں یہ احادیث سے ظاہر ہے کہ رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت امت کے لئے کس قدر بے قرار رہا کرتے رب العزت نے بھی اس چیز کی خوشخبری دی جو وجہ خلش تھی اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے مبارک باد اس الفاظ میں دی کہ خدا کو آپ کے لئے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔ دوسرا نکتہ یہ یاد رکھئے کہ خود تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نورِ الٰہی ہوں اور مخلوق میرے نور سے ہے نورِ الٰہی کی شان یہی ہے کہ گناہ تو پھر بڑی شے ہے غلطیوں سے بھی منزّہ ہو ورنہ نورِ الٰہی کی تعریف صادق نہ ہوگی اس لئے ماننا پڑے گا کہ وجود ذی جود صلی اللہ علیہ وسلم ان غلطیوں کے امکان سے بھی مبرّا تھا جو بتقاضائے بشری ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ کی بشریت بھی نورانیت میں جذب ایسی ہو گئی تھی کہ آپ بس سراپا نور ہی نور تھے۔

ترجمہ : ۳۳ (۳۴۳) درس بخاری شریف میں زیر حدیث اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ مولانا بابا نے فرمایا کہ اس کا ترجمہ ہم سے سنو میں نے پھلواری میں جھانکا

پس دیکھا۔

(۳۴۴) حورالعین کا ترجمہ فرمایا آنکھیں جیسے آم کی پھانکیں۔(۳۴۵) ٹکڑہ حدیث وَالْفَیُّ الْفَقَرُ کاترجمہ فرمایا چٹیل میدان جہاں گھاس تک نہ ہو۔(۳۴۶) اَبُوْجَمْرَۃَ الضَّعُبِیْ کاترجمہ بڑے پیٹ والا فرمایا۔(۳۴۷) عُنُذُرُ کاترجمہ فرمایا جس کا گال زائد پھولا ہوا ہو۔(۳۴۸) باب الرحمان کاترجمہ ہرا بھرا فرمایا۔(۳۴۹) اسماعیل کاترجمہ مطیع اللہ۔(۳۵۰) مریم کاترجمہ عابدہ فرمایا۔(۳۵۱) یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ الصَّلٰوۃِ الخ کا آپ نے یہ ترجمہ فرمایا کہ اے دھرمی لوگو جب شکروار کے پوجے کی پکار ہو تو من موہن کی یاد میں جھپٹ کر چلو اور کاروبار چھوڑ دو شاید تمہارا بھلا ہو جائے۔

صحت حدیث :

(۳۵۲) احمد مکی نے ایک موقعہ پر یہ حدیث پڑھی۔مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ تو مولانا بابا نے اصلاحاً فرمایا کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ خالی رفعہٗ کہنے سے جو شبہ تھا وہ مرفوع ہو گیا۔(۳۵۳) آپ کی قوت یادا تنی زبردست تھی کہ کیسی ہی عبارت حدیث ہو سنتے ہی زبانی اصلاح فرماتے اور سند حدیث بھی سنا دیتے۔(چنانچہ ایک مرتبہ مولانا بابا نے فرمایا کہ اس حدیث کے الفاظ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ نہیں ہیں۔بلکہ اَنَااُحِبُّکُمْ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ . ہے مکی صاحب نے عرض کیا کہ اوّل الذکر الفاظ بھی تو حدیث کے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم کو اتنا بھی یاد نہیں وہ تو یہ حدیث ہے۔رَبِّ اُعِنِّیْ وَلَاتُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ ۔ اَللّٰھُمَّ ۔ کیوں ٹھونستے ہو مکی صاحب دم بخود رہ گئے۔

☆☆☆

بارھواں باب

اتباعِ سنت :

حضرت غوث زماں فرددوراں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے اذکار واشغال میں اگر کوئی چیز محبوب ترتھی تو وہ اتباع سنت اوراس پرعمل کامل ہے۔ابواب موجودہ شاہد ہیں کہ سنت کا بڑا درجہ ہے مگرآپ سے مستحبات اورسنت بزرگان تک نہ چھوٹ سکیں۔آپ کی عملی زندگی کوممتاز کرنے والی یہی اتباع سنت وحسن اتقا تو ہے۔

کمال اتقاء :

(۳۵۴)علاوہ دیگرامور کےان دوچیزوں پرنظرڈالئے۔

(۱) آپ نے کبھی کسی کپڑے کوخواہ وہ قیمتی ہو یا سادہ بلا دھلائے ہوئے زیب تن نہ فرمایا۔اورکبھی دھوبی کے ہاتھ کے دھلے ہونے پر اکتفا نہ کیا بلکہ مکرراپنے طور پر بھی پھردھوکراستعمال فرمایا۔

(۲)ہمیشہ مٹی کے برتن میں کھانا تناول فرمایا۔

(۳۳۵)ایک مرتبہ مولوی تجمل حسین صاحب ناشرکمالات رحمانی کومٹی کے پیالے میں کھانا بھیجا گیا تو ان کو خلافت نفاست معلوم ہوا مولانا بابا نے کشف سے معلوم کر کے تجمل حسین صاحب کو بلاکرارشاد کیا کہ بھئی امام شافعی علیہ الرحمہ کےنزدیک چینی کے برتن میں کھانا مکروہ ہےاس لئے ہم احتیاطاً نہیں کھاتے۔غورکیا آپ نے اورفرق کوسمجھا کہ جواز کیاہے اوراحتیاط کیاہے حسن عمل کی اس سے زائد شاندارمثال اورکیا ہوگی کہ وہ عمل ہی نہ کیا جوکسی امام کےنزدیک بھی مکروہ ہو۔کھانا تواور بات ہےآپ نےکبھی شیشہ چینی،تام چینی المونیم کے برتنوں کوچھوا بھی نہیں۔

غذا :

(۳۵۶)محبوب غذا آپ کی عام طور سے مونگ کی کھچڑی ہوتی ۔ باجرہ کی روٹی، ماش کی دال بڑے ذوق سے کھاتے حتیٰ کہ جوبیمار حاضرہوتے ان کوکبھی یہی باجرے کی

روٹی ماش کی دال کبھی آلو ملتے اور تریاق کا کام کرتی۔ دوسری فصلوں میں موٹی روٹی جَو یا جوار کی یا گندم کی نوش کرتے قلیل غذا فرماتے۔

(۳۵۷) اور ارشاد فرماتے کہ خدا کے دوستوں کا کھانا تو مطبخ جبریل سے ہوا کرتا ہے۔ (۳۵۸) ایک مرتبہ ایک شخص کو آپ نے ایک شیرمال کا تازہ گرم گرم ٹکڑا دے کر فرمایا کہ این ہم از مطبخ جبریل است۔

انتہائے تقویٰ :

(۳۵۹) مولانا بابا علیہ الرحمہ اکثر بقالان گنج مراد آباد سے قرض ہی لیا کرتے۔ کبھی آئے ہوئے روپیہ سے کھانے پہننے کی ضروریات نہ خریدیں۔ **نکتہ** : قرض کی وجہ بھی سمجھ لیجئے۔ (۱) شریعت کے لحاظ سے تو یہ نکتہ تھا کہ اگر کسی طرح کا مشکوک روپیہ آپ کے پاس آجائے تو وہ قرض میں نکل جائے اور بقال چونکہ مکلّف بہ شرع نہ تھا اس لئے اس کا قرض والا روپیہ حلال تھا اسی طرح اناج بھی آپ بازار وغیرہ سے نہ لیتے بلکہ وہ بقال سے لیتے جو ہر طرح حلال ہوتا اور خطرات کا احتمال جاتا رہا۔ (۲) قرض بلحاظ طریقت اس لئے ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بندۂ مقروض جو ادائیگی کی نیت مقدم رکھے تو خدائے قدوس اس کی معیت میں رہتا ہے پس مولانا بابا کی بھی یہی نیت تھی کہ معیت الٰہی بھی ہمدوش رہے اور سنت اسلاف بھی ادا ہو جائے۔

(۳۶۰) اس کے بعد روحانیت کے لحاظ سے قرض کو لیجئے تو مولانا بابا نے خود فرمایا کہ قرض لینے میں یہ اسرار ہے کہ نفس منکسر رہتا ہے۔

قبر سے ادائیگی قرض :

(۳۶۱) آخر وقت میں آپ پر نو (۹) ہزار کا قرض تھا۔ بقال پریشان تھا کہ آپ کے بعد اس کی ادائیگی کیسے ہوگی تو ایک بار مولانا بابا نے جلال میں فرمایا کہ اگر ہم نہ

ہوں گے تو ہماری قبر ادا کردے گی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ راجہ ممتاز علی صاحب تعلق دار اترولہ ریاست ضلع گونڈہ بعد وصال شریف آستانہ آئے اور نو ہزار روپیہ قبر شریف پر رکھ دیا کہ جس جس کا ہو مرقد مطہر سے اٹھا لے۔

(۳۶۲) قاعدہ ہے کہ اہل اللہ کسی کا احسان نہیں لیتے چنانچہ راجہ صاحب کو لندن میں پہنچتے ہی چار لاکھ روپیہ ریس سے مل گیا۔

(۳۶۳) تصویر کا دوسرا رخ بھی یہاں قابل دید ہے کہ جن لوگوں نے لالچ میں آکر اپنا قرضہ جتایا اور جنہوں نے قرض کو بڑھا چڑھا کر اصل سے زائد بتایا انہیں آج گنج مراد آباد آکر دیکھئے کہ خود بھی صاف ہیں اولادِ نرینہ سے بھی محروم ہیں۔

غنی نفس :

(۳۶۴) راجہ صاحب دربھنگہ فائز خدمت ہوئے اور ایک اشرفیوں کی تھیلی پیش کی مولانا بابا فوراً رام دین بقال کو طلب کر کے تھیلی بلا دیکھے سنے اس کے حوالہ کر دی بقال آپ کے سامنے شمار کرنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ گھر جا کر گن لینا۔ جب دوبارہ بقال حاضر آیا تو آپ نے پوچھا کہ اب تو تمہارا قرض سب ادا ہو گیا۔ تو بقال نے کہا ابھی تو پچاس آپ پر اور باقی ہیں۔ فرمایا اللہ وہ بھی ادا کر دے گا۔'' ہم نے روایت مثالاً پیش کی ہے کہ آپ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی غنی نفسی اور عجلت ادائے قرض کو اگر ایک طرف سراہیں تو دوسری طرف اس لالچ کا بھی اندازہ کریں جس سے کبھی حساب بے باق نہ ہو پاتا مریدین و اہل بستی شاہد ہیں کہ آپ کیسی وافر رقم کیوں نہ دے دیتے لیکن بقال کا قرض باقی ہی نکلتا۔ کمال استغنا یہ دیکھئے کہ مکاری کے علم کے باوجود چشم پوشی فرماتے۔

شانِ سخا :

(۳۶۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ کو منعم عم نوالہٗ نے جس طرح اور صفات علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائیں شان سخا بھی آپ کو بے نظیر عطا کی تھی۔ دیکھنے والے ہی اس کا کچھ

لطف جانتے ہیں سننے میں یہ مزہ کہاں کہ گھر میں حاضرین کی وجہ سے خرچ کی ضرورت ہے لیکن ادھر کی آپ کو مطلق فکر ہی نہیں ہاں اگر دُھن ہے تو وَیُطعِمُوْنَ الطَّعَامَ اعلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا . کی دھن ہے۔ جستجو کے ساتھ مستحقین طلب کیئے جاتے اور داد و دہش جاری رکھی جاتی۔ صوفیاء کے وظائف مساکین کے مشاہرے مزید برآں تھے۔ چاندنی شاہ۔ مستان شاہ جیسے بزرگ روزانہ مقررہ وظیفہ پاتے بہرحال جو بھی آتا وہ اسی طرح صرف کرتے اور بعد فراغت الحمدللہ کہہ کر اٹھتے۔ گھر کا خرچ کا سوال ہوتا فرما دیتے کہ اللہ رازق ہے۔

(۳۶۶) ایک مرتبہ نواب خورشید جاہ صاحب حیدرآباد سے فائز خدمت ہوئے اور ایک ہزار کی رقم طلائی ونقرئی پیش کی۔ کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ ایک نابینا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری لڑکی کی تلک کی رسم میں چھ سو روپیہ مانگا جاتا ہے آپ نے معاً چھ سو روپیہ اسے دے دیا۔ مختصر یہ کہ اسی مجلس میں ہاتھ جھاڑ کر الحمدللہ کہتے ہوئے اُٹھے اور ایک حِبّہ گھر میں نہ دیا۔ نواب صاحب اپنی جگہ مبہوت رہ گئے۔

(۳۶۷) انسان تو پھر انسان ہے جانور بھی محروم نہ رہتے اور بقال کو حکم تھا کہ روزانہ بطخ، کبوتر، مینا، فاختہ وغیرہ کو دانہ دیا کرے جب آپ مسجد سے باہر کی طرف زنان خانہ جانے لگتے تو یہ جانور گھیر لیا کرتے تھے۔

شرف الدولہ :

(۳۶۸) مولوی محمد یحیٰی صاحب ناقل کہ مولانا بابا صاحب لکھنؤ تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں قیام کیا اور میں بھی درس حدیث پڑھنے جایا کرتا اتفاقاً آپ کے وطن سے ایک آدمی آیا میر صاحب علی ناظم مطبع نے عرض کیا کہ اس نو وارد سے معلوم ہوا کہ وطن میں سب خیریت ہے ہاں گھر میں خرچ کی سخت ضرورت ہے۔ اتنے میں شرف الدولہ صاحب نے حاضر ہو کر کئی ہزار روپیہ نذر کیا مگر آپ نے اس میں سے ایک حبّہ

بھی گھر نہ بھیجا اور وہ سب رقم نسخۂ قرآن وحدیث کی خرید پر نیز مستحقین کی تقسیم پر صرف کر کے یہ شعر پڑھا۔

چرا خودرا اسیر خود بفکر بیش وکم داری
کہ ننگ دارد تر احتیاج ایزد تا کہ دم واری

ایسے صدہا واقعات ہیں کہ یہ شان توکل حسن استغنا۔ اور یہ سخاوت اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں۔ جس کی معراج کمال یہ ہے کہ روپیہ کی بارش میں یہ رقم کبھی گھر پر نہ صرف ہو سکی۔ اچھوتی نظیر ہے۔

حسن سخاوت :

(۳۶۹) ایک عرب صاحب مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آکر دوسو روپیہ کے سائل ہوئے آپ نے کسی شخص کو بقال کے پاس سے قرض لانے بھیجا اتفاقاً اس کے پاس اس وقت کل ڈیڑھ سو روپیہ تھے وہی اس نے دے دیئے عرب صاحب کو آپ نے دے دیئے تو وہ دوسو روپیہ سے ایک پیسہ کم یعنی پر راضی ہی نہ ہوئے تو آپ نے پھر مزید پچاس روپیہ قرض منگا کر دے دیئے جب عرب صاحب روپیہ پورا لے چکے تو بولے کہ میری چادر۔ کٹورا اور لوٹا چوری ہو گیا ہے وہ بھی ہم کو دو۔ آپ نے اپنی چادر جو اوڑھے تھے اور لوٹا کٹورا بھی دے دیا۔ یہ پا کر عرب صاحب بولے کہ ہم کو آٹھ دس خط بھی سفارشی لکھ دو آپ نے خطوط بھی تحریر فرمادیئے اب عرب صاحب بولے کہ سواری کا انتظام کرو اور کرایہ بھی ادا کرو۔ آپ نے کرایہ پر ٹٹو منگا دیا اور ایک بقال سے کرایہ ٹٹو کے مالک کو دلا دیا۔ جب عرب صاحب روانہ ہوئے۔ دیکھا آپ کے حسن ضبط وقوت برداشت وفیاضی کا عالم کہ سائل تھک گیا مگر آپ اس کی خوشی کرتے رہے۔

توکل کے روح پرور نظارے :

(۳۷۰) نقد روپیہ کے علاوہ تحائف بیش قیمت میں بھی مولانا بابا علیہ الرحمہ اپنے

لئے نہ رکھتے وہ بھی بانٹ دیتے جے پور کے ایک حکیم صاحب آپ کے لئے ایک بیش قیمت معجون لائے اور عرض کیا کہ یہ قیمتی جواہرات کا مرکب آپ کے قویٰ کے اضمحلال کے لئے بے حد فائدہ بخش ہے۔ آپ نے ایک انگلی سے چکھ کر تعریف کی۔ اتفاق سے ایک مہتر آیا آپ نے فرمایا کہ تیرے اولاد بھی نہیں ہے اور ضعیف الاعضا بھی ہے تو اسے کھایا کر حکیم صاحب نے ہمارے لئے بڑی کاوش سے تیار کی ہے۔ اور معجون اسے دے دی۔ بڑھاپے میں اس کے بارہ لڑکے ہوئے۔

(۳۷۱) ایک رئیس نے فائز خدمت ہو کر چاندی کا نیچہ چاندی کی فرشی چاندی کی چلم و سرپوش پیش کی۔ آپ نے فرمایا ہم چاندی کو منہ میں کیسے لگا سکتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ اس میں مہنال کا سرا تانبے کا اور نچلا حصہ چاندی کا ہے آپ نے فرمایا تم بڑے شعور دار ہو کہ کچھ سائل آ گئے ایک نے کہا کہ میری لڑکی کی شادی ہے دوسرا بولا میرے وہاں ولادت ہوئی ہے تیسرا بولا کہ میرے لڑکے کا ختنہ ہے آپ نے تینوں میں وہی حصہ تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ اس کو بیچ لینا اس کے سوا ہمارے پاس اور اس وقت نہ تھا۔ اسی طرح قیمتی گھڑیاں۔ دوشالے، قالین وغیرہ تقسیم فرما دیتے۔

اتباع سنت :

(۳۷۲) ایک روز جلسۂ نیم شب میں کچھ رات رہ جانے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوڑی رات رہ جاتی تو لیٹ جایا کرتے یہ فرما کر آپ بھی لیٹ گئے۔ یہ معمول آپ کا اتباع سنت کے طور پر تھا۔

محبت نبوی :

(۳۷۳) ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی ہزار برس کی عمر ہو اور عمر بھر اس نے برے کام کئے ہوں مگر ایک مرتبہ اخلاص و صدق دل سے اشھدان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دے تو اس کے سب گناہ دھل گئے اور وہ جنتی ہو گیا۔ بھلا بتاؤ تو اس کا

کیا سبب ہے؟ جب کوئی لب کشائی نہ کرسکا تو فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کو اتنے پیارے اور ایسے محبوب ہیں کہ جس نے ان کا نام اخلاص سے لیا جنتی ہو گیا حاضرین کمال مسرور ہوئے اور تحسین کرنے لگے پھر مولانا بابا نے شاہ سلیمان صاحب پھلواری سے فرمایا کہ اس کی سند تو کلام پاک میں ہے پڑھو مگر وہ خاموش رہے تو آپ نے آیت **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ معنی ہی یہ ہیں کہ میرا محبوب مجھ کو اتنا پیارا ہے کہ جو ان کی چال چلے گا وہ محبوب خدا ہو جائے گا۔

اتباع سنت :

(۳۷۴) احمد مکی صاحب ناقل کہ رات میں اکثر میں نے مولانا بابا کو سرمہ لگاتے کنگھا کرتے اتباع سنت کے طور پر دیکھا۔

(۳۷۵) ایک بار مولانا بابا نے بڑے غمگین لہجہ میں فرمایا کہ ہمارے مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے ایک سنت چھوٹ گئی وہ نواسوں کو کھلا نہ سکے خدا کا شکر کہ اس نے ہم سے یہ سنت ادا کر دی۔

(۳۷۶) ایک شخص اونٹ پر حاضر ہوئے تو مولانا بابا بیرونِ مسجد تشریف لائے اور اونٹ پر سوار ہو کر اِدھر اُدھر چلایا پھر فرمایا کہ یہ سنت رہی جاتی تھی۔

(۳۷۷) مرض الموت میں مولانا بابا کو پاجامہ بدلنے کی ضرورت ہوئی حاضرین نے اتارنے میں داہنے پیر سے ابتدا کرنا چاہی تو آپ نے فوراً داہنا پیر کھینچ کر بایاں پیر دراز کر دیا۔ اسی طرح پہناتے وقت بائیں پیر سے ابتدا چاہی تو آپ نے داہنا پیر پھیلاتے ہوئے فرمایا کہ تم کو اتنا بھی شعور نہیں۔ غور کیجئے کہ اس نازک وقت میں بھی اتباع سنت ملحوظ رکھے۔

باری باری سوار ہونا :

(۳۷۸) درس حدیث میں جب یہ ذکر آیا کہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنی رکاب میں پیادہ نہ چلنے دیتے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ ہم نے بھی سفر میں باری باری سواری کی ہے۔

(۳۷۹) پھر یہ فرمایا کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ جب سوار ہوتے تو مجھ سے فرماتے کہ تم بھی سوار ہولو لیکن میں عرض کرتا کہ میں ذرا پیدل چلوں گا۔ ہاں ایک آدھ وقت حضرت کے ملول ہونے کے خیال پر سوار ہو لیتا۔

سنت اسلاف :

(۳۸۰) اسی روز ڈاک سے بہت سے خطوط آئے احمد مکی نے خطوط سنانا شروع کئے بعد ملاحظہ مولانا بابا نے خطوط چاک کر کے فرمایا کہ ان کو دفن کردو۔ ہمارے حضرت علاء الدین صابر علیہ الرحمہ خطوط پھاڑ کر دفن کرتے یا جلا دیتے تھے۔

اتباع سنت :

(۳۸۱) محمد یوسف صاحب عرب فائز خدمت تھے جب اجازت لے کر اٹھے تو احمد مکی سے مولانا بابا نے فرمایا کہ ان کو کچھ کھلا دینا مکی صاحب نے دریافت کیا تو انہوں نے کچھ سست جواب دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں انہوں نے کچھ نہیں کھایا ان کو بلا لاؤ۔ خادم انکو لے گیا پھر آپ نے خادم سے کچھ طلب کیا تو خادم نے شیرینی والا مٹی کا برتن حاضر کیا۔ آپ نے اس میں سے ایک لڈو نکال کر محمد یوسف صاحب کے لڑکے کی طرف اوّل بڑھایا اور پھر روک لیا اور محمد یوسف صاحب سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تعظیم تو بڑے کی چاہئے تھی میں تم کو چھوڑ کر اس لڑکے کو کیوں دیتا ہوں وہ ساکت رہے تو آپ نے فرمایا کہ اَلاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ. یہ داہنی طرف بیٹھے ہیں سنت یہی ہے کہ داہنی طرف سے ابتدا کرے پھر لڈو تقسیم کئے۔

پاس ادب :

(۳۸۲) بعد اشراق منشی سالک رام۔ احمد مکی وغیرہ حاضر تھے مولانا بابا درود شریف پڑھنے میں مشغول تھے اس عرصہ میں آپ کے منہ میں تھوک آیا تو آپ نے ایک گوشہ میں تھوکا اور فرمایا کہ چونکہ درود شریف پڑھ رہا تھا اس لئے ایسی جگہ تھوکا کہ پیر میں نہ آوے۔

پاس حرمت :

(۳۸۳) پھر ارشاد فرمایا کہ ایک بار ہم کہیں جا رہے تھے ایک جگہ ٹھہرے اور سونے کی جگہ تلاش کی ایک شخص نے کہا کہ بس یہاں پر اتنی جگہ ہے لیکن کتابیں رکھی ہیں ہم نے کہا لاحول ولاقوۃ یہاں کہاں سوئیں غرض ہم یوں ہی رات بھر گڑی مڑی پڑے رہے۔ غور کیجئے کہ عام کتب کا بھی آپ نے اتنا لحاظ رکھا کہ نہ پیر پھیلائے نہ لیٹ سکے۔ ان روایات سے واضح ہے کہ سونے کی جگہ ایسی ہو جہاں کتب وغیرہ نہ ہوں لیکن بعض لوگ دانستہ کانس یا محراب پر کلام ربانی رکھتے اور اپنی محرمات کے ساتھ ایسی جگہ سوتے ہیں۔ برکت کے لئے اگر رکھنا ہی تو نشست کی جگہ رکھنا چاہئے۔

اتباعِ سنت :

(۳۸۴) درس حدیث میں قصص جنگ تھے بعد اختتام درس مولانا بابا نے فرمایا کہ خیر یہ سنتیں عام تو ادا ہوتی ہی رہتی ہیں مگر جب عذر ہوا تو یہاں پر بھی لشکر پڑا ہوا تھا اس وقت ہم سے لوگوں نے کہا تم بھاگ جاؤ لیکن ہم یہ سوچ کر کہ بال بچے کس پر چھوڑیں کہیں نہ گئے بلکہ مع ایک پٹھان کے لشکر کی طرف گئے پھر وہاں ایک تیر چلایا۔ وہ لشکری بھی فرار ہو گئے اور سنت بھی ادا ہو گئی۔

(۳۸۵) ایک روز بعد درس مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنی صاحبزادی صاحبہ علیہا السلام کے گھر تشریف لے گئے حضرت علی مرتضیٰ اور بی بی فاطمہ علیہا السلام دونوں سو رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں

حضرات کے وسط میں چارپائی پرتشریف فرما ہوئے وہ دونوں اُٹھ بیٹھے کسی دنیادار سے اگر یہ کہوتووہ اسے عیب سمجھے حالانکہ یہ سنت ہے اسی طرح ہم نے بھی کیا ہماری بیٹی اورداماد سورہے تھے ہم وسط میں چارپائی پر بیٹھ گئے اور یہ سنت بھی اداہوگئی دنیادار جوچاہیں سمجھا کریں۔

(۳۸۶) پھرارشادفرمایا کہ ایک کوڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہواتو آپ نے اس کوالگ ٹھہرایا۔ فَرَّمِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ . پھرآپ نے اس کواپنے ساتھ کھانا کھلایا تواس کا جذام جاتارہا۔ حضرت ابوبکروعمر نے بھی ایساہی کیا ایک بارایک مجذوم ہمارے پاس بھی آیاتو ہم نے اس کوعلیٰحدہ اُتاراپھر اپنے ساتھ کھلایااوردعاکردی وہ اچھابھی ہوگیااورسنت اداہوگئی۔

معظم ومکرم :

(۳۸۷) ایک صاحب نے حاضر ہوکرعرض کیا کہ معظمی ومکرمی فلاں حاضری کاشرف رکھتے ہیں تومولانابابانے فرمایاتم کوشرم نہیں آتی کہ معظم ومکرم ذات توسرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

جامع کمالات :

(۳۸۸) ایک شخص نے کسی کو جامع کمالات صوری ومعنوی فلاں کہہ کرکچھ عرض کرنا چاہا کہ حضرت مولانابابااس پر برہم ہوئے اورفرمایا کہ انسان جامع زوالات کو جامع کمالات کہتے ہوتم کواتنا بھی شعورنہیں۔ جامع کمالات ذات توسرکارِدوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تھی۔ سبحان اللہ کیاحسن ادب تھا۔

احتیاط ادب :

ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک مقدمہ میں ماخود ہوگیا ہوں کچھ پڑھنے کو بتادیجئے تومولانابابانے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو۔

سرم خاک رہ ہر چار سرور
سیدنا ابوبکر وعمر عثمان وحیدر

کسی نے عرض کیا کہ حضور مصرعہ ثانی بڑھ گیا آپ نے فرمایا جھکے سے بڑھ گیا ہمارا ادب تو ساقط نہیں ہوا۔

(۳۹۰) مولانا بابا کے حکم پر احمد مکی نے ایک شخص کا خط سنایا آپ نے دریافت کیا کہ کیا نام لکھا ہے عرض کیا کہ سید اکبر علی تحریر ہے تو آپ نے فرمایا کہ انکو شرم نہیں آتی کہ سید اکبر علی لکھتے ہیں اکبر علی کافی تھا۔

(۳۹۱) پھر فرمایا کہ ہم سات بار دہلی گئے جب بھی کسی نے پوچھا ہم نے نہ بتایا کہ ہم کون ہیں آخر میں ایک ہمارے ہم وطن نے سب سے کہہ دیا وہ دہلی میں بڑے اعزاز پر تھے۔

کرامت آفاقی :

(۳۹۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ دہلی میں ہمارے پاس پانچ روپیہ تھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اپنی والدہ صاحبہ کے پاس مرادآباد بھیج دیں حضرت مرشد نے مجھ سے فرمایا تو میں نے عرض کیا حضرت مرشد نے فرمایا ہم کو دے دو ہم بھیج دیں گے پھر ایک ماہ بعد آپ نے خبر دی کہ تمہارے وہ روپیہ پہنچ گئے حالانکہ ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے جب گھر آئے تو والدہ نے بتایا کہ اسی شب حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے پردے سے دروازے پر پکار کر روپئے دیئے اور خیریت بھی کہہ دی۔

بدیھہ گوئی :

(۳۹۳) اللہ تعالیٰ نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کو جس طرح دیگر صفات مخصوصہ عطا فرمائی تھیں اسی طرح بدیہہ گوئی کی بھی صفت امتیازی عطا کی تھی چنانچہ ایک دن آپ کے روبرو یہ ذکر ہوا کہ جب شہنشاہ عالمگیر علیہ الرحمہ نے بت خانہ توڑ کر مسجد بنانے کا حکم

دیا تو ایک شاعر نے فی البدیہہ یہ شعر کہا کہ ؎

بہیں کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

بھلا مولانا بابا کو ایسے خلاف شرع اشعار سننے کی تاب ہی کہاں تھی آپ نے فوراً اصلاحاً ارشاد کیا۔

بہیں کرامت اسلام اے غبی کافر
کہ جائے کفر کند پاک برکت اسلام

اسی طرح اور بھی دیگر مثالیں ہیں۔

اتباعِ سنت :

(۳۹۴) بعد عصر درس قرآن کریم ہوا زیر آیت **اِسْتَجِیْبُوْا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ اِذْ دَعَاکُمْ** مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ حکم یہ ہے کہ جب رسول بلاوے اگرچہ نماز بھی پڑھتا ہو نیت توڑ کر حاضر ہو۔ چنانچہ مختار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب سے فرمایا تھا۔

(۳۹۵) پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص نفل نماز پڑھتا ہو اور اس کے ماں باپ بلائیں تو نماز توڑ کر حاضر ہو پھر بکمال مسرت فرمایا کہ ایک بار میں نفل پڑھ رہا تھا تو حضرت مرشد نے بلایا میں نماز توڑ کر حاضر ہوا اس پر حضرت مرشد بہت مسرور ہوئے۔

ھدایت :

فرائض توڑ دینے کا حکم خاص رسول کے لئے تھا ہاں ماں باپ کے بلانے پر صرف نفل نماز توڑ دے فرض نہ توڑے۔

کشتی گیری :

(۳۹۶) ایک دن بعد اشراق ایک پہلوان فائز خدمت ہوا بعد بیعت اس نے

عرض کیا کہ ایک سے میری کشتی بدی ہے آپ دعا کریں کہ میں غالب آؤں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ مسلمان کو زیر کرنا اور اس پر خوش ہونا بہت برا ہے ہاں اگر اس نیت سے کشتی سیکھے کہ جہاد میں کافروں کو پچھاڑیں گے تو مضائقہ نہیں۔

کرامت مرشد :

(۳۹۷) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار دہلی میں ایک بہت بڑا نامی پہلوان آیا اس کے ڈر سے دہلی کا کوئی پہلوان مقابلے کو نہ آیا اس وقت لوگوں نے ہمارے حضرت مرشد سے کہا کہ آپ نے فرمایا ہم تو مشائخ ہیں پہلوان تو نہیں لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دہلی کی کرکری ہوتی ہے آپ نے فرمایا خیر غرض وہ پہلوان حاضر ہوا آپ نے اس سے دو ایک داؤ کیئے اور اس کی پیشانی پر ہلکا سا ایک ایسا چرکا دے کر کہ اسے تمیز نہ ہوسکی الگ ہوگئے پھر فرمایا کہ آئینہ لا پہلوان آئینہ میں چرکا دیکھ کر حیران ونادم ہوا۔

فیض قبر :

(۳۹۷) حاجی حیدر علی صاحب نے بیان کیا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میری قبر سے فیض ہوگا۔ بحمد اللہ یہ فیض قبر آج تک اسی آب وتاب سے جاری ہے۔

(۳۹۸) ۱۹۳۶ء میں مسجد فضل رحمانی میں عرس شریف کے موقعہ پر عبدالحکیم عرف بھورا خاں رحمانی ملیح آبادی پر فالج گرا صاحب سجادہ مدظلہ سے اطلاع کی گئی تو فرمایا کہ جس کے پاس آئے ہیں وہاں لے چلو چنانچہ خان صاحب کو مزار شریف میں لے جا کر ڈال دیا گیا پندرہ سولہ منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ بھورا خان صاحب صحیح وسالم اٹھے چلے آئے اور کئی سال بقید حیات رہے۔

(۳۹۹) قاضی یوسف حسن صاحب بدایونی اپنی اہلیہ کو لے کر حاضر آستانہ ہوئے ان کی اہلیہ کے سینے پر ایک گلٹی ہوگئی تھی جو کسی دوا علاج سے مندمل نہ ہوسکی قاضی

صاحب نے اہلیہ کو مزار شریف میں بند کر دیا اور خود باہر رہ کر با آواز کہا کہ اسے اسی وقت لے جاؤں گا جب یہ اچھی ہو جائے گی۔ تھوڑی دیر میں قاضی جی نے اپنی اہلیہ کے کھٹ کھٹانے پر دروازہ کھول کر پوچھا تو گلٹی بالکل غائب تھی۔ ۱۳۱۳ھ سے آج تک آئے دن فیوضات جاری ہیں کہ جن کی تدوین کے لئے کافی وقت اور کئی جلدیں درکار ہیں۔ کیسے ہی مریض آئے کنویں کا پانی پیا اچھے ہو گئے۔ جذامی، مبروص، حاضری ہی سے صحت یاب۔ کسی نے ارادہ حاضری کیا کہ اس کا کام وہیں ہو گیا کوئی اثنائے راہ سے آتے آتے مفتوح وشاد لوٹ گیا۔

(۴۰۰) راجہ کشن پرشاد صاحب حیدر آبادی کسی عتاب میں آنے کی وجہ سے حاضر ہوئے اس وقت ریل تھی ابھی اسٹیشن پر ہی قیام تھا کہ ان کو والی حیدر آباد نظام صاحب کا حکم ملا کہ اپنی جگہ بحال کئے گئے۔ اور وہ اسی دم واپس گئے۔

بانسبت ہونا :

(۴۰۱) مولانا بابا نے فرمایا کہ صاحب حال وصاحب مقام ہونا آسان ہے مگر بانسبت ہونا مشکل ہے۔ (۴۰۲) ایک بار یوں ارشاد فرمایا کہ صاحب حال وہ ہے جس پر کوئی کیفیت وارد ہوا کرے صاحب مقام وہ ہے کہ جس وقت متوجہ ہو کیفیات وارد ہونے لگیں۔ اور بانسبت وہ ہے کہ اس کو دائمی فنا و بقا حاصل ہو۔

تکرار بیعت :

(۴۰۴) اس سوال پر کہ تکرار بیعت کیا ممنوع ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر مرشد اوّل صاحب نسبت نہ ہوا ور دوسرا مرشد بانسبت ہو تو تکرار بیعت واجب ہے کیونکہ صاحب نسبت سے بیعت باعث نجات ہے قیامت کے دن جب اس پر فضل ربی ہوگا تو اس کا پرتو اس کے مریدوں پر پڑے گا اور وہ بھی ہمراہ جنت جائیں گے۔

طریق بیعت :

(۴۰۵) بوقت بیعت مولانا بابا علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے کہ بیعت ہے رسول اللہ علیہ وسلم کی طریقہ میں حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق کے پھر کلمۂ تشہد تلقین فرما کر توبہ کرادیتے جو عورتیں اس غرض سے آتی تھیں ان کو عمامہ یا چادر کا دامن پکڑا دیتے ورنہ یوں ہی آپ زبانی جو فرماتے اسے وہ دہرایا کرتیں مگر کبھی بھی کوئی حصہ مس نہ ہونے دیا۔

علوئے نسبت :

(۴۰۶) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے سفید جزدان سے کتاب سرورالمخزون نکالی اور کچھ صفحہ تک پڑھ کر بکمال انکساری فرمایا کہ ہم کو مختار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گلے لگالیا۔ پھر یہ شعر پڑھے۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند و عزیز وخاندان راچہ کند

دیوانہ کنی ہر دوجہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دوجہاں راچہ کند

(۴۰۷) مولوی سید محمد علی صاحب مونگیری فائز خدمت تھے کہ مولانا بابا نے مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کعبۂ شریف یہاں حاضر ہے۔

(۴۰۸) ایک مرتبہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی اسی میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مسجد میں منبر کے پاس تشریف فرما ہیں اور بہت سے اولیاء مثل حضرت نظام الدین اولیاء وغیرہ بھی جمع ہیں۔ (۴۰۹) اسی ضمن میں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی بھی ابھی تشریف لائے تھے۔ (۴۱۰) پھر ارشاد فرمایا کہ ہم کو اس کا بڑا ذوق تھا کہ بغداد شریف جائیں حالانکہ اس وقت ریل کو لوگ جانتے بھی نہ تھے ہم نے استخارہ کیا۔ لو وہ خود یہاں تشریف لے آئے۔ یاد رکھو

استخارہ کرنا سنت ہے۔

اجازت قادریہ :

(۴۱۱) حضرت مرشد دہلوی علیہ الرحمہ کا ایک اورافتخار نامہ ایسا بھی ہے کس میں نقشبندیہ طریقہ کے علاوہ قادریہ سلسلہ کی اجازت بھی تحریر ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ کی روح رواں مولانا بابا کی ذات بابرکت تھی۔

انتہائے قبولیت :

(۴۱۲) مولوی عبدالمجید صاحب مالک مطبع دہلی ناقل کی چار میمیں (یوروپین عورتیں) جن میں تین لندن کے شاہی خاندان کی اورایک امریکن عورت تھی ان کو حضرت مولانا بابا کی زیارت ہوئی اور چاروں اسی عالم خواب میں مسلمان ہوئیں عالم رویامیں ان کی تعلیم طریقہ اویسیہ کی طرح ہوئی۔ان عورتوں میں یہ ملکہ تھا کہ سلب مرض کرلیا کرتی تھیں وہ سب عبدالمجید صاحب کے ساتھ گنج مرادآباد براہِ سندیلہ روانہ ہوئیں ابھی تین کوس کا فاصلہ تھا کہ ایک ندی حائل ہوئی وہ عورتیں اسے عبور نہ کرسکیں مجبوراً عبدالمجید صاحب تنہا گئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ ان کا سب کام ہوگیا۔ جب عبدالمجید صاحب واپس پہنچے تو وہ سب عورتیں مسکرائیں اورکہا کہ مولانا صاحب یہاں تشریف لائے تھےاور ہم کو توجہ دے کر واپس گئے۔

کمال قرب :

(۴۱۳) درس حدیث شریف کے موقعہ پر خشیت صحابہ کا ذکر آیا کہ غلبۂ خوفِ الٰہی سے ان کی پسلی چمکنے لگتی تھی قاری سبق ایک مولوی صاحب کو یہ وسوسہ ہوا کہ آپ پر تو پہلے ہی سے یہ کیفیت طاری تھی معاً مولانا بابا نے قاری سبق سے ارشاد فرمایا کہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہوجاتا ہے۔ یہ فرماتے ہی ان قاری سبق پر یہی کیفیت طاری ہوگئی اوروہ جائے قیام پر پہنچتے پہنچتے بے ہوش ہوگئے ہوش آنے پر بھی

تین دن پسلی چمکتی رہی۔ قاری سبق ناقل کہ میرے جائے قیام پر بھی نور معلوم ہوتا تھا خود روایت سے اندازہ کیجئے کہ فیض صحبت سے قاری سبق کا جب یہ حال اور یہ شرف حضوری حاصل ہے تو پڑھانے والے کا قرب اور کمال کتنا رفیع الشان ہوگا۔

مکاشفہ جلیلہ :

(۴۱۴) ایک بار درس حدیث شریف ہو رہا تھا کہ مولانا بابا نے بآواز بلند کہنا شروع کیا کہ واجد علی شاہ بخشا گیا واجد علی شاہ بخشا گیا۔ حاضرین کو بڑا تعجب ہوا کہ خیر وفات بھی نہیں پھر ان کی عیش پسندی کے باوجود یہ فرماتے ہیں یہ خطرہ گذرتے ہی مکرر ارشاد فرمایا کہ واجد علی شاہ کو صحابہ کرام سے بڑی محبت تھی۔ لوگوں نے تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ کلکتہ سے وفات کا تار آیا ہے۔

عشق خدا :

(۴۱۵) مولوی لطف اللہ صاحب رام پوری جو مولوی محمد شاہ صاحب رام پوری محدث کے ساتھ ہی فائز خدمت ہوئے تھے مولوی ظہور الاسلام صاحب فتح پوری و دیگر علماء بھی تھے کہ حکیم عظمت حسین صاحب رحمانی اور مولوی لطف اللہ صاحب رام پوری سے اس پر بحث چھڑ گئی کہ انسان کو عاشق خدا کہنا ممنوع ہے۔ فیصلہ طرفین میں جب نہ ہوسکا تو دونوں حضرت مولانا بابا کی خدمت میں چلے وہاں کشف پہلے ہی ہو چکا تھا۔ صورت دیکھتے ہی آپ نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

عاشقاں را روز محشر باقیامت کار نیست
کار عاشق جز تماشائے جمال یار نیست

نکتہ لطیفہ :

(۴۱۶) مولوی حکیم نور الحق صاحب رحمانی اور دوسرے لوگوں سے بحث ہوئی کہ ؎

یہ ہاردنیش خضر وموسیٰ دواں

مسیحا چہ گویم بہ مرکب رواں

شعر میں پیغمبروں کو مثل سائیس ہم رکاب ثابت کرنا اہانت پیغمبر ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا بابا صاحب کے یہ بحث گوش گذار ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اہانت کا خیال تو سمجھ کا قصور ہے دیکھو نہ دولہا کے ساتھ باراتیوں میں خورد و بزرگ دادا نانا باپ چچا وغیرہ سبھی ہوتے ہیں کوئی گھوڑے کی باگ تھامتا ہے کوئی رکاب پکڑتا ہے کوئی مرچھل لئے ہے لیکن اس میں کسی کی توہین نہیں۔ اسی طرح معراج میں ہوا اس میں کسی کی توہین کہاں یہ تو مقام محبت ہے۔

اولیاء کا علم غیب :

(۴۱۷) درس قرآن میں **وَلَا یَطَّلِعُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدٌ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ** ۔ (غیب خداوندی کو کوئی خود نہیں جان سکتا مگر خدا جس رسول کو چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے) پھر ارشاد فرمایا کہ **مِنْ رَّسُوْلٍ** کی یہ قید خصوصی نہیں اتفاقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے غیب پر مطلع کر دے اب اس میں اولیاء بھی داخل ہیں۔ **فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ** کی حدیث اس کی شاہد ہے بلکہ متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ بذاتہٖ اور بلا واسطہ علم غیب صرف حق سبحانہ کا ہے اور بواسطۂ الٰہی میں سب ہیں لیکن سب سے کامل اور ارفع علم غیب اللہ تعالیٰ نے مختار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جو کسی کو حاصل نہیں۔

نورانیت اولیاء :

(۴۱۷) پھر ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کے دلوں میں ایسا نور ہوتا ہے کہ اس سے سب کچھ نظر آتا ہے جیسے کسی تاریک گھر میں آفتاب سے سب روشن ہو جایا کرتا ہے۔ الحمدللہ کہ اس دورِ فتن میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے یہ ارشادات عالی حق پرستوں کے لئے خضر راہ ہیں۔

حضرت خواجہ اجمیری :

(۴۱۸) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم نے حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کی زیارت کا ارادہ کیا رات کو ہم نے خود دیکھ لیا اور ایسا فیض پہنچا کہ بیان سے باہر ہے پھر فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو یہ بزرگ نبی ہوتے۔

نوید بخشش :

(۴۱۹) مولانا بابا نے فرمایا کہ قیامت میں خداوند قدوس کا جب مجھ پر فضل وکرم ہوگا تو میں عرض کروں گا کہ مجھے اپنا دیدار کرا اور میرے جتنے مریدین ہیں سب کو بارِ الٰہا بخش دے۔ یہ روایت بلفظہ اصل ہے بعض لوگوں نے اس روایت کو توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے۔ یہ کوشش کی ہے کہ مولانا بابا تیقن اور اطمینان سے یہ لفظ کہے حالانکہ جب کا لفظ اس بکواس کو خود رد کر رہا ہے۔

☆☆☆

تیرہواں باب

علمائے ناقدین کا خراج تحسین :

(۴۱۹) یوں تو جس بزرگ اور جس عالم دین نے جمال فضل رحمانی کا مشاہدہ کیا خراج تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکا لیکن خصوصیت سے مفتی ظہور الاسلام صاحب فتح پوری حافظ حدیث مولانا ابوسعید صاحب ایرانوی، بحر العلوم ابوالحسنات مولانا عبدالحئی صاحب، محدث فرنگی محلی، مفتی ظہور اللہ صاحب، مفتی نعمت اللہ صاحب ومولانا نور الحق صاحب ومولانا ولی اللہ صاحب محدث لکھنوی ومفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی ونواب مولوی صدیق حسن صاحب والی جاہ والی بھوپال ومولانا احمد حسن صاحب سہسوانی ومولانا احمد حسن صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم کا اٹھتے بیٹھتے یہ متفقہ مقولہ تھا کہ جس کو اتباع سنت عامل حدیث اور خلفائے اربعہ کے دربار شریعت وطریقت کی شان دیکھنا ہو وہ حضرت مولانا صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کو دیکھ آئے۔ (۴۲۰) فضلی صاحب بھوپالی نے اسی کو لکھا ہے۔

نظم

چہ گویم وصف او اللہ اکبر　　حبیب اللہ محبوب پیمبر
جمال مصطفیٰ در سینۂ ارو　　جلال کبریا آئینہ او

صفائے سینۂ صدیق اکبر | ہمہ آئینۂ صدیق اکبر | لسان ناطق فاروق اعظم | بیان او ہمہ از دوست ملہم
نگاہ چشم ذی النورین عثمان | نہ بیند از حیا جز روئے یزداں | توانا باز و کرار حیدر | ز آل قرۃ العین پیمبر
دل خواجہ بہاء الدین والحق | دماغ شاہ جیلاں غوث اسبق | نظام الدین بہ محبوبیت او | ہمہ احمدیہ قیومیت او
بود ہر چند از خود بے نشانے | نشانے دارد از ہر خاندانے | بود او ارفع دشواری ما | دوائے شافی بیماری ما
نباشد درد ما را ہیچ درماں | مگر تیر نگاہ فضل رحماں

مولوی اشرف علی صاحب :

(۴۲۰) حضرت مولانا بابا کی خدمت میں جناب تھانوی صاحب سب سے پہلی بار دورِ طالب علمی میں حاضر آستانہ مولوی حافظ ابوسعید خاں صاحب مالک مطبع نظامی کانپوری کے ساتھ آئے۔ خاں صاحب ناقل کہ تھانوی صاحب فائز ہوئے تو سوال ہوا کہ کیا پڑھتے ہو تھانوی صاحب نے کتابوں کے نام لئے۔ آپ نے سوال کیا کہ فراغت وضو کے بعد کون سی مستند دعا پڑھی جاتی ہے۔ تھانوی صاحب خاموش رہے پھر آپ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم کو پڑھے عرصہ گذرا مگر بحمد اللہ یاد ہے مشائخ نے گو بہت سی دعا نقل کی ہیں مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی مستند اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ . ہے اور نہیں۔ تھانوری صاحب نے حصول ملازمت کی دعا چاہی آپ نے دعا دے کر رخصت فرمایا۔

دوسری حاضری :

(۴۲۲) مولوی ابوسعید خاں مالک مطبع کانپور جن کے مکان ہی پر تھانوی صاحب مقیم رہتے تھے معاً تھانوی صاحب آستانۂ عالیہ آ پہنچے اور ایک جگہ مقیم ہو گئے۔ ابوسعید خاں ناقل کہ میں فائز خدمت تھا کہ مولانا بابا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب جنکی عمر ۵۔۶ برس اس وقت ہو گی زنان خانہ سے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آئے اور بچوں کی

طرح پٹاخوں کے لئے مصر ہوئے آپ نے کسی خادم کو حکم دیا کہ کسی بقال سے دِلا دو چنانچہ صاحبزادہ صاحب دیمار (مینسل و پٹاس والے پٹاخے) لے کر آئے اور جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے خود ہی ایک پٹاخہ زمین پر پٹک دیا جس سے سخت آواز ہوئی اور آگ نکلی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اسے ہٹاؤ اس میں غضب کی کیفیت ہے اس کا ہمارے یہاں کام نہیں۔'' انتہیٰ بلفظہ

تیسری حاضری :

(۴۲۳) مولوی محمد حسین صاحب الٰہ آبادی ومولوی احمد حسن صاحب کانپوری جو مہاجر مکی شاہ امداد اللہ صاحب کے خاص مریدین میں ہیں اکثر وبیشتر پنجشنبہ کو کانپور سے آستانۂ عالیہ آیا کرتے۔مولوی احمد حسن صاحب ناقل کہ ایک بار میں کچھ شاگردوں کے ہمراہ حاضر آستانہ ہو رہا تھا کہ تھانوی صاحب بھی بلہور میں مل گئے جو بظاہر مغموم سے تھے۔ بعد سلام دعا میں نے مزاج پرسی کی تو تھانوی صاحب نے بتایا کہ مدرسہ کی ملازمت جاتی رہی آستانۂ شریف چل رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو اپنی باتوں کا اقرار کانپور میں لوگوں کے سامنے کرلیا تھا۔(دیکھو تذکرۃ الرشید جلداوّل صفحہ ۱۱۸) پھر بھی پیچھا نہ چھوٹا۔لیکن تھانوی صاحب خاموش رہے میں دوسری تسلی آمیز باتوں میں ان کو بہلاتا گنج مرادآباد آ پہنچا۔ دونوں ساتھ حاضر ہوئے تو مولانا بابا نے تھانوی صاحب سے کچھ آہستہ فرمایا پھر کہا خدا بڑا کارساز ہے پھر وہ جگہ دے گا۔ بعد جمعہ ہم سب کو رخصت کردیا گیا۔ چنانچہ تھانوی صاحب دوسرے مدرسہ کانپور ہی میں ملازم ہوگئے۔

چوتھی حاضری :

(۴۲۴) قاری عبدالحئی صاحب پانی پتی ناقل کو درس قرآن کریم ہو رہا تھا میں مولوی شاہ اعجاز حسین صاحب رحمانی بدایونی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو

ظہر بعد ہی آئے تھے بحصول فیض بعد عصر درس میں پہنچے۔ آیت یا بنی اسرائیل پر اوّل تو مولانا بابا نے اختلاف قرأت بیان کیا پھر تھانوی صاحب سے سوال کیا کہ اس کو کیسے کیسے پڑھا جاسکتا ہے۔ وہ ساکت رہے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض قاریوں نے اس کو اسرال اور بعض قاریوں نے اسرائیل پڑھا ہے پھر مجھ سے مخاطب ہوئے کہ تم کو یہ معلوم ضرور ہوگا میں نے اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا اس کے بعد آپ نے سب سے اس کے معنی پوچھے حاضرین اس پر بھی لاجواب رہے تو آپ نے فرمایا کہ اسرائیل کے معنی چنے ہوئے۔ (۴۲۵) پھر ارشاد فرمایا کہ میں کلام پاک میں مختلف قرأتیں اس لئے بتادیا کرتا ہوں کہ یہ سب سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہیں۔

انتہائے تبتع :

(۴۲۶) مولوی محمد فاروق صاحب دربھنگوی ناقل کہ ماہ رمضان میں ایک مرتبہ میں فائز خدمت ہوا۔ مسجد میں مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو اتنی دور ہٹ کر مولانا بابا سے بیٹھا کہ وہاں سے گفتگو سننا محال تھا۔ اتنے میں عصر کی اذان ہونے لگی مگر میں تھانوی صاحب سے جو گفتگو کر رہا تھا باہم یہ سمجھ کر کرتا رہا کہ ہم مسجد میں تو حاضر ہی ہیں اس لئے جواب اذان واجب نہیں کہ اتنے میں مولانا بابا صاحب اپنی نشست سے صحن مسجد میں تشریف لائے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ اگرچہ جواب اذان واجب نہ تھا لیکن مسجد میں حاضر شخص کو جواب اذان دینا مستحب تو بہرحال ہے۔ یہ سنتے ہی میں دم بخود رہ گیا کہ اللہ اللہ کتنی اتباع سنت پر نظر وسیع اور محکم عمل ہے۔ بعد جماعت درس میں شریک ہوئے اور اوپر والا سوال وجواب نقل کیا۔ مغرب سے کچھ قبل کسی اہل بستی نے کچھ کھانا مسجد میں بھیجا جس کو حضرت قیوم دوراں مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ نے کسی خادم سے گھر لے جانے کو کہا۔ بعد افطار کچھ

معمولی قسم کا پلاؤ اور میٹھا چاول باہر سے آیا ہوا اور گھر کی خمیری روٹی اور شوربے والے آلو اور کسی چیز کا اچار مجھ کو قاری عبدالحئی پانی پتی اور مولوی اعجاز حسین صاحب بدایونی وتھانوی صاحب ودوسرے حاضرین کو تقسیم ہوا۔ لیکن جو لطف آلو اور خمیری روٹی میں تھا وہ کسی میں نہ ملا۔ ابھی ہم کھانا کھا ہی رہے تھے کہ ایک خادم ایک مٹی کی رکابی میں کھچڑی لے کر آیا اور کہا کہ مولانا بابا نے فرمایا ہے کہ یہ سحری کے لئے رکھ لو۔ سبحان اللہ کیا شان تھی میرے قلب میں یہ خیال تھا کہ اگر آپ کے کھانے میں سے مجھے کچھ مل جائے تو سحری اس سے کروں۔ کہ وہی سامنے آیا۔ میں نے اپنے ان تینوں ساتھیوں سے بھی اس کشف کا اظہار کیا اور علی الصباح بعد فجر ہم چاروں کو رخصت کر دیا گیا۔

(۴۲۷) اسی روز اس کرامت کا بھی اظہار ہوا کہ بعد عصر شفاء الملک حکیم عبدالحمید صاحب جنکی اس وقت عمر آٹھ برس کی تھی اپنے والد حکیم الحکماء عبدالعزیز صاحب لکھنوی کے ساتھ فائز خدمت ہوئے۔ مغرب کے کھانے کے بعد مولانا بابا سے دست بوس ہوئے تو آپ نے خادم سے حکم دیا کہ ان لوگوں کے لئے کھانا مانگ لاؤ۔ خادم دو خمیری روٹی اور آلو دہی تیل والے لے کر آیا اور عرض کیا کہ جو کھانا آیا تھا وہ تقسیم ہو چکا صرف یہ رہ گیا آپ نے فرمایا یہی دے دو حکیم عبدالعزیز صاحب نے عرض کیا حضرت عبدالحمید سخت دق میں مبتلا ہے اسے کھا کر مرا ہی جائے گا۔ فرمایا کہ ہمارے یہاں سب یہی کھاتے ہیں کھلاؤ بھی چنانچہ دونوں صاحبوں نے اسی وقت اسے کھایا۔ صبح ان کو بھی رخصت کر دیا گیا۔ میں نے جو دیکھا تو دق کا کہیں وجود نہ تھا اور عبدالعزیز صاحب اس قدر بشاش کہ بیان سے باہر۔ (انتھیٰ کلامہ)

ازالۂ شک :

(۴۲۸) اس طرح چار مرتبہ تھانوی صاحب کی حاضری گنج مرادآباد ہوئی۔ بحمداللہ ہمارے پاس یہ مسودہ موجود ہیں۔ مدرسہ جامع العلوم کی ملازمت کے دور میں تھانوی

صاحب بڑے فخر سے مولانا بابا کے مدائح ومحامد بیان کیا کرتے ان مجالس کے شرکاء آج بھی بقید حیات ہیں۔ لیکن اس میں کبھی یوں نہ بیان کیا جیسے اشرف التنبیہ۔ حسن المقصد۔ نیل المراد فی السفر الی گنج مرادآباد میں ۴۲ برس بعد کروٹ لے کر درج کیا جس کا جواب مرید ین بن فضل رحمانی نے ھٰذا ھو الحق المبین اور القول الفاصل میں مکمل طور پر دے دیا ہے۔ بہرحال یہ توڑ مروڑ تو ان روایات میں کی ہے جو ذاتی حاضری سے متعلق ہیں اب سمعی روایات کی ٹھوسم ٹھاس ملاحظہ ہو۔

واقعۂ شادی :

(۴۲۹) قاضی فدا حسین صاحب رحمانی ایٹوی ناقل کہ ایک بار میں فائز خدمت ہوا تو حضرت مولانا بابا کے پوتے مسمی شاہ حامد حسین عرف مدے میاں صاحب جو اپنے ننہال بلگرام ضلع ہردوئی میں رہتے تھے کی بارات ہونے والی تھی۔ خوشی خوشی میں نے سہرہ لکھا کہ دوسرے وقت بلگرام سے کوئی صاحب فائز خدمت ہوئے اور شرکت کیلئے عرض کیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم ضعیف آدمی وہاں اتنی دور کہاں جائیں بڑی تکلیف ہوگی۔ خدا مبارک کرے۔ پھر میں دوسرے اعزا کے ساتھ بلگرام گیا اور وہاں سے سندیلہ بارات میں گیا۔

واقعہ لفٹننٹ گورنر :

(۴۳۰) وہی ہے جو ہم روایت (۱۸۶) میں لکھ چکے سر جان کراستھیوٹ صاحب کے ساتھ ان کی میم قطعاً نہ آئی تھیں صاحب کمالات رحمانی نے بھی اسے نقل کیا ہے اور صدہا حاضرین واقف پس جب لیڈی ساتھ نہ تھی تو گھڑے پر بیٹھنے کو کس سے کہا جاتا؟ اس واقعہ میں یہ بات بھی نہ لکھی کہ لارڈ صاحب نے جب بصارت کا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ بفضلہٖ ہم اس عمر میں بھی چودہویں رات کی چاندنی میں خط پڑھ سکتے ہیں تو لارڈ صاحب وان کے ہمراہ ڈاکٹر کو بڑا تعجب ہوا اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ

قوت نظر اب تک کیسے قائم رہی تو مولانا بابا نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ الحمدللہ یہ نظر بیجا صرف نہیں ہوئی۔ ہاں لارڈ صاحب نے اپنی میم کی خواہش پر التجائے اولاد پیش کی اور دعا چاہی اشرف التنبیہہ صفحہ ۱۹ حکایت ۱۵۲ کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے سب کھڑے تھے ایک میم بھی کھڑی تھی مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا۔ بلفظ حکیم صاحب مانک پوری کی یہ رجعت قہقری اور بھی مضحکہ انگیز ہے کہ آپ اسکو یوں سراہتے ہیں کہ حضرت تھانوی اپنا مشاہدہ تو نقل نہیں کرتے اگر کسی نے آپ سے غلط واقعہ بیان بھی کیا اور آپ نے اس کو سچا مسلمان سمجھ کر اس کے قول کو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا الخ'' ہم اس کو مان لیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اشرف التنبیہ میں جب یہ واقعات چھپے اور مریدین فضل رحمانی نے اس کی تردید کی تو تھانوی صاحب کی سچائی اس میں تھی کہ ظہور الحسن و حکیم مانک پوری صاحبان کے پردے میں یہ باطن جواب الجواب لکھنے کے بجائے ان سمعی روایات کا ضعف و سقم تسلیم کر لیا ہوتا تو مجال گفتگو نہ رہتی۔ لیکن نیل المراد وغیرہ میں انہیں غلط روایات پر مکرر تبصرہ کرنا تھانوی صاحب کا دامن اور گندہ کر دیتا ہے ورنہ سیدھی بات یہ تھی کہ جس حاکی سے سنا تھا اس کا نام تحریر کر دیتے۔ کیونکہ ان واقعات کو منظر عام پر آئے تقریباً بیس برس ہوتے ہیں مریدین فضل رحمانی نے تردید کرتے ہوئے جب یہ مطالبہ کیا کہ آپ نے جس سے سنا ہے اس کا نام ظاہر کر دیں تو حاکی کا اظہار نام سب کچھ رفع کر دیتا۔ اور اگر اس میں بھی کوئی راز تھا تو اس سے زائد آسان یہ تھا کہ ان غلط سمعی روایات کی اسی طرح صحت کر دیتے جیسے کہ حکایت واقع میں تھی۔ نہ یہ کہ غلطی ثابت ہوتے ہوئے اسی لکیر کو پیٹا جاتا۔ مولانا بابا کے پوتے کی شادی پر اولاً جذب کا غلبہ اثبات بقولہ فرمایا کہ مولانا فضل رحمٰن پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا ایک مرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے پوچھا یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ

کے پوتے کی شادی ہے پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا فرمایا ہاں ابھی تو ہم نے پوچھا تھا پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا لوگوں نے وہ ہی عرض کیا فرمایا ہاں ابھی تو ہم نے پوچھا تھا اب سے ہمیں جواب نہ دینا کوئی کہاں تک بتائے انتہیٰ بلفظہ۔ ذرا غور کیجئے کہ (۱) جب گنج مرادآباد میں اہتمام شادی نہ تھا تو لوگوں کا جمع ہونا ہی محال پھر یہ پوچھ گچھ خود افترا بن جاتی ہے۔(۲) روایت اپنے منہ بولتی ہے کہ غلبۂ استغراق ثابت کرنے کی سعی ناتمام ہے۔(۳) حضرت مولانا بابا کی تمام عمر میں ایسا کسی سے مسموع و منقول نہیں کہ کبھی کسی بات کو مکرر پوچھا ہوتا وہاں تو قلب ایسا آئینہ تھا کہ عرض حاجت کی بھی نوبت نہ آپاتی۔(۴) پھر اصل واقعہ بلگرام میں ہو رہا ہے جو مرادآباد سے اٹھارہ میل دور ہے۔(۵) مولانا بابا کے کسی پوتے کی شادی حیات ہی میں کب ہوئی یہ سفید جھوٹ ہے۔

مولوی احمد مکی صاحب :

(۴۳۱) اشرف التنبیہ صفحہ ۱۸ و ۱۹ حکایت ۴۹ (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ مولوی صاحب مولانا گنج مرادآبادی کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد۔ حافظہ بہت اچھا تھا مگر داڑھی منڈاتے تھے بلکہ داڑھی والوں کی مذمت بیان کرتے تھے یہ مولانا گنگوہی کے یہاں سند لینے آئے مولانا بابا نے فرمایا کہ آپ کو سند حدیث دینا جائز نہیں پس فوراً چلے گئے اور مولانا گنج مرادآبادی سے جا کر سند لے لی اور حضرت گنگوہی کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہیں دی تو کیا ہم کو ملی نہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنج مرادآبادی کے یہاں غلبۂ استغراق کے سبب ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی ورنہ فرائض و واجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا بس اسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار داڑھی منڈے مرید تھے اور اس پر التفات نہ تھا۔

مولانا مجذوب تھے۔ ''انتہیٰ بلفظہٖ'' ۔اب اصل واقعہ سنئے۔مولوی احمد مکی صاحب آٹھ برس خدمت بابرکت میں فائز رہے۔مگر اس وقت تک مکی صاحب حاضر آستانہ نہ ہوئے تھے۔رہا سوال داڑھی منڈانے والوں کی مخالفت کا تو بات یہ ہے کہ مکی صاحب ایک مشت سے زائد داڑھی پیٹ اور ناف تک بڑھائے رکھنے والوں کی مخالفت ضرور کرتے تھے۔اس واقعہ کو مکی صاحب کی زبانی سنئے۔''میں سب سے پہلے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس ۱۳۰۳ھ بماہ جمادی الآخر چوبیس تاریخ کو پہنچا۔لیکن مولوی گنگوہی صاحب کو میری داڑھی پر اعتراض تھا کیونکہ میں ایک مشت سے زائد داڑھی قطع کراتا اور ایک مشت سے زائد رکھنا ناپسند کرتا تھا میرا اختلاف گنگوہی صاحب سے اس پر بڑھ گیا کہ مولوی صاحب شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے عطائی علم غیب کے سرے سے منکر ہی نہیں بلکہ ختم نبوت کی واضح آیت کے بعد بھی چھ نبی اور بھی ہونا مانتے تھے میں اس ضروریات دین کے انکار کا تحمل نہ کرسکا اور میری و مولوی صاحب کی سخت ان بن ہوگئی۔ یہاں سے واپس ہو کر میں مختلف جگہ گیا اسی فکر میں دوسرا ماہ تھا کہ میں نے غوث زماں حضرت گنج مرادآبادی کا شہرہ سنا فوراً ایک کشش پیدا ہوئی اور حاضر آستانہ شعبان ۱۳۰۳ھ میں ہوا اس وقت ترمذی شریف کا درس شروع ہوا تھا خوبی قسمت سے اجازت شرکت ملی تین ماہ میں ترمذی شریف ختم ہوئی تو مسلم شریف کا آغاز ہوا۔چار ماہ میں یہ درس ختم ہوا تو فوراً ہی بخاری شریف کی ابتداء ہوئی جو شعبان ۱۳۰۴ھ میں ختم ہوئی درس میں اکثر جید علماء شریک رہتے بعض لوگوں نے خواہش سند کی تو ایک دن میں نے بھی عرض کیا جس کو قبول فرمایا لیکن میں منتظر وقت رہا حتیٰ کہ میں ماہ رمضان میں بھوپال جانے لگا تو ۵/رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بوقت عصر بعد درس قرآن کریم مجھے سند حدیث سے سرفراز فرما کر ٹٹو کا انتظام کیا اور سحر کو رخصت بخشی۔'' غور کیجئے کہ جس کا واقعہ ہے وہ خود کیا کہہ رہا ہے۔اس جھوٹ کا اندازہ کیجئے

بقولہ پس فوراً چلے گئے اور مولانا گنج مرادآبادی سے جا کر سند لے لی۔

لطیفہ : اگر اس میں صداقت ہوتی ہے تو تھانوی صاحب کو وہ مکتوب جو مکی صاحب نے گنج مرادآباد سے لکھا تھا آوازۂ اعتراض پر شائع کر دینا تھا کہ اس سے واضح ہو جاتا کہ واقعہ کب کا ہے۔ دربارِ فضل رحمانی ایسا نہ تھا کہ مکی صاحب سے لوگ واقف نہ ہوتے اور بعض علماء نے بھی مکی صاحب سے ان کے سلسلہ کی سند حدیث وحزب البحر واوراد میں لی ہے نواب نورالحسن خاں صاحب نے اپنے رسائل میں شائع کی ہے۔ لیکن اتنے زائر وحاضر اشخاص نے داڑھی منڈانے کا کنایۃً اظہار بھی نہ کیا۔ شان درس حدیث جتنی ارفع تھی وہ اسی کتاب سے ظاہر ہے کہ مجتہدان عصر ومحدثین وقت پر ترجمہ سے کیف طاری ہو جاتا تھا۔ مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا مشاہدہ۔ (۱۹۵) دیکھئے روایت ۴۱۲ میں قاری سبق کی کیفیت ملاحظہ کیجئے۔ یہاں ایک واقعہ اور مثالاً پیش کروں گا۔ (۴۳۱) مولوی فدا حسین صاحب محی الدین نگری مولوی نوراحمد صاحب محدث ساکن موضع ڈیانواں ضلع عظیم آباد پٹنہ دونوں صاحبان بغرض زیارت فائز خدمت ہوئے اور حسب قاعدہ محدثین ملاقات اولیٰ میں حدیث مسلسل بالاولیت کی مولانا بابا سے مولوی نوراحمد صاحب نے سند کی جو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ سے مولانا بابا کو تھی اس کا اتنا اثر مولوی صاحب پر تھا کہ وطن لوٹ کر جانے کے بعد بھی مولوی نوراحمد صاحب پر گریہ طاری رہتا اور جو اس وقت حاضرین ہوتے ان پر بھی اس کا اثر ہوتا۔ مولوی تجمل حسین صاحب اپنے والد کے اس قصہ کے خود ناقل ہیں۔ خود غور کر لیجئے کہ اس شرف امتیازی سے مشرف محدث اس دور میں کون تھا کہ جس کی وقتی صحبت کا یہ فیض جاری قائم رہے چہ جائیکہ وہ شخص جو کافی فیض صحبت اٹھائے۔ بحمداللہ ہمارے پاس مکی صاحب کے شکر وچاء تک کا حساب موجود ہے کوائف منقولہ تو دوسری چیز ہیں۔

مجذوب اور غیر منظم :

(۴۳۳) مستحبات پر پکڑ ہو جاتا یہ ایک ایسی چیز تھانوی صاحب نے لکھی ہے جس سے ان کی ذہنیت بے نقاب ہوگئی ہے تھانوی صاحب اگر اپنے دعوے میں ذرا بھی سچے ہوتے تو جس طرح اور واقعات میں من گھڑت سے کام لیا ہے کہیں پر کوئی ایک صحیح واقعہ ایسا بھی پیش کر دیتے جہاں فرائض و واجبات پر مولانا بابا نے نکیر نہ فرمائی ہوتی۔ کتاب ہٰذا خود مولانا بابا کے مستحبات کے عمل کی شاہد عادل ہے لیکن تھانوی صاحب اور ان کے ہمنوا بحمد اللہ فرائض و واجبات پر نکیر نہ فرمانے کا جب کوئی واقعہ پیش نہ کر سکے تو واقعات اس طرح بیان کرنا گردن مروڑ کر شروع کیئے کہ غلبۂ استغراق ثابت ہو۔ حالانکہ اس میں بھی تھانوی صاحب واحد راوی ہیں ۔کسی حاضر وزائر سے ہزار ہا واقعات کرامت کے بعد جذب واستغراق کے غلبہ کا آج تک پتہ ہی نہیں۔نیل المراد صفحہ ۹ پر راقم کہ یوں بظاہر مولانا ذرا مغلوب سے تھے صفحہ ۴ پر لکھا کہ حالانکہ مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔ ماننا پڑے گا کہ یہ جملہ اس لئے لکھا گیا ہے کہ مولانا بابا کو مجذوب ثابت کیا جائے جس کا واحد مطلب یہ ہے کہ بہت سی بہکی باتوں کی مجذوبانہ بڑ میں یہ حکمت کی بات نکل گئی۔ہم تو سمجھتے تھے کہ تھانوی صاحب کو سلوک سے کچھ لگاؤ ہوگا مگر اس سے کھل گیا کہ وہ اس چیز سے بھی بے بہرہ ہیں۔

(۴۳۴) صفحہ ۲ نیل المراد پر راقم کہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ صاحب کشف تھے مگر کشف دائمی نہیں ہوتا۔'' آگے چل کر اسی کے صفحہ ۶ پر ناقل کہ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔'' ہر سطحی نظر والا جانتا ہے کہ لفظ بہت مستلزم دوام ہے۔ فیصلہ فرمائیے کہ تھانوی صاحب کی پہلی بات سچی ہے یا دوسری؟ جو بات بھی سچی مانئے گا ایک غلط ضرور ہوگی پس ایسے متضاد قول والے کی کوئی بات خود مستند نہیں ہوسکتی۔ دلیل دویم مریدین فضل رحمانی کی دندانِ شکن تردید پر آپ نے دوسرا رنگ بدلا اور نیل المراد

صفحہ ۱۸ پر تسلیم کیا کہ مجذوب صاحب حال تھے۔'' دوسری جگہ تحریر کیا کہ حضرت اقدس گنج مرادآبادی فتاویٰ کے جواب میں اور تعلیم حدیث شریف وغیرہ میں مفتی محقق اور محدث مدقق تھے۔'' ناظرین پر مخفی نہیں کہ مجذوب صاحب حال مفتی محقق و محدث مدقق ہو ہی نہیں سکتا۔ سلوک کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جس سالک کو جتنی قربیت حق تعالیٰ ہوگی اتنا ہی اسے استغراق قلبی بحضرۃ حق ہوگا پس سالکین کا یہ استغراق قلبی مانع توجہ والتفات نہیں ہوتا ہاں مجذوبوں کا استغراق مانع توجہ و التفات ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان پر احکام شرعیہ منطبق نہیں ہوتے۔

(۴۳۵) حضرت غوث زماں مولانا گنج مرادآبادی کی شان اقدس میں مولانا محمد قاسم صاحب یوں رطب اللسان رہا کرتے ''کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے ٹوپی بدلی اور جامع کمالات صوری و معنوی ہیں۔''

(۴۳۶) یہی الفاظ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے ہیں کہ'' آپ کی ذات کامل اکمل جامع کمالات صوری و معنوی ہے۔'' فیصلہ فرمایئے کہ مولوی قاسم صاحب و مولوی امداداللہ صاحب زائد قابل تھے یا تھانوی صاحب؟

(۴۳۷) حضرت شیخ سرہندی علامہ مجدد الف ثانی مکتوب ۲۸۷ مقصد اوّل میں ناقل کہ۔'' بعض مجذوب ایسے ہوتے ہیں کہ جو ہر چند راہِ سلوک پر آجاتے ہیں اور سلوک سے منازل کو طے کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مقام مالوف سے قطع نہیں ہوتی اور فوق کی طرف توجہ پیدا نہیں کرتی اس قسم کے علوم ان کا دامن نہیں چھوڑتے اور اس بھنور سے وہ نکل نہیں پاتے اسی واسطے مدارج قرب پر عروج کرنے اور مراتب قدس پر صعود کرنے میں لنگڑے رہتے ہیں۔'' غور کیجئے کہ وہ مجذوب جو بہت سی راہیں طے کر چکے ہوں مگر پھر بھی کمال کو نہیں پہنچتے تو مجذوب صاحب حال ان سے بھی کمتر درجہ میں ہے اور مجذوب صاحب حال سے کمتر درجہ میں مجذوب ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ

تھانوی صاحب نے لفظ مجذوب تمام جگہ بے التفاتی کے موقعہ ہی پر ارسال کیا ہے۔ جو ان کی فتور نیت کو ظاہر کرتا ہے۔ رہ گئے حکیم مانک پوری ان کا دماغ تو وقف قارورہ ہے اس لئے ان کی بابت گفتگو فضول ہے افسوس یہ دیکھ کر اور بھی ہے کہ بڑی مشکل سے ایک حیلہ سوچا بھی بقولہ مولانا تھانوی کی ملاقات میں استغراق کی حالت غالب ہوگئی اسی لئے مجذوب لکھ دیا۔ صفحہ ۱۸ نیل المراد۔ لیکن آسمان کا تھوکا الٹا منہ پر آپڑا یہ ناممکن ہے کہ جس وقت حالت استغراق غالب تھی اس وقت تھانوی صاحب تنہا تھے اور کوئی اس کا مشاہد نہ تھا۔ دوسرے لوگ جو اس وقت تھے وہ کہیں نہ کہیں اس کو نقل ضرور کرتے۔ لیکن لکھوکھا مریدین میں ایک تھانوی صاحب ہی ایسے نظر باز تھے کہ غلبۂ استغراق دیکھ سکے اور ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۱۳ھ تک کسی نے یہ غلبہ خواب میں بھی نہ دیکھا۔ لاحول ولا قوۃ۔ حکیم صاحب کا دوسرا ہذیان ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸ نیل المراد مجذوبیت اور عاقلیت میں تنافی نہیں بلکہ مجذوبیت خود سنتہ اللہ میں کمال عقل کو مستلزم ہے۔'' غور کیجئے حکیم جی کی اس ذہنی عیاشی کا جواب کیسے دیا جائے گا سوال کمال عقل کا یہاں ہے کب۔ یہاں تو بحث مجذوب کے نفی کمال سے ہے۔ کہ مجذوب مستغرق، مجذوب صاحب حال اور مجذوب متمکن کوئی بھی ہوں سب بقول حضرت مجدد صاحب مراتب قدس پر صعود کرنے میں لنگڑے ہیں پس ایک شیخ کامل کو مجذوب لکھنا نفی کمال کی دلیل اور کھلی ہوئی تنقیص ہے جتنا اسے چھپایا گیا یہ اور بھی عریاں ہوتا گیا۔

معمول مروجہ :

(۴۳۸) ہزاروں لوگ اس کے شاہد ہیں کہ صبح سے شام تک محتاجوں کی خبر گیری مساکین کی امداد۔ آداب وضو، آدابِ مسجد، آداب نماز کی فروگذاشت پر تنبیہہ۔ درس حدیث، تعلیم قرآن وصحت کلام پاک تحقیق معانی وحقائق کے ساتھ فیض رسانی خلق خدا مولانا بابا کا معمول مروجہ تھا کوئی فاتر العقل بھی یہ کہہ نہیں سکتا کہ مجذوب غالب

استغراق اس کا بایں حسن عامل رہ سکتا ہے اور ناقدین کی ظاہری و باطنی روحانی وجسمانی اس آب وتاب سے صیقل کرسکتا ہے جو مولانا بابا کی شان امتیازی منجانب اللہ تھی ۔

(۴۳۹) مولانا بابا علیہ الرحمہ کا امتیاز اسی سے دیکھ لیجئے کہ وہ انسان جامع زوالات کو جامع کمالات صوری ومعنوی کہنے کو منع کرتے اور اس کا مصداق ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط سمجھتے ہیں اور تھانوی صاحب کے گرو کے گرو انسان کو جامع کمالات صوری ومعنوی کہتے ہیں ۔

بندہ خدا کے ذمہ قرض نہیں ہوتا :

مولوی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ بزرگ بھی منظّم اور غیر منظّم اور دنیادار بھی منظّم اور غیر منظّم دنیا میں دونوں قسم کے ہوتے ہیں بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے اور بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا مولانا فضل رحمٰن صاحب کے یہاں حساب کی کوئی یادداشت نہ تھی ۔'' نیل المراد صفحہ ۱۷ ۔ بعد ازاں گنگوہی صاحب کے لئے یوں گل افشانی کی کہ اگرچہ مولانا کے یہاں اوّل اوّل فاقے ہوئے مگر منظّم بڑے تھے ۔'' یہ تقابل خود اس کا ثبوت ہے کہ منظّم کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں بہ نسبت غیر منظّم کے ۔ دویمش نیل المراد میں آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اقسام پر مقسم کا صادق آنا ضروری ہے ۔'' پس یہ منتظم کی مدح اور غیر منظّم کی تنقیص ہوئی اور تھانوی صاحب اپنی ہی تقریر سے ملزم بنے ۔ دویمش آپ جس چیز کو حساب کی یادداشت کہتے ہیں وہ متوکلین کے نزدیک پوری دنیاداری ہے ۔ کیا کسی بزرگ طریقت کی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ وہ آمدنی کا جمع خرچ اور حسابات کا روز نامچہ رکھتا ہو ۔ اگر آپ کے تھان پر ایسا ہے وہ قابل سند نہیں ۔ رہا فاقہ کا اس میں اوّل وآخر کا سوال ہی نہیں متوکلین بارگاہِ حق کی شان یہ ہے کہ نہ ہونے پر وہ اور بھی مسرور رہتے اور ہونے پر صرف قوت لایموت پر اکتفا کرتے ہیں ۔

(۴۴۰) حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سال بھر فاقے رہے کیا نعوذ باللہ وہ غیر منتظم تھے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ (۴۴۱) صرف ایک واقعہ مثالاً پیش ہے مولوی تجمل حسین صاحب رحمانی ناقل کہ ایک مرتبہ منشی امتیاز علی صاحب رحمانی وزیر بھوپال نے میرے ہاتھ دو سو روپیہ بھیجا میں نے حاضر ہو کر پیش کیا تو مولانا بابا نے بقال کو بلا کر پوچھا کہ تمہارا قرض کتنا ہے اس نے تین سو سے زائد بتائے آپ نے وہ دو سو اس کو دے دیا اسی روز تھوڑی دیر بعد کسی اور رئیس نے سو دو سو روپیہ اور نذر کیا آپ نے بقال کو وہ بھی روپیہ دے کر پوچھا کہ اب کتنا رہا بقال نے کچھ کم کر کے پھر قرض بتادیا۔ مجھ سے نہ رہا گیا عرض کیا کہ یہ کئی بار لے جا چکا ہے اور پھر اتنے کا اتنا ہی بتاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم کیا جانو اگر بے ایمانی سے لے گا خدا اسے تباہ کر دے گا۔ چنانچہ بعد وصال جب حاضر ہوا تو وہ بقال تباہ حال اور مکان ویران تھا۔'' غور کیجئے اس سے زائد جامع توکل اور کیا ہوگا کہ اپنی فکر نہیں مگر دائمی قرض کی فکر ہے دوسرا نکتہ یہ ملاحظہ ہو کہ بہ نرمی ادائیگی قرض مستحب ہے اس پر بھی عمل ہے۔ (۱) اپنے پاس جمع رکھنا۔ (۲) مقروض ہونا (۳) نیک نیتی سے ادا کرنا (۴) نرمی سے معاملہ کرنا اب سب سنتوں پر عمل ہو رہا ہے۔ حسن معاملت سے پوچھنے کا جو حق تھا پوچھا۔ بتانے والا فتور نیت سے کام لے تو اس کا بار مولانا بابا پر کیا عائد ہے بلکہ شان توکل دیکھئے اسے بھی خدا کے سپرد کیا۔ اور زائد پیسہ جانے کی پرواہ نہیں۔ اب اسے اگر حساب کی یادداشت نہ تھی سے تعبیر کیا جاتا ہے تو یہ کس قدر احمقانہ ہے۔ تیسرا نکتہ لیجئے مولانا بابا کی (۴۴۲) یہ معراج اتقا تھی کہ نذر وغیرہ کا پیسہ سب مستحقین و مساکین اور بقال جس سے قرض لیتے دے دیتے خود اس میں کا ایک حبہ اپنے لئے نہ رکھتے تا کہ ہر مشکوک پیسہ سے مامون رہیں ہاں ضروریات کی چیزیں بقال سے قرض لی جاتیں تا کہ ان میں بھی کسی قسم کا شائبہ نہ رہے بقال ظاہر ہے کہ مکلّف بہ شرع نہ تھا اس لئے اس سے حاصل کردہ

چیزیں حلال تھیں۔

رحمدلی خلقت :

(۴۴۳) بلکہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی نظر تو حدیث اِرْحَمُوْا مَنْ فِیْ الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ. (اے بندے تو زمین والوں پر رحم کر تو آسمان والا تجھ پر رحم کرے گا۔) پر ہمیشہ رہا کرتی تھی کہ بیرون مسجد جو بازار لگتی اور جس کسی کا سودا نہ بکتا آپ خرید لیتے بسا اوقات کچھ پیسے احساناً زائد بھی دے دیتے۔ لوگ اس آپ کی عادت سے عام طور سے واقف تھے۔

(۴۴۴) مٹی کے ڈھیلے اکثر آپ خرید لیتے اور استنجا وطہارت کا بے حد اہتمام فرماتے۔ (۴۴۵) ارباب حاجت جو بھی سوال کرتے فراخ دلی وخندہ پیشانی سے پورا فرماتے اہل بستی جن لوگوں پر زیادتی سے بیگار لیتے اور وہ آپ کے پاس فریادی آتے تو آپ ان کو اپنے پاس سے پیسہ ادا کرتے۔ (۴۴۶) سخاوت کا یہ عالم تھا کہ نواب قمرالدین عرف ننھو میاں ناقل کہ ایک مرتبہ مجھے نماز کی سخت ہدایت مولانا بابا نے فرمائی میں نے عذر کیا کہ لے دے کر میرے پاس یہی کپڑے ہیں طہارت برقرار نہیں رہتی تو آپ نے بقال سے کپڑا لے لینے کا حکم دیا اور پوچھا کہ کتنا ہوگا میں نے عرض کیا یہی چالیس پچاس کا لوں گا۔ پھر میں نے بقال سے گھر بھر کے لئے کپڑا لیا جو نوسو روپیہ کا بیٹھا میں نے بقال سے کہا کہ پچاس روپیہ مولانا بابا کے حساب میں رہے باقی میں دوں گا مگر بقال نے حاضر ہو کر شکایت کر دی کہ ننھو میاں آپ کے نام سے نوسو روپیہ کا کپڑا لے گئے ہیں مولانا بابا نے فرمایا تم فکر نہ کرو ہم جلد ادا کر دیں گے۔ غور کیا آپ نے اس حسن ضبط وشان سخا پر۔ (۴۴۷) یہی نواب صاحب ناقل کہ میرے اور برادرم نواب علی کے لئے پنج وقتہ نماز کی ادائیگی پر فی کس پاؤ بھر مٹھائی مولانا بابا نے مقرر کی مگر ہم ایسے بدبخت تھے کہ ایک وقت نماز میں حاضری دے کر پانچ وقت کی مٹھائی حلوائی سے

وصول کر لیتے ۔ (۴۴۸) ایک واقعہ نواب صاحب نے یہ بیان کیا کہ ایک دن میری غیر حاضری پر پکڑ ہو گئی مگر میں نے فوراً جوتہ نہ ہونے کا بہانہ کیا کہ ننگے پیر مسجد میں نہ آسکا کہ آپ خفا ہوں گے مولانا بابا نے ایک موچی سے جوتہ منگا دیا۔ لیکن میں تیسرے چوتھے روز جوتا چھپا دیتا اور بعد نماز غل مچاتا کہ کوئی بے ایمان میرا جوتہ چرا لے گیا اب نماز کو کیسے آؤں گا مولانا بابا یہ سنتے ہی جوتہ کی قیمت دلا دیتے اور میں اسی جوتہ کو جھاڑ پونچھ کر پھر پہن آتا۔ (۴۴۹) انسان تو پھر انسان ہیں صدہا لوگ شاہد ہیں کہ روزانہ بکری بطخ جنگلی کبوتر فاختہ مینا کوے وغیرہ مولانا بابا کو بیرون مسجد نکلتے ہی گھیر لیتے اور پانچ چار سیر روزانہ غلہ بقال سے آپ ان جانوروں کو دلاتے ذرا غور فرمائیے کہ حساب کی یادداشت کی حاجت آتی تو کیسے آتی ۔ اپنی ذات کے لئے یہ خرچ تھا کب۔ تھانوی صاحب کی طرح معجون، مرکبات مقوی ومشروبات مفرح استعمال کب ہوتے اگر کوئی لاتا بھی تو وہ تقسیم ہو جاتے۔

لطیفہ :

نیل المراد صفحہ ۱۷۔ مولانا گنگوہی نے جو وصیت نامہ لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمہ قرض نہیں ہوا کرتی ہے۔'' یہ وہ صریح منافقت ہے کہ منافقت خود تائب ہے۔

(۴۵۰) حضرت زبیر بن عوام پر بائیس لاکھ قرض تھا جس کو حضرت عبداللہ بن زبیر نے ادا کیا اور اس کے حصّے عبداللہ بن جعفر اور معاویہ بن ابی سفیان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے خریدے۔ (۴۵۱) حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ بدری انصاری رضی اللہ عنہما پر قرض تھا جو عالم ما کان وما یکون صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ادا ہوا۔ بخاری باب برکت الغازی فی مالہ۔ (۴۵۲) حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر قرض تھا۔ (۴۵۳) بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما بے ضرورت قرض لیا کرتے حدیث پیچھے گذری۔ (۴۵۴) مختارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

قرض لیتے حتیٰ کہ بعد وصال بھی آپ کی زرہ مبارک ایک یہودی کے وہاں گروی تھی۔ کتب صحاح میں یہ واقعہ موجود ہے۔ ذرا فرمایئے کہ آپ ایسے گرو اور اس کے چیلے کے لئے کیا حکم کریں گے جو ان صحابہ کرام اور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدیت سے بھی خارج کر رہے ہیں۔

تھانوی صاحب اور حساب :

یہ ضرور ہے کہ حساب کی جو لسٹ تھانوی اور گنگوہی صاحب کے وہاں ہے دنیا میں کسی کے پاس نہیں پھر ایسے بڑے منتظم کہ ہر جگہ اپنی بڑائی دکھاتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جملہ بنی آدم کے برابر ہیں۔ براہین قاطعہ صفحہ ۳۔ یہ بھی اپنی فوقیت و مماثلت جتانے کا ایک حساب ہے۔

(۲) حفظ الایمان صفحہ ۷ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمر و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔'' یہ وہ حساب ہے جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔

(۳) تھانوی صاحب نے بڑھاپے میں کیرانوی پیر جی کی دختر سے تعلقات پیدا کر کے محبوبہ بنا لیا تو ان کے بھائی نے تھانوی جی کو لکھا کہ آپ نے بڑھاپے میں یہ رنج کیوں دیا اور جوابات کے منجملہ یہ جواب دیا کہ ان کے ایک ملنے والے نے خواب میں دیکھا کہ اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں اس کی تعبیر میں نے یہ لی کہ میرا کمسن دوشیزہ سے عقد ہوگا۔'' الامداد۔ صفر ۱۳۳۵ھ مادر محترم کو خواب میں دیکھ کر شادی کی تعبیر صرف تھانوی جی کا خاصۂ امتیاز ہے۔ غور کیجئے یہ حساب ہے اتباع ہوئی و لذت نفسانی کا۔

(۴) تھانوی جی کے مرید نے خواب میں لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھا

جاگنے پر خیال ہوا کہ غلط پڑھا مگر زبان پر بیداری میں بھی وہی الفاظ جاری رہے بالآخر تھانوی جی کو اس نے خط لکھا۔ تھانوی جی ایسے شخص پر نہ حکم شرع جاری کیا نہ آئندہ باز رہنے کی ہدایت کی بلکہ یہ لکھا کہ اس میں تسلی ہے کہ تمہارا پیر متبع سنت ہے۔'' الامداد۔ ماہ صفر ۱۳۳۶ھ۔ یہ وہ حساب ہے جس پر انسانیت چشم نم ہے۔

(۵) تھانوی جی وان کے گرو گنگوہی تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صفحہ ۱۲۲ میں مہاجر مکی حاجی امداد اللہ صاحب کو جاہل قرار دے رہے ہیں۔'' یہ حساب ہے مریدین کو الو بنا کر دنیا کمانے اور مہاجر مکی کے مسائل حقہ سے بچاؤ کا۔''

(۶) تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۹۸ مولوی رشید احمد صاحب نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بار خواب دیکھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے سو جس طرح زن وشو میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اس طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا۔ یہ وہ حساب ہے جسے ناظرین ہم سے اچھا سمجھتے ہیں۔

(۷) بلغۃ الجیران صفحہ ۱۴۔ مصنفہ حسین علی شاگرد گنگوہی جی۔ ''میں نے (حسین علی) حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھے پل صراط پر لے گئے اتفاقاً حضور علیہ السلام پل صراط سے گرنے لگے تو میں نے گرنے سے حضور علیہ السلام کو روک لیا۔'' بلفظہ۔ غور کیجئے کہ گرو گڑ ہی رہا اور چیلا شکر ہو گیا۔ یہ شاگرد کا حساب ہے جسے آپ ہم زائد سمجھتے ہیں۔

(۸) تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۷ حصہ دوم۔ آپ (گنگوہی جی) نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ ''سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔'' ناظرین فیصلہ کرلیں کہ ایک امتی کا یہ دعویٰ شرعی نظر میں کیا حکم رکھتا ہے۔؟

داڑھی منڈے مریدین :

(۴۵۵) کون نہیں جانتا کہ عالم بانستہ پر احکام کا سنا دینا واجب ہے نہ کہ اس کو پکڑ کر زبردستی عمل کرانا ۔ شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ بوقت بیعت معاصی سے توبہ کرادے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بعد بیعت شرابیوں سے شراب۔ زانیوں سے زنا۔ چوروں سے چوری فیض وتوجہات مرشد سے خود چھوٹ گئی۔ صدہا واقعات ہیں کہ مرید ہوکر توجہ شیخ سے دنیا دار پکے متبع سنت بن گئے کتنے اولیائے اولوالعزم ایسے گذرے جن سے داڑھی منڈے مرید تھے حتیٰ کہ مولوی قاسم صاحب گنگوہی جی، تھانوی جی نے خود بھی داڑھی منڈوں کو مرید کیا۔ تھانوی جی کے بھائی ہیٹ کوٹ پتلون سے آراستہ اپنی بیگم کو بے پردہ سڑکوں ،بازاروں میں لئے گھومیں اور تھانوی جی پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں۔ پھر یہ بکواس کس لئے کہ مولانا سے داڑھی منڈے مرید تھے۔ اکثر داڑھی والوں سے داڑھی نہ رکھنے والوں کی باطنی حالت کہیں اچھی مشاہدہ میں آچکی ہے۔ ہاں تھانوی جی گنگوہی جی اگر کسی داڑھی منڈے کو مرید نہ کرتے اس وقت ہم داڑھی منڈوں کی بیعت کی بحث کرتے۔ گنگوہی جی کے داڑھی والے مرید حسین علی تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو پل صراط سے گرتے ہوئے روک رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ داڑھی والے مریدین کی شیدائی ضلالت دیکھئے براہین قاطعہ صفحہ ۲۶ ایک صالح فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں فرمایا کہ جب سے علمائے دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی۔'' بلفظہ ۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے گرو اور ایسے چیلے ہیں تو اللہ ہی دینداری کا حافظ ہے۔ اس زبان دانی پر کس طرح خراج تحسین پیش کریں کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی۔

دعویٰ کیا تھا گل نے کل تیری رنگ و بو کا
دھولیں صبا نے ماریں شبنم نے منہ پر تھوکا

☆☆☆

چودھواں باب

رؤیت صحابی :

(۴۵۶) حکیم عظمت حسین صاحب ناقل کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو ایک جن صحابی کی بے واسطہ رؤیت ہوئی تھی۔ (۴۵۷) پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے سے ایک دوست تھے ان کو ایک جن صحابی سے حدیث پہنچی تھی پھر ان سے وہ حدیث ہم کو پہنچی تھی۔

پھر مانگ :

(۴۵۸) ریتا شاہ صاحب کا ایک مرید سب سے پھر مانگ لکھاتا پھرتا مگر کوئی نہ لکھتا حتیٰ کہ وہ گنج مرادآباد بھی آیا یہاں کے امراء وزمینداروں نے نقد وجنس سے خدمت کرنا چاہی لیکن اس مرید نے منظور نہ کیا اتفاقاً مولانا بابا علیہ الرحمہ بیرون مسجد تشریف لائے اور اس سے فرمایا کہ کیا حجت کرتے ہو اس نے عرض کیا کہ پھر مانگ لکھاتا ہوں کوئی لکھنے والا نہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لکھے دیتے ہیں چنانچہ یہ تحریر فرمایا۔ ؎

تو وہ داتا ہے کہ سیری نہیں دینے سے تجھے
لذت جود سے پھر مانگ سکھایا مجھ کو

فوراً ہی وہ مرید قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ میری سیری ہوگئی سمجھا تھا کہ ہندوستان خالی ہے مگر خیال غلط نکلا۔ پھر جب وہ اپنے پیر ریتا شاہ صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے مرید کی صورت دیکھتے ہی کہا کہ مولوی مرادآبادی کے سوا پھر مانگ اور کون لکھ کر دے سکتا تھا۔

دادا میاں صاحب :

(۴۵۹) مولانا بابا اور دادا میاں رحمۃ اللہ علیہما حقیقت تو یہ ہے کہ لازم وملزوم تھے جس نے مولانا بابا کو نہ دیکھا ہوتا وہ آپ کو دیکھ لیتا۔ بحمداللہ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ اسی وہبی نسبت محمدی کے حامل بڑے متبع سنت عالم باعمل تھے آپ کی ولایت احسانی بھی مولانا بابا کی ولایت احسانی کی مانند تھی۔

نکتہ ۔(۴۶۰) حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ کی ولایت احسانی میں ترک دنیاوی کا حصہ غالب تھا لیکن قیوم دوراں حضرت مولانا احمد میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ولایت احسانی دنیاداری کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ایک تارک کی طرح تھی مشاہدہ صادقہ ہے کہ آپ کے دور میں فتوحات کی وہ کثرت تھی جو پہلے نہ تھی لیکن جودوسخا دادودہش میں آپ بہت بیش از بیش تھے۔آپ کا بھی اپنے والد ماجد کی طرح اسی بقال سے لین دین تھا تبدیل ملک سے تبدیل مال چونکہ ہوجاتی ہے اس لئے آپ بھی اشیائے ضرورت بقال سے لیتے۔

(۴۶۱) دادامیاں جب پڑھنے تشریف لاتے تو مولانا بابا فرماتے کہ خیر پڑھ لو مگر تم تو یوں ہی پڑھ جاؤ گے۔ظاہر ہے جہ جوذات مولانا بابا اور حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما کی توجہات مخصوصہ میں پرورش پائے اسے من جانب اللہ علوم ونسبت وہبی سے سرفرازی ہوتو اس کے علوئے مدارج کا کیا ٹھکانا ہے۔

توجہاتِ آفاقی :

(۴۶۲) دادامیاں نے صغرسنی میں حضرت مرزامظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا اور بے تکلف گفتگو کی اس پر مرزا صاحب نے پوچھا کہ یہ لڑکا کس کا ہے کس کی تعلیم ہے بہت تیز ہے اس اثنا میں مولانا بابا تشریف لائے اور کہا کہ لڑکا تو میرا ہے اور تعلیم حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کی ہے۔

(۴۶۳) فقہ وحدیث وغیرہ کی تکمیل دادامیاں نے مولانابابا سے کی ۔

(۴۶۴) ابتدا میں مولانا بابا سے دادامیاں نے توجہ طلب کی تو مولانا بابا نے حسب عادت بے پرواہی برتی تو دادامیاں نے حضرت مرشد دہلوی علیہ الرحمہ کوخواب میں دیکھافرماتے ہیں کہ تم کو میں توجہ دوں گا اسی روز سے مولانا بابا کا بھی التفات تامہ دادا میاں پرکلّی طور سے مبذول ہوگیااوروراثت نامہ حاصل ہوئی۔

حضوری رسالت :

(۴۶۵) بچپن ہی میں دادامیاں کو ایک بارسرداردوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں ایسا استغراق ہوگیا کہ کسی سے نہ بات کرتے نہ کھاتے پیتے دادامیاں کی والدہ صاحبہ یہ حال دیکھ کرآبدیدہ ہوگئیں تو مولانابابا نے فرمایا کہ گھبراؤ مت چنانچہ پندرہ روز بعداس حال سے افاقہ ہوگیا۔

(۴۶۶) ایک بار دادامیاں علیہ الرحمہ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فرماتے ہیں کہ میں اپنالعاب دہن تیرے منہ میں ڈالوں گا۔

(۴۶۷) دادامیاں نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہم کومعاملات حشرونشروغیرہ سب دکھلائے۔علوئے مرتبت روایت سے ظاہر ہے۔

کرامت :

(۴۶۸) ایک باردادامیاں سنبھل مرادآباد تشریف لے گئے وہاں کے بعض صاحب ادراک لوگ بھی ایک مزار کی بابت کچھ معلوم نہ کرسکتے تھے چنانچہ آپ کواس مزار پرلوگ لے گئے آپ نے فوراً ہی فرمایا کہ اس شخص نے زہر کھا کرانتقال کیا ہے اب لوگوں نے تحقیقات کی تو واقعہ یہی نکلا۔

کمالِ روحانی :

(۴۶۹) میکولال نے حضرت مرشد دہلوی کودیکھا تھا اورحضرت پیرعلی شاہ کے

مرید اور نظر یافتہ تھے ان کی یہ استعداد تھی کہ بانسبت کی صورت دیکھتے ہی اس کا مقام بتادیتے اور سب پر غالب آجاتے ایک مجلس میں دادامیاں صاحب علیہ الرحمہ اور ان کا سامنا ہوگیا تو میکولال نے دل ہی دل میں تصرف کرنا شروع کیا دادامیاں نے بھی یہ دیکھ کر خوش آمدید کہا اور مراقب ہوگئے تھوڑی ہی دیر میں میکولال ایسے بیہوش ہوکر گرے کہ دوحصۂ شب تک ہوش نہ رہا اور ڈھائی دن تک تمام بدن میں رعشہ رہا۔

مستجاب الدعواتی :

(۴۷۰) ان کمالات عالیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دادامیاں کو مستجاب الدعواتی بھی ممتاز طور پر عطا کی تھی۔

لطیفہ :

(۴۷۱) دادامیاں علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ جس کے کلام میں تاثیر نہیں اس کی توجہ میں بھی تاثیر نہیں۔

سیدو میاں صاحب :

(۴۷۲) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے ایک لڑکے تھے جو مجذوب پیدا ہوئے جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئے تو انہوں نے کہا ہم نہیں چلتے میرے لڑکے (دادامیاں) نے مجھ سے آکر کہا کہ بابا دیکھو فرشتوں سے یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر میں گیا اور کہا کہ بیٹا اللہ تعالیٰ بلا رہا ہے اس وقت وہ چپ ہوگئے اور روح نکل گئی۔

(۴۷۳) اصل نام سید محمد عرف سیدو میاں نام تھا۔ ایک دن آپ نے بچوں کی طرح ایک حصہ دیوار پر گھوڑے کی طرح چڑھ کر اس سے کہا چل میرے گھوڑے چل تو وہ دیوار گھوڑے کی طرح قدم چل دی مولانا بابا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس لخت جگر سے ارشاد فرمایا کہ تم نے تو درویشی کا راز فاش کردیا یہاں تمہارا کیا کام چند

روز میں صغر سنی میں وصال ہو گیا۔

کرامت آفاقی :

(۴۷۴) دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک بیمار کو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں لائے تو حضرت مرشد نے اس مریض کا مرض ایک بکرے پر ڈال دیا بکرا گر کر مر گیا اور بیمار کو صحت ہو گئی۔

(۴۷۵) حضرت مرشد علیہ الرحمہ شاہ ابو سعید علیہ الرحمہ کو اپنا بیٹا فرمایا کرتے جب ٹونک میں شاہ صاحب کا وصال ہوا تو یہاں حضرت مرشد کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا خود سن لو گے پھر معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا ایسی وقت وصال ہوا تھا۔

(۴۷۶) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی گذرے جو یہ چاہتے تھے کہ بعد وصال ان کو کوئی جان نہ سکے کہ کہاں مدفون ہیں چنانچہ ہمارے مرشد کا بھی یہی خیال تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظور نہ فرمایا اور یہ چاہا کہ دنیا ہی میں رہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس خیال سے کہ امت پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہے دنیا میں رہنا پسند فرمایا۔

خدمت مرشد :

(۴۷۷) مولانا بابا نے دوران تذکرہ فرمایا کہ حضرت مرشد جب کبھی بیمار ہوتے تو میں حکیم کے یہاں آپ کے قارورہ لے جاتا تو حضرت مرشد بہت خوش ہوتے پھر یہ پڑھا۔

اے شہ آفاق شیریں داستاں
باز گواز من نشاں بے نشاں

(۴۷۸) مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مرشد کے خلیفہ نے شب برأت میں دیکھ لیا کہ حضرت مرشد کی عمر ہو چکی انہوں نے مجھ سے بیان کیا میں نے حضرت مرشد سے

عرض کیا کہ میری عمر حاضر ہے تو آپ بہت خوش ہوئے۔ اور دو برس قبول فرمالئے یہ میری عمر جو زائد ہوئی ہے اسی کی برکت ہے شریعت میں ایسا درست ہے بزرگوں نے ایسا کیا ہے۔

(۴۷۹) پھر آپ نے یہ کرامت بیان فرمائی کہ ہمارے مرشد جو خلیفہ دویم رضی اللہ عنہ کی اولاد خاص میں ہیں ایک مرتبہ تشریف فرماتھے کہ یکا یک حضرت مرشد کی پشت مبارک سے خون بہنے لگا لوگ متحیر ہوئے مگر آپ نے اظہار نہ فرمایا اپنا لعاب دہن اس پر لگا لیا خدا کی شان دیکھو گویا کچھ نہ تھا تھوڑے دن بعد حضرت مرشد کا ایک مرید فائز خدمت ہوا اور بتایا کہ میں فلاں مقام پر نوکر تھا لڑائی کے موقعہ پر ایک شخص نے مجھے بھالا مارا تو میں نے دیکھا کہ حضرت مرشد نے اس کو اپنی پشت پر لے لیا۔

شاہ عبدالقادر صاحب :

(۴۸۰) مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وحضرت شاہ رفیع الدین صاحب سب متقی وصلحائے وقت تھے مگر شاہ عبدالقادر صاحب بڑے بانسبت تھے ایک مرزا صاحب سے رات کو جا جا کر توجہ لیا کرتے ان کے دادا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ایک بزرگ نے دیکھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے آس پاس جو پانچ کوس تک مدفون ہوگا مغفور ہوگا۔

(۴۸۱) پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کا زمانہ تو پایا ملاقات نہ ہوسکی میں شاہ صاحب کے وصال کے بعد دہلی گیا اسی طرح خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمہ کا زمانہ تو پایا مگر ملاقات نہ ہوسکی۔ بڑے بانسبت تھے۔

فضیلت صحابہ :

(۴۸۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں بارہ برس رہے گو عام فاضل تھے مگر کچھ حاصل نہ ہوا ایک دن انہوں نے پیر صاحب سے کہا کہ

میں اتنی مدت سے خدمت میں ہوں کچھ بھی نہ ہوا پیر صاحب نے کہا کہ تم کو کسی صحابی کے ساتھ کسی طرح کا خیال تو نہیں اس نے کہا صرف یہ خیال ہے کہ حضرت مرتضٰی خلیفہ اوّل کیوں نہ ہوئے ان کے پیر نے کہا کہ کمبخت جلد توبہ کر خلیفہ اوّل کو تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں خلیفہ (امام نماز) کیا اس شخص نے دل سے توبہ کی اسی شب میں انکو وہ بات حاصل ہوگئی پھر فرمایا ابوبکر و عمر سمعی و بصری ہیں۔ نیز حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَر اِیْمَانٌ وَّبُغْضُهَا نِفَاقٌ. حدیث سنائی۔

(۴۸۳) اثنائے مناقب خلیفہ دوئم رضی اللہ عنہ مولانا بابا نے فرمایا کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ مجھ پر چالیس ہزار کا قرض ہے تم ادا کر دینا ہر دو حضرت نے منظور کیا بعد وصال خلیفہ دوئم مدینہ طیبہ کی وہ زمین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دی تھی فروخت کی گئی تو اس میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ اسّی ہزار کو فروخت ہوئی یہ فاروق اعظمؓ کی کرامت تھی کہ چالیس ہزار اولاد کے لئے بچ گئے۔

بارش فیوض :

(۴۸۴) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جو ہماری طرف متوجہ ہوگا برابر اس کو ہم سے فیض پہنچے گا۔ پھر فرمایا جو کچھ ہم بات کرتے ہیں یہ بھی حسب حال توجہ ہوتی ہے چنانچہ آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر شخص کے حسب استعداد ایسی بات فرما دیا کرتے جس سے اس کو فیض ہو جاتا۔

(۴۸۵) ایک بار ایک ماسٹر ساکن آرہ فائز خدمت ہوئے وہ ایک اسکول میں انگریزی پڑھاتے تھے انہیں خطرہ ہوا کہ انگریزی پڑھانے کا سوال کہیں نہ ہو جائے جب وہ حاضر ہوئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ انگریزی پڑھاتے ہو تو بے جا کیا ہے اور گفتگو ہوتے ہوتے ماسٹر صاحب کو فیض آنا شروع ہو گیا۔ اصطلاح صوفیہ میں اس کو

لسانی توجہ کہتے ہیں۔

فیض صحبت :

(۴۸۶) ایک سخت غیر مقلد مولوی محمد ابراہیم ساکن آرہ فائز خدمت ہوئے نماز ہوئی توانہوں نے اکبری تکبیر کہی لوگوں نے غل مچایا کہ یہ فتنہ باز غیر مقلد ہے تو مولانا بابا نے منع فرمایا کہ کچھ مت کہو پھر آپ کی فیض صحبت کا ایسا اثر ہوا کہ وہ مقلد ہو کر صوفی المشر ب ہو گئے خود ابراہیم صاحب نے مولوی سید محمد علی صاحب رحمانی مونگیری سے کہا کہ عالم رؤیا میں دربارِ رسالت میں میری حاضری ہوئی تو امام اعظم علیہ الرحمہ کو بھی وہاں تشریف فرما دیکھا کہ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم امام صاحب سے اپنا قصور معاف کراؤ چنانچہ میں نے امام صاحب کے قدموں پر گر کر معافی مانگی۔ ذرا غور کیجئے اس علوئے نسبت پر کہ کسی عمدگی سے اصلاح فرمائی کہ فلاحِ دارین میسر ہو گئی۔ ابراہیم صاحب دو دن ہی رہے تھے کہ سب ہو گیا سمجھ لیجئے کہ احمد مکی صاحب آٹھ برس رہ کر کیا کچھ نہ ہو گئے ہوں گے۔

حسن توکل :

(۴۸۷) مولانا بابا کو کانپور میں کسی رئیس نے ایک بیش قیمت پر تکلف عبا اور ایک عدد کلام پاک قیمتی اٹھارہ سو روپیہ کا پیش کیا جب شاہ غلام رسول صاحب کانپوری سے مولانا بابا کی ملاقات ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ چونکہ آپ کپڑا پر تکلف پہنتے ہیں اس لئے یہ عبا بھی آپ لے لیجئے اور ساتھ ہی کلام پاک بھی۔ شاہ صاحب نے بڑے ہی کیف میں کہا کہ دراصل توکل اس کو کہتے ہیں۔

(۴۸۸) فرمایا کہ لوہے کو آگ میں رکھو تو اس کو بھی آگ ہو جانے کا دعویٰ ہو جاتا ہے یہی مثال اولیاء اللہ کی ہے۔

اللہ اللہ گفتہ اللہ می شود

ایں سخن کے باور مردم شود

(۴۸۹) یہ آپ کی مخصوص کرامت تھی کہ آپ جس کسی کو بھی جو کچھ تحریر فرماتے ۔ وہ تعمیل بجنسہٖ کرتا والیان ملک بھی بڑے احترام سے حکم بجالاتے عرب لوگ سائل ہوتے تو آپ ان کا احترام فرماتے ۔ ایک مرتبہ ایک عرب آئے اور کچھ رقم کے طالب ہوئے آپ نے ایک ایسے شخص سے جس کا ماہواری مشاہرہ تیس روپیہ تھا فرمایا کہ ان عرب کو تیس روپیہ دے دو اس شخص کو فراہمی رقم میں دیر ہوئی تو یہ عرب ان سے لڑنے لگے یہ خبر دادا میاں علیہ الرحمہ کو پہنچی تو آپ کو برا لگا اور والد بزرگوار سے عرض کیا کہ بابا یہ عرب لوگ پیشۂ مکاری کئے ہیں آپ سے جو کہتے ہیں مان لیتے ہیں مولانا بابا نے فرمایا کہ بیٹا ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ سرزمین پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ آئیں اور ہم ان کی خاطر نہ کریں آپ کی شان یہی تھی ۔ ؎

بدر فیض تو استادہ بعجز و نیاز

رومی و طوسی و ہندی یمنی جلنی

یہ پاس حرمت بھی عدیم المثال ہے ۔ (۴۹۰) اسی طرح آداب حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مولانا بابا ممتاز تھے ایک بار سڑک پر سے ایک لڑکا یہ گاتا گذرا کہ ؎

نہ آنا دل میں اے فکر دو عالم

خیال یاریاں ٹھہرا ہوا ہے

مولانا بابا نے کسی سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ یوں پڑھا کرو ۔ ؎

نہ آنا دل میں اے فکر دو عالم

جمال یاریاں ٹھہرا ہوا ہے

مختلف معمولات :

(۴۹۱) آپ کا معمول تھا کہ فرائض اوّل وقت ادا فرماتے ۔ مکتوبہ نمازیں نہ طول

پڑھتے نہ مختصر بلکہ متوسط طور پر پارہ عم کی چھوٹی سورتیں عام طور پر تلاوت فرماتے بعد سلام صرف اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَام آلخ پڑھتے رفع سبابہ نہ کرتے اور فرماتے ہمارے مجدد صاحب نہ اٹھاتے تھے۔ جمعہ وعیدین سَبِّحِ اسْمِ رَبِّکَ اور سورہ غاشیہ ورنہ سورہ جمعہ پڑھتے۔ جمعہ کا خطبہ مختصر مؤلف مرزا مظہر جانِ جاناں علیہ الرحمہ پڑھتے نماز جمعہ بھی بعد زوال اوّل وقت ادا کرتے عیدین میں بھی وقت چاشت تک پڑھ لیتے درس حدیث وقرآن پاک کے بعد صحت کلام مجید اور اس کی تقسیم محبوب خاطر عاطر تھی۔ جواب خطوط مختصراً فارسی میں لکھتے۔

(۴۹۲) صاحب کی لات رحمانی صفحہ ۱۱ پر ناقل کہ جب آپ کے زخم ہوا تو آپ حجرہ میں نماز ادا کرتے صحیح نہیں اس لئے کہ مولانا بابا جب تک حجرۂ مسجد میں مقیم رہے پانچوں وقت باجماعت نماز مسجد میں ادا کرتے رہے وصال کے آخری دو برس آپ نے زنانہ مکان کی پشت پر قیام فرمایا تو حجرہ چھوڑ دیا زخم اور نقاہت کی وجہ سے آنے جانے میں طوالت ہوتی تھی مگر اس مکان میں بھی باجماعت نماز ادا فرماتے جب جمعہ پڑھتا تو بہرحال مسجد تشریف لاتے۔ وضو ہمیشہ تازہ کرتے اور نماز وضو کا پیشتر سے اہتمام فرماتے جب تک نماز نہ ادا کر لیتے آپ پر بار معلوم ہوتا۔

ترک نماز :

(۴۹۳) فضائل نماز اور اس کے ترک کا ذکر حدیث میں آیا تو احمد مکی صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب لوگ کیا مرفوع القلم ہوتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر مجذوب باہوش وحواس ہیں تو بیشک ان سے باز پرس ہوگی ہاں اگر نماز کے وقت بالکل ہوش نہ ہو تو مرفوع القلم ہیں۔

حسن عبادت :

(۴۹۴) سورۂ فجر زیر آیت فَسَبِّحْ بِحَمْدِکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ .

مولانا بابا نے فرمایا گو یہاں سجدہ نہیں لیکن معناً نکلتا ہے اسی لئے ہم نے یہاں بھی سجدہ کیا۔جس ذات کی نگاہ اتنی دقیق اور حسن بندگی اتنی ممتاز ہو اس کے لئے تھانوی جی کہتے ہیں کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی۔نعوذ باللہ۔

کچھ اس انداز سے گل گشت کو نکلتے تھے مولانا

مہک اٹھا ہے ہر ذرہ طریقت کے گلستاں کا

(۴۹۵) ایک صاحب مولانا بابا کے پیر داب رہے تھے اتفاق سے ران پر ہاتھ رکھ دیا معاً آپ نے ان کو ڈانٹا کہ تم کو اتنا بھی شعور نہیں یہ مقام ستر ہے۔اس حسن احتیاط پر قربان جایئے کہ کبھی گھٹنوں سے اوپر غیر کا ہاتھ مس نہ ہونے دیا۔یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا اہتمام لازمی فرماتے یہ ایسی کب ہیں کہ خیال ہوا تو مستحبات پر پکڑ ہوئی۔ لاحول ولا قوۃ .

کیف نماز :

(۴۹۶) ارشاد فرمایا کہ جو لطف نماز میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشا وہ نہ آبِ کوثر میں ہے نہ حور میں ہے حشر کے دن اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمادے کہ تو کیا چاہتا ہے تو میں اوّل دوزخ سے پناہ مانگ کر کیونکہ جہنم سے پناہ مانگنا سنت ہے یہ کہوں کہ میرے رب دنیا میں جس طرح میں نماز پڑھا کرتا تھا یہاں بھی پڑھوں جو مزہ تو نے مجھے اس میں بخشا کسی میں نہ ملا۔

معرفت : (۴۹۷) پھر فرمایا کہ جو کوئی بعد نماز عشا موافق سنت باتیں کرے اس کو وہ شخص جو رات بھر عبادت کرے نہیں پہنچتا اسی طرح جو شخص صبح کی اہتمام سے ادا کرے اس کو رات بھر عبادت کرنے والا نہیں پاتا۔

مسائل دقیقہ :

(۴۹۸) فرمایا کہ چاند کے بارے میں قول نجومی غیر معتبر ہے۔اگر کسی فردِ واحد

نے چاند دیکھا اور واحد شہادت کی بنا پر اس کی گواہی اگر قبول نہ ہوئی جب بھی اس دیکھنے والے کو روزہ رکھنا فرض ہے۔

(۴۹۹) فرمایا کہ تیس شعبان کو رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے یعنی خیال رؤیت پر ہاں رؤیت نہ ہونے کے اطمینان پر نفلی نیت سے روزہ رکھنا جائز ہے۔ تلاش رؤیت ہلال ماہِ مبارک ۲۹؍شعبان کے غروب پر ضروری ہے۔ (۵۰۰) اگر غلطی سے افطار غروب سے پہلے ہوا یا سحری ایسے وقت کھائی کہ صبح صادق تھی تو روزہ فاسد ہے اور قضائے صوم واجب ہے۔

مرزا حسن علی صاحب :

(۵۰۱) احمد مکی نے پوچھا کہ مولوی حسن علی صاحب محدث لکھنوی اور حضورِ والا ایک ساتھ دہلی گئے تھے مولانا بابا نے فرمایا کہ مرزا صاحب اوّل جا کر شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھ آئے تھے پھر ان کا جب دوبارہ ارادہ ہوا تو ہم سے کہا مگر اس وقت ہمارے پاس زادِ راہ سفر نہ تھا کچھ روز بعد ہمارا بھی جانا ہو گیا جب ہم آگرہ ایک سرائے میں ٹھہرے وہاں مرزا صاحب ملے اور دہلی تک ساتھ ہوا۔ مولوی حسین احمد ملیح آبادی اور مرزا صاحب بھی ساتھ جانا صحیح نہیں ہے۔

تمام شد جلد اوّل

☆☆☆